إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ

لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (ترمذی)

مجموعہ کتب

احتساب ناصبیت

۴

المکتبۃ السراجیۃ لنشر الکتب الاسلامیۃ
حضوری باغ روڈ، ملتان فون: 061-4783486

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ
أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ
لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (ترمذی)

مجموعہ کتب

احتسابِ ناصبیت

۴

۲۱ شہداء کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء (شہادت حسینؓ کے بارے میں ایک خود ساختہ داستان کا علمی جائزہ)
۲۲ یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں (ناصبیوں کے ۱۲ شبہات کے جوابات)
۲۳ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علوم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۲۴ محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ
۲۵ یزید کے متعلق مسلک اعتدال
۲۶ مسئلہ فسق یزید اور اکابر علماء امت
۲۷ عباسی صاحب حقیقتاً کیا تھے؟ (فیصلہ کن اشارات)
۲۸ فاطمہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین (بخاری اور روایات صحاح کو جعلی قرار دینا)
۲۹ عباسی صاحب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے

مکتبہ جنید للکتب الاسلامیہ

جلد نمبر 4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب احتساب ناصبیت (جلد چہارم)

مصنفین : شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

جناب حکیم سید محمود احمد برکاتی رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

جناب موسیٰ حسن صاحب

صفحات : ۴۸۰

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : مئی ۲۰۲۶ء

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ ملتان

0301-7500173 0303-7396203

0301-7904257 0344-7121967

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست.....مجموعہ کتب احتساب ناصبیّت جلد ۴

۱	شہداء کربلاؓ پر افتراء (شہادت حسینؓ کے بارے میں ایک خود ساختہ داستان کا علمی جائزہ)	مولانا محمد عبدالرشید نعمانی حفظہ اللہ	۵
۲	یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں (ناصبیوں کے ۱۲ شبہات کے جوابات)	// // //	۹۵
۳	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	// // //	۲۹۹
۴	محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ	مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی حفظہ اللہ	۳۲۳
۵	یزید کے متعلق مسلک اعتدال	// // //	۴۳۳
۶	مسئلہ فسق یزید اور اکابر علماء امت	// // //	۴۴۱
۷	عباسی صاحب حقیقتاً کیا تھے؟	جناب حکیم سیّد محمود احمد برکاتی حفظہ اللہ	۴۶۵
۸	فاطمہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین	مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی حفظہ اللہ	۴۷۳
۹	عباسی صاحب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے	جناب موسیٰ حسن صاحب	۴۷۷

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

شہداء کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء

شہادت حسین رضؓ کے بارے میں
ایک خود ساختہ داستان کا علمی جائزہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

شہداءِ کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء

شہادتِ حسینؓ کے بارے میں
ایک خود ساختہ داستان کا علمی جائزہ

از

شیخ الحدیث محقق العصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن خضر
مؤسس و مدیر
الرحیم اکیڈمی
اے ۷/۱، عظیم نگر پوسٹ آفس، لیاقت آباد
کراچی ۷۵۹۰۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شہداء کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء
شہادت حسینؓ کے بارے میں
ایک خودساختہ داستان کا علمی جائزہ

کراچی کے ناصبی گروہ کی انجمن ''مجلس عثمان غنی'' کا دوسرا پمفلٹ ''داستان کربلاء حقائق کے آئینہ میں'' کراچی کے معروف ناصبی ڈاکٹر احمد حسین کا مرتب کردہ ہے جس کا جواب حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی محقق العصر نے عنوان بالا کے نام پر دیا۔

''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں اکیسویں (۲۱ویں) نمبر پر اس مقالہ کو شامل اشاعت کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست

نواصب کا خاتمہ	۱۴
برصغیر میں ناصبیت کی تحریک	۱۵
مجلس عثمان غنیؓ کا تعارف اور پروگرام	۱۶
(۱) اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح	۲۳
(۲) داستان گو کی حساب دانی	۲۸
(۳) دوسرے جھوٹ کی تنقیح	۲۹
(۴) تیسرے جھوٹ کی تنقیح کہ یزید کی فوج نے حضرت حسینؓ کو قتل نہیں کیا	۳۶
ظلم کا انجام	۴۳
امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا	۴۵
(۵) داستان گو کا حضرت ابن زبیر پر افتراء	۴۶
(۶) یزید کی برأت کے سلسلہ میں داستان سرائی	۵۲
(۷) خاندانِ حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ	۵۳
(۸) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہہ	۵۴
(۹) یزید کی ولی عہدی	۵۷
(۱۰) حضرت حسنؓ کی ولی عہدی پر طنز	۵۸
(۱۱) بنی ہاشم پر افتراء	۵۹
(۱۲) حضرت حسینؓ کے بارے میں افسانہ تراشی	۶۰

(۱۳) حضرت حسینؓ کو مطعون کرنا	۶۲
(۱۴) کتاب کا غلط حوالہ	۶۸
(۱۵) صحابیٔ رسول حضرت سلیمانؓ بن صُرَد پر طعن	۶۹
(۱۶) داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر	۷۱
(۱۷) حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین	۷۲
(۱۸) ایک نئی دریافت	۷۴
(۱۹) حضرت حسنؓ کے بارے میں داستان سرائی	۷۵
(۲۰) حضرت حسینؓ کی تحمیق	۷۷
(۲۱) قاتلانِ عثمانؓ کے بارے میں ضروری تنقیح	۷۹
(۲۲) شیعہ مخلصین کون ہیں؟	۸۴
(۲۳) حضرت حسنؓ کے بارے میں افتراء پردازی	۸۹
جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی ان کے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ	۹۰
نواصب تقیہ سے باز آئیں	۹۱
یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں	۹۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا اَمَّا بَعْدُ

بندۂ مومن کی طبیعت ساری ہی برائیوں کی طرف مائل ہوسکتی ہے۔ مگر کذب اور خیانت کی طرف اس کا میلان نہیں ہوا کرتا، تصدیق اور ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ صدق وامانت اس کی فطرت میں داخل ہو، اور کذب اور خیانت سے اس کو طبعی نفرت ہو۔ جھوٹ بولنا، دغابازی۔ یہ منافق کا شیوہ ہے مسلمان کا نہیں۔

''رفض'' اور ''ناصبیت'' یہ دو ایسی بدعتیں ہیں جن کی بنیاد ہی کذب اور دروغ گوئی پر قائم ہے۔ غضب خدا کا تصور تو کیجئے ''رافضی'' اور ناصبی یہ دونوں فرقے ''خیرِ اُمت'' کے افضل ترین افراد کے بارے میں جن کے جنتی ہونے کی زبانِ رسالتؐ نے شہادت دی ہے اور جن کی ثنا وصفت خود قرآن پاک میں جابجا مذکور ہے کس بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور کیسی کیسی افتراء بازی اور بہتان طرازی کرتے ہیں۔

رافضی، حضرات صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کہتے ہیں کہ: العیاذ باللہ! ان سے بیعت کرنے والے مسلمان نہیں منافقین تھے، انہوں نے ہی ان کو اپنا خلیفہ اور امام بنایا تھا اور ان تینوں حضرات نے تخت خلافت پر زبردستی قبضہ جما لیا تھا ورنہ خلافت تو دراصل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حق تھا اور وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بلافصل تھے۔ یہ لوگ ان حضرات ثلاثہؓ اور ان سے بخوشی بیعت کرنے والے تمام اصحاب کرام کو سرے سے مومن ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان سب کو منافق کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس جھوٹ کو سچ باور کرنے سے بچائے۔ آمین

اسی طرح ''ناصبی'' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ ان کو سبائیوں نے امام بنایا تھا، انہوں نے ہی ان سے بیعت کر کے ان کو خلیفہ کیا اور دوسروں سے بھی زبردستی ان کی خلافت کی بیعت لی۔ یاد رہے سبائیوں کا سربراہ عبداللہ بن سبا، ایک یہودی منافق تھا جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے بظاہر اسلام کا دم بھرتا تھا۔ ناصبیوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی، بلکہ

ان کا دورِ حکمرانی ہنگامہ پروری اور فتنہ وفساد کا دور تھا جس میں ہر طرف مسلمانوں کے خون کی اَرزانی تھی، خلافتِ راشدہ کا زمانہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد دوبارہ اس وقت شروع ہوا جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی اور مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا، ان کا بیٹا یزید بھی خلیفۂ راشد تھا مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبائیوں کے ورغلانے میں آ کر خلیفۂ برحق یزید کے خلاف بغاوت کردی۔ آخر اپنے کئے کی سزا کو پہنچے، حرّہ میں جن صحابہ وتابعینِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قتلِ عام ہوا وہ بھی سب باغی تھے جو یزیدی فوج کے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بقول ان ناصبیوں کے خلیفۂ راشد یزید علیہ ما علیہ کے "مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ" یعنی حرمِ الٰہی میں اِلحاد کے داعی تھے، اس لئے مجبوراً یزید کو فوج بھیج کر حرمِ کعبہ کا محاصرہ کرنا پڑا۔ غرض ان ناصبیوں کے نزدیک یزید کے سب اقدام برحق تھے اور اس کے خلاف جس نے بھی صدائے حق بلند کی وہ حق پر نہ تھا۔

اسلامی تاریخ چونکہ ان جھوٹوں کا ساتھ نہیں دیتی، اس لئے ان کو اب خود تاریخ گھڑنی پڑ رہی ہے۔ موجود دور میں اس دجل وفریب اور کذب ودروغ کی ابتداء تو محمود احمد عباسی نے ''خلافتِ معاویہ ویزید'' لکھ کر کی تھی لیکن بعد کو کمیونسٹ، ملحدوں اور منکرینِ حدیث نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر اس میں خاطر خواہ اضافہ کرنا شروع کر دیا، منکرینِ حدیث تو دورِ اوّل یعنی صحابہؓ کی تاریخ کو بے اعتبار قرار دے کر حدیث وروایت سے اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں اور کمیونسٹ ملحدوں کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ قبلہ میں اشتعال پیدا کر کے قتل وقتال کا ایسا بازار گرم کیا جائے کہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بج جائے جس طرح کہ دشمنوں نے صوبائی تعصب کو ہوا دے کر مشرقی پاکستان میں کیا تھا۔

اس وقت ''ناصبیت'' کے پرچار کے لئے کراچی اور پنجاب دونوں جگہ مسلسل کام ہو رہا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس فتنہ کی لپیٹ میں عربی مدارس بھی آ رہے ہیں، یونیورسٹی اور کالج کے شعبۂ تاریخ کے اساتذہ بھی اور بعض عوامی واعظ بھی، اس فتنہ کی زد میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عربی نہیں جانتے اور جو جانتے ہیں وہ اصل عربی ماخذوں سے رجوع نہیں کرتے تاکہ جھوٹ سچ معلوم ہو کر اصل حقیقت سامنے آجائے۔

اسی جھوٹ کے پرچار کا ایک ادارہ ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کے نام سے کراچی میں قائم ہے جو آئے دن کوئی نہ کوئی کتابچہ چھاپ کر مسلمانوں میں شائع کرتا رہتا ہے جس کو پڑھ کر سادہ لوح عوام گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس مجلس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر جس کا نام ہے ''حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟'' مفصل تنقید ''اکابر صحابہؓ پر بہتان'' کے نام سے چھپ کر منظر عام آ چکی ہے۔ (پہلے یہ تنقید ''ناصبی سازش'' کے نام سے طبع ہوئی ہے)

پیش نظر کتاب ''شہدائے کربلا پر افترا''، ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا علمی و تحقیقی جائزہ ہے۔ جس کا نام ہے: ''داستانِ کربلا حقائق کے آئینے میں۔'' ان دونوں کتابچوں کے مرتب مجلس مذکور کے مشہور داستان گو ڈاکٹر احمد حسین کمال ہیں جو کسی زمانے میں ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے ہفت روزہ جریدہ ''ترجمانِ اسلام'' کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔

اسی مجلس کا پانچواں کتابچہ ''حادثۂ کربلا'' کے نام سے مکرر طبع ہو چکا ہے۔ جس کا طرز بیاں ''داستانِ کربلا'' سے بھی زیادہ زہریلا اور گستاخانہ ہے، اس میں خوب دل کھول کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چوٹیں کی گئی ہیں ایک مسلمان کے لئے جو صحابۂ کرامؓ اور اہلِ بیتِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت سے واقف ہو، صبر و تحمل کے ساتھ اس کا پڑھنا بھی دشوار ہے اور اس کے مطالعہ سے جو ذہنی اذیت اور کوفت ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو، اس کے باوجود مولوی محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کی اس کتابچہ کے بارے میں یہ فہمائش ہے کہ:۔

''مولانا ابوالحسین محمد عظیم الدین صاحب کا رسالہ ''حادثۂ کربلا'' میں نے دیکھا ہے، ماشاء اللہ بہت مفید اور نافع ہے، اہلِ سنت کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے تاکہ سبائی دروغ بافیوں نے جو طلسم تیار کیا ہے وہ شکست ہو اور ان کی آنکھیں کھلیں''

فقط: اَحقر محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ

۲۶ رصفر ۱۳۹۵ ہجری ۹ رمارچ ۱۹۷۵ء

''حادثۂ کربلا'' اسی ''داستانِ کربلا'' کا خلاصہ ہے اور اسی جھوٹ کو اس میں بھی مزے لے لے کر دہرایا گیا ہے اور سند کے لئے پھر مجلس ہی کے ''داستان گو'' کا نام بایں الفاظ پیش کر دیا ہے۔

''برصغیر کے معروف اہلِ قلم، تاریخ کے اسکالر ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں۔'' (ص ۱۵ طبع اوّل وص ۱۱ طبع ثانی)

''حادثۂ کربلا'' طبع اوّل پر مولوی محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کے ارشادِ گرامی کے بعد ''پیش لفظ'' ڈاکٹر احمد حسین کمال کے قلم سے شائع ہوا ہے جس میں مجلس کے داستان گو صاحب نے مرتب رسالہ کے گن گائے ہیں۔ گویا وہی مضمون ہے:۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

رسالہ ''شہدائے کربلا پر افترا'' مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ کے شائع کردہ ان دونوں کتابچوں کے زہر کا تریاق ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی ذاتِ عالی سے امید ہے کہ جو بھی اس رسالہ کو بنظرِ انصاف پڑھے گا اس پر حقیقتِ حال آشکارا ہو جائے گی۔ اس رسالہ کے مصنف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب مدظلہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ملک کا علمی طبقہ ان سے بخوبی واقف ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ.

مظفر لطیف چہار شنبہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ:۔

نواصب کون ہیں: ''نواصب'' ''ناصبیہ'' اور ''اہلِ نصب'' تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض وعداوت کا علم بلند کر رکھا تھا، چنانچہ علامہ زمخشری ''اساس البلاغۃ'' میں لکھتے ہیں:

وَنَاصَبْتُ لِفُلَانٍ، عَادَیْتُہٗ نِصَبَاءَ، وَمِنْہُ النَّاصِبِیَّۃُ، وَالنَّوَاصِبُ وَاَھْلُ النَّصْبِ الَّذِیْنَ یَنْصِبُوْنَ لِعَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ۔

نَاصَبْتُ لِفُلَانٍ کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر ''ناصبیہ'' ''نواصب'' اور ''اہلِ نصب'' کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضراتِ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تبرّیٰ و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہٖ یہی طریقہ نواصب کا خلیفۂ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ

مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہو گیا تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو ''شیعہ مروانیہ'' و ''شیعہ امویہ'' اور ''شیعہ عثمانیہ'' بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہو گیا، اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہو گئی، چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی اپنی مشہور و معروف کتاب "الخطط والآثار فی مصر والقاھرۃ والنیل ومایتعلق بھا من الانھار" میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا قُتِلَ مَرْوَانُ وَانْقَضَتْ اَيَّامُ بَنِيْ اُمَيَّةَ يَعْنِي الْعَبَّاسَ فِيْ سَنَةِ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِيْنَ وَمِائَةٍ خَمَدَتْ جَمْرَةُ اَصْحَابِ الْمَذْهَبِ الْمَرْوَانِيِّ وَهُمُ الَّذِيْنَ كَانُوا يَسُبُّوْنَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَيَتَبَرَّؤُوْنَ مِنْهُ، وَصَارُوْا مُنْذُ ظَهَرَ بَنُو الْعَبَّاسِ يَخَافُوْنَ الْقَتْلَ وَيَخْشَوْنَ اَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا طَائِفَةٌ كَانَتْ بِنَاحِيَةِ الْوَاحَاتِ وَغَيْرِهَا. فَاِنَّهُمْ اَقَامُوْا عَلٰى مَذْهَبِ الْمَرْوَانِيَةِ دَهْرًا حَتّٰى فَنُوْا وَلَمْ يَبْقَ لَهُمُ الْاٰنَ بِدِيَارِ مِصْرَ وُجُوْدٌ اَلْبَتَّةَ۔ (ج ۲ ص ۳۳۸ طبع بولاق مصر ۱۲۷۱ھ)

جب مروان (الحمار بنی امیہ کا آخری تاجدار) قتل ہو گیا اور بنی امیہ کے ایام حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۱۳۳ ہجری میں ختم ہو گئے تو اصحاب مذہب مروانی کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرّاء اور سب وشتم کیا کرتے تھے اور جب سے بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع نہ ہو جائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت جو ''واحات'' (مصر کے بالائی مغربی علاقہ) وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک مدت تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔ بالآخر وہ بھی فنا ہو گئی اور اب دیار مصر میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی نہیں۔

برصغیر میں ناصبیت کی تحریک

اور برصغیر ہند و پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امروہوی نے ''خلافت معاویہؓ و یزید'' لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرین حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے متبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو ''ناصبیت'' کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہو گئی ہیں جن کا کام ہی اہل سنت کو راہ اعتدال سے ہٹانا ہے، اسی سلسلہ کی ایک انجمن ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کراچی ہے۔ جس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر مکمل تنقید ''ناصبی سازش'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، (اب اس کا نام بدل کر ''اکابر صحابہ پر بہتان'' کر دیا ہے) اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی تقطیع پر بتیس صفحات کا ہے جس کا نام ہے: ''داستانِ کربلا حقائق کے آئینہ میں'' اس کے مرتب بھی وہی ''احمد حسین کمال'' (سی ۱۵۳ کورنگی نمبر ۶ کراچی نمبر ۳۱) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعات ''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' کی دوسری کڑی ہے۔

مجلسِ عثمان غنیؓ کا تعارف اور پروگرام

لیکن جائزہ لینے سے پہلے مجلس کا تعارف اور پروگرام پڑھئے جو ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' دراصل تطہیرِ تاریخ اور تصفیۂ اذہان کی اس تحریک کا نام ہے، جس کے پیشِ نظر ان حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق اغیار و اشرار کے نامبارک ہاتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب و اباطیل کی اصلاح اور چھان پھٹک ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن کی بازی لگا کر اطرافِ عالم میں اسے پھیلایا..... لیکن چونکہ اوّلین اہلِ قلم..... عموماً انہی عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں، جن کی شوکت و حکومت..... ان ہی مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں..... پیوندِ خاک ہوئیں، بنا بریں، انھوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدرِ اوّل کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہؓ اور محسنینِ اُمت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتریات و مکذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں..... تاریخ کا یہی وہ اہم مگر بے حد پیچیدہ موضوع ہے جسے انہیں تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حق و انصاف، روایت و درایت کے جملہ حقوق کی رعایت رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمان قوم کو اس پر غور و فکر اور پھر قبول کی دعوت دینا ''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' کے پیشِ نظر ہے..... جو اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں ''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' کی اس کوشش کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا و آخرت میں اپنا مقام بلند کریں۔''

(داستان کربلا ص ۳۰، ۳۱)

''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' نے تطہیرِ تاریخ اور تصفیۂ اذہان کی جو مہم چلائی ہے اس کا ایک نمونہ تو ''اکابرِ صحابہ پر بہتان'' میں گزرا، اب تاریخِ اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالئے!

اس کتابچہ کا نام ''داستانِ کربلا'' حقیقت میں اسم بامسمّٰی ہے، عربوں کے کاہنوں کی طرح ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے ''داستانِ امیر حمزہ'' کی طویل وعریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر میں گزری ہیں اور اس نے نوشیرواں نامہ، ہرمز نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایرج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، صندلی نامہ، تورج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیالِ سکندری، طلسم لوخیز جمشیدی، طلسمِ زعفرانِ زارِ سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس طول طویل داستان میں اتنا تو سچ ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہ، عمرو بن امیہ ضمری، معد یکرب، مالک اشتر، لندھور ابن سعدان، نوشیروان، بزرجمہر، افراسیاب، زمرد شاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نامبردگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ پچھلے پانچ عجم سے، لیکن ''داستانِ امیر حمزہ'' پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدھ احمق ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو سچ باور کرتا ہوں، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قمر نے بھی جن کے قلم سے ''داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قران'' کی طویل وضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ''داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قران'' کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے۔

مگر آفرین ہے ''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' کے ارکان اور اس مجلس کے ہیرو احمد حسین کمال پر جنہوں نے اپنے جی سے گڑھ کر ''داستانِ کربلا'' لکھی اور اس پر بصد طمطراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ بے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان ''حقائق کے آئینہ'' میں سپردِ قلم کی گئی ہے، سچ ہے۔

إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' کے لئے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گوئیوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو

اب ذرا دل پکڑ کر اس داستان کو پڑھئے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

خود ساختہ ''داستانِ کربلا'' کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''بَعَثَ أَهْلُ الْعِرَاقِ إِلَى الْحُسَيْنِ الرُّسُلَ وَالْكُتُبَ يَدْعُوْنَهُ إِلَيْهِمْ فَخَرَجَ مُتَوَجِّهًا إِلَيْهِمْ فِيْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَسِتِّيْنَ شَخْصًا مِّنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ صُحْبَةً'' (البداية والنهاية. جز هشتم ص ۱۵۳)

۲۲ رجب ۶۰ ہجری کو امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوگئی۔ شعبان ۶۰ ہجری میں حضرت حسینؓ اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے، اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔ کوفہ میں رہنے والے شیعیانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے قاصد پر قاصد روانہ کرنے شروع کر دیئے کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ آپ نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے اپنے تایا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، کوفہ میں رہنے والے شیعیانِ علی کے پیغامات اب بھی برابر آ رہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا، شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسینؓ کے پاس متعدد پیغمبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آجائیں، چنانچہ حضرت حسینؓ اپنے اہلِ بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے۔''

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسینؓ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے اور امیر یزید

کے ہاتھ پر ماسواء عبداللہ بن زبیرؓ اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کر چکے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ۱۸۹ صحابہ کرامؓ شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسینؓ اپنے قافلہ کے ساتھ زرود پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی، آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعیانِ علی آپ کا ساتھ ضرور دیں گے، موضع زرود مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر ''۱۸ ویں'' منزل پر واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۴۵۹ عربی میل ہے، مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں، غداریوں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے، جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلنے پر اصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زرود میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا..... ان دونوں نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:

''میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سینکڑوں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافتِ حال کے لئے کوفہ بھیجا تھا، ساٹھ کوفی جو اَب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آ جائیں، اہلِ کوفہ بیتابی سے آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کر دیا اس لئے اب میرے سامنے یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں'' عمر بن سعد نے

کوفہ کے گورنر ابنِ زیاد کو اس صورتِ حال سے اور حضرت حسینؓ کے ارادہ سے مطلع کر دیا، عبداللہ بن زیاد نے قَبِلْتُ کہہ کر منظوری دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ حضرت حسینؓ کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا تا کہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسینؓ کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں، تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلا۔

مقام ''واقصہ'' سے حضرت حسینؓ نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور اب ''القرعا'' اور ''مغیثہ'' کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے۔ ۹ محرم کی شب کو ''العذیب'' اور ''قصر مقاتل'' کی منزلیں طے کر کے آپ نے ''الطف'' کی سرسبز و شاداب زمین میں ''کربلت'' کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا، اسی ''کربلت'' کو ''کرب و بلا'' کے معنی پہنانے کے لئے کربلا بنا دیا گیا۔ ''کربلت'' عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں۔[1]

''کربلت'' دریائے فرات سے بیس میل دور اور کوفہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہلِ شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا:

''افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسنؓ کو زخمی کیا اور مایوس

---

[1] یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے، مگر ناصبیوں کے ''امام التاریخ'' عباسی صاحب یہ لکھتے ہیں، ''ارض الطف کے قریہ غفر کی مضافاتی زمین ''کربلا'' کہلاتی تھی، جو روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی، نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ بچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر ''کربلا'' کہلاتی تھی (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع چہارم) یاد رہے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع ''کربلا'' کا تو ذکر آتا ہے مگر ''کربلت'' نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں جھوٹ نہ ہو۔

بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے بڑا احمق ہے۔'' (جلاء العیون، طبری)

ساتھوں کوفی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسینؓ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے، لیکن ان سے جدا ہونا ابن زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ ابن زیاد کا فوجی دستہ ساتھ میں ہے! اس لئے ان سب نے باہم صلاح ومشورہ کر کے عصر ومغرب کے درمیان کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلہ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسینؓ اور ان کے اہلِ بیت کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسینؓ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ میں شور برپا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع اور جوابی کارروائی کرنے لگے، اس شور وغل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ دستے نے بھی سنی، حر، شمر اور عمر بن سعد حسینی کیمپ کی طرف دوڑے، شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر قتل کر ڈالا، ایک آدھ ہی بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن افسوس اس دوران حضرت حسینؓ کئی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے علی اکبر اور عبداللہ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسنؓ کے تین صاحبزادے عبداللہ، قاسم، ابوبکر بھی قتل کر دیئے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چاروں لڑکے جعفر، محمد عبدالرحمن، عبداللہ اور عبداللہ ثانی بھی مارے جا چکے تھے۔ یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حر خاندانِ علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لئے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے اکیس افراد حضرت حسینؓ سمیت شہید کئے جا چکے تھے، حر بھی کوفیوں کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے وار سے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری مطابق ۱۰/اکتوبر ۶۸۰ء بدھ کے دن پیش آیا، بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو ''کربلت'' [1] کے بجائے ''نینوا'' کے مقام پر پیش آیا۔ بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نمازِ جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ

[1] اس نام کا کوئی تاریخی وجود نہیں۔

دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا، بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انہیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندانِ علی کے بچے کھچے افراد اور خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعانِ علی نے خفیہ طور پر ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جتائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسینؓ کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں عبداللہ بن زیاد، عمر بن سعد، اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے، فرمایا:

''اے غدارو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول وقرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔''

خاندانِ علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں عبداللہ بن زیاد کے مہمان رہے، پھر پوری حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ واپس آ کر جوارِ رسولؐ میں حسبِ سابق رہنے لگے۔

خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقے کے مطابق حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔'' (داستان کربلا از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' یعنی حال کے ''مذہب مروانی'' کے داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گزری اور جس میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ''شیعیانِ اموی'' کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبیداللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسینؓ کے قتل میں پیش پیش رہنے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی ذرا سی بھی آنچ نہ آنے پائے، کیونکہ شیعیانِ بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں اور ان

کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفۂ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب نواصب اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ جہاں تک بن سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجالائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کاروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے، بلکہ اُلٹا الزام مظلوموں کے سر تھوپا جائے، واقعۂ کربلا کی ذمہ داری خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جائے، حرّہ کے مظالم کا ذمہ دار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کارِ شر میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ کام میں لایا جائے، کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آکر سلف صالحین صحابہؓ و تابعین اور اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن کب تک کہ جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لئے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

(۱) اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح

چنانچہ احمد حسین کمال داستان گو نے اگرچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ان ساٹھ کوفیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو ورغلانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب آپ ان کے ورغلانے میں نہ آئے اور امیر یزید کی بیعت کا مصمم ارادہ کر لیا تو یہ ساٹھوں کوفی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے، اس لئے سب کے سب باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر کی نماز کے بعد ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کا محافظ دستہ جو کاروانِ اہلِ بیت کی حفاظت کے لئے کوفہ کی حکومت نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت ناگہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہلِ بیت کو نہ بچا سکا، مگر ان ''شیعہ مرانیہ''، ''مجلس حضرت عثمان غنی'' کے ''امام

التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی'' کا (جس کے لئے یہ ناصبی ''رحمہ اللہ[1]'' بھی لکھتے ہیں) یہ بیان ہے۔

''امیر عبید اللہ زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امنِ عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المؤمنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائضِ مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہلِ خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض وعداوت..... علاوہ ازیں خود امیر المؤمنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ وجدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔''

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو قاتلِ حسینؓ کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ ومورخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب وافتراء ہی ثابت ہوگا..... حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے، دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں، ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے، چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دے دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوفی

---

[1] ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' نے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھٹے نمبر پر جو کتابچہ ''علی المرتضیٰ'' کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲۲ پر یہی الفاظ ہیں۔

''امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمہ اللہ۔''

ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے، بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور علمی گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد ہی ناقص ہے، عربی کا تو کیا ذکر، اہلِ علم حضرات اگر ان کی تالیف ''خلافتِ معاویہ ویزید'' میں انہوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو ان ''علامہ صاحب'' کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی ''شیخ الاسلامی'' کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امروہہ کے بہت سے احباب ابھی زندہ ہیں، ان سے ان کی صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور جمعہ جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں، نیز وحی اور قرآن کریم کے بارے میں جو وہ اظہارِ خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپ کو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ عباسی کی کتاب ''خلافتِ معاویہ ویزید'' کی جب نشر واشاعت ہو رہی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی جب یہ داستان شائع ہوئی تو وہ روسی سفارت خانہ میں ملازم ہیں۔

سبائیوں[1] کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آ رہے تھے، اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی، وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کیفرِ کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ کرتے ہیں تو مستوجبِ تعزیر[2]، انہوں نے اپنے پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی، جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتشِ جنگ مشتعل کرا دی تھی..... چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ موقف پر قائم رہیں..... حکومتِ وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلابِ حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تحریض و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعد کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المؤمنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں..... حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکمِ کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔'' امیرِ کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المؤمنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا، آپ کے اس انکار پر

---

[1] عباسی صاحب تو ان کوفی شہداء کو جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت میں اپنی جانیں نثار کر دیں ''سبائی'' کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

[2] کیوں؟ کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ طے کر لیا تھا کہ صلح کے بعد اہلِ عراق پر کوئی دار و گیر نہیں ہوگی۔

دوسرا مطالبہ مزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلاتِ حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، نمائندگانِ حکومت کے حوالہ کر دیں تا کہ اس خطرہ کا بھی سد باب ہو جائے، جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آ کر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عاملِ مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعتِ عامہ کے لئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے، مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے، حکامِ کوفہ کے اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوشِ انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی، یہ موقع ہاتھ آ گیا، انہوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنہوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نااندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، آزاد محققین و مستشرقین (جن کے کہنے پر عباسی صاحب کا ایمان ہے) نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثۂ حزن انگیز پیش آ گیا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ، ''گورنر (کوفہ) عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ) کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے، کوفہ کے شیعیانِ علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا) حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے بدر جہا طاقتور فوجی دستہ پر جو اُن سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا، غیر مآل اندیشانہ طور پر حملہ کر دیا۔ (ص ۱۶۲)'' عمر بن سعد امیر عسکر نے..... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے، یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی.....

حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابنِ سعد پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے.....

انہوں نے مفادِ ملت کی خاطر بہتیری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی دراندازیوں سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں، لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا جس میں ثبوت خود انہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے، گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہلِ خاندان کو ان کی بیویوں، کنیزوں اور دوسری خواتینِ خاندانِ نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔''

(ملاحظہ ہو ''خلافتِ معاویہ و یزید'' مؤلفہ محمود احمد عباسی، طبع چہارم (ص ۲۳۶ تا ص ۲۴۱)

شیعیانِ اموی ''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' کے ''امام التاریخ'' کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجئے کہ ناصبیوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے اہلِ بیتؓ اور ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت ممدوح کی معیت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتل تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثۂ حزن انگیز اس لئے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آ کر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعانہ جنگ کی کہ اپنی فوج کے سولہ افراد زیادہ کٹوا دیئے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھاسی آدمی کام آئے، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں! عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شجاعانِ عرب اس کے ساتھ تھے آناً فاناً میں حسینی قافلہ کے بہتر نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستہ فوج کو ایک تنفس کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر ''مجلسِ شیعیانِ عثمان'' کے داستان گو نے جو داستان بیان کی

ہے وہ امام التاریخ کے بیان کردہ افسانہ سے بالکل جدا ہے، اس میں مذکور ہے کہ عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا، اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرے سے جنگ ہی نہیں کی، بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیتؓ کو ان کوفیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لئے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستہ فوج کے پہنچتے پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کف افسوس مل کر رہ گیا، آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ہمارے نزدیک تو ناصبیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں (محمود عباسی و احمد حسین کمال) ہی فسانہ طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لئے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے، فرق ہے تو بس اتنا کہ ناصبیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقینِ یہود و نصاریٰ ضالّین و مُغضُوبین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے کہ جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس بات کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے، لیکن ''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' کے داستان گو کا سارا بیان خانہ ساز و طبع زاد ہے۔ بہرحال اب شیعیانِ اموی ''مجلسِ عثمان غنیؓ'' کو چاہئے کہ اپنے تمام اراکینِ مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور ''داستان گو'' دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

(۲) داستان گو کی حساب دانی

''داستان گو'' صاحب کی حساب دانی کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ ۲۸ رجب سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ رجب کا چاند اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن، مگر یہ اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بنا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہو گئی۔''

(داستانِ کربلا ص ۳)

''منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسینؓ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے، اس وقت امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے۔'' (داستانِ کربلا ص ۴)

سچ ہے ؎

دروغ گو را حافظہ نباشد

(۳) دوسرے جھوٹ کی تنقیح

''داستانِ کربلا'' (ص ۷، ۸) پر جو یہ مرقوم ہے کہ:

''دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہلِ شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا:

''افسوس تم ہی لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عزاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے وہ بڑا احمق ہے۔'' (جلاء العیون طبری)

سو محض غلط ہے، ''داستان گو'' صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع بے موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے، اس کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستان کے لئے

اس لئے انہوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام شراف سے چل کر (جو واقصہ سے دو میل پر ہے) ''کوہ ذی حسم'' کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو حرّ بن یزید تمیمی یربوعی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابل آ کر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا، تمازتِ آفتاب نے حرّ، اس کی فوج اور سواریوں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساقیِ کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان کی سواریوں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا

جائے، تعمیلِ حکم میں دیر نہ لگی، اور اوّل سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا، حرّ کو قادسیہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل وحرکت کی نگرانی کے لئے بھیجا گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کارواں کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ میں لا کر پیش کیا جائے۔ عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قصد سے مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قطقطانہ سے لے کر خفّان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے۔ چنانچہ اسی ہدایت کے مطابق اس نے اپنے سامنے حرّ کی کمان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، ظہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کے لئے فرمایا۔ حجاج نے اذان دی، اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردا وازار زیبِ تن کئے نعلین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّھَا مَعْذِرَۃٌ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اِلَیْکُمْ. اِنِّیْ لَمْ اَتِکُمْ حَتّٰی اَتَتْنِیْ کُتُبُکُمْ وَ قَدِمَتْ عَلَیَّ رُسُلُکُمْ اَنْ اَقْدِمْ عَلَیْنَا. فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَنَا اِمَامٌ لَعَلَّ اللّٰہَ یَجْمَعُنَا بِکَ عَلَی الْھُدٰی فَاِنْ کُنْتُمْ عَلٰی ذٰلِکَ فَقَدْ جِئْتُکُمْ فَاِنْ تُعْطُوْنِیْ مَا اَطْمَئِنُّ اِلَیْہِ مِنْ عُھُوْدِکُمْ وَ مَوَاثِیْقِکُمْ اَقْدَمْ مِصْرَکُمْ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ کُنْتُمْ لِمَقْدَمِیْ کَارِھِیْنَ انْصَرِفُ عَنْکُمْ اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ اَقْبَلْتُ مِنْہُ اِلَیْکُمْ۔

(تاریخ طبری ج ۸ ص ۴۰۱)

لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ پیغام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ ''آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے، ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر دے'' سو تم اب بھی اگر اسی بات پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس آچکا ہوں، اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد و پیمان کرو کہ جن سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں

تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر حرؓ اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے، اس نے جواب دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ آپ نے ظہر کی امامت فرمائی، عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد وثناء الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ، اَیُّهَا النَّاسُ، فَاِنَّكُمْ اِنْ تَتَّقُوْا وَ تَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ یَكُنْ اَرْضٰی لِلّٰهِ، وَ نَحْنُ اَهْلُ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِوِلَایَةِ هٰذَا الْاَمْرِ عَلَیْكُمْ مِنْ هٰؤُلَاءِ الْمُدَّعِیْنَ مَا لَیْسَ لَهُمْ، وَ السَّائِرِیْنَ فِیْكُمْ بِالْجَوْرِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ اَنْتُمْ كَرِهْتُمُوْنَا وَ جَهِلْتُمْ حَقَّنَا وَ كَانَ رَاْیُكُمْ غَیْرَ مَا اَتَتْنِیْ كُتُبُكُمْ، وَ قَدِمَتْ بِهٖ عَلَیَّ رُسُلُكُمْ اَنْصَرَفْتُ عَنْكُمْ۔

(طبری ج ۵ ص ۴۰۲)

اما بعد، اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اہلِ حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو زیادہ راضی کرنے والی ہے اور ہم اہلِ بیت ان ناحق کے مدعیوں، اور تم پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کی بہ نسبت تمہارے ولیٔ امر ہونے کے زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے نکرتے ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیغام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہوئے جاتا ہوں۔

اب حرؓ نے آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا:

اِنَّا وَاللّٰهِ مَا نَدْرِیْ مَا هٰذِهِ الْكُتُبُ الَّتِیْ تَذْكُرُ۔ (ج ۵ ص ۴۰۲)

خدا کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ کن خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ذرا وہ دونوں خرجینیں تو لاؤ جن میں میرے نام ان کوفیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ دونوں خرجینیں

جو خطوط سے پُر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لا کر خالی کر دی گئیں اور آپ نے ان خطوط کو پھیلا کر ان کے سامنے ڈال دیا، حر نے اب بھی یہی جواب دیا کہ:

فَاِنَّا لَسْنَا هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَتَبُوْا اِلَيْكَ، وَ قَدْ اُمِرْنَا اِذَا نَحْنُ لَقِيْنَاكَ اَلَّا نُفَارِقَكَ حَتّٰى نُقْدِمَكَ عَلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ۔ (ج۵ ص ۴۰۲)

ہم تو وہ نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے تھے، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جیسے ہی آپ کا ہمارا آمنا سامنا ہو تو اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑیں جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کر دیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَلْمَوْتُ اَدْنٰى اِلَيْكَ مِنْ ذٰلِكَ

اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ قریب ہے۔

یہ فرما کر حضرت ممدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لئے آمادہ ہوئے تو حر اور اس کا رسالہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو؟ حُر نے پھر وہی جواب دیا۔

اُرِيْدُ وَ اللّٰهِ اَنْ اَنْطَلِقَ بِكَ اِلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ۔ (ج۵ ص ۴۰۲)

بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اِذًا وَّ اللّٰهِ لَا اَتْبَعُكَ

خدا کی قسم! ایسی صورت میں میں تیرا تابع نہیں ہو سکتا۔

اس پر حُر نے کہا:

اِذًا وَّ اللّٰهِ لَا اَدَعُكَ

خدا کی قسم! میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔

طرفین سے گفتگو میں تلخی بڑھی تو حر کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں آپ کا پیچھا نہ چھوڑوں اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ بات میرے اور

آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ چاہیں تو یزید بن معاویہ کو لکھیں یا چاہیں عبیداللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں کوئی ایسی عافیت کی صورت پیدا کردے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلاء نہ پیش آئے۔

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عذیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت گھوم گئے، حُر کا دستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام ''بیضہ'' پر پہنچے جو واقصہ اور عذیب کے مابین پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ ''داستانِ گو'' نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گڑھ کر یہ اضافہ کردیا ہے۔

''دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہلِ شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا..... الخ!''

(''داستانِ کربلا'' ص ۷، ۸)

حالانکہ تاریخ طبری میں کہیں اس بات کا نام ونشان تک نہیں جو ''داستانِ گو'' نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے:

اِنَّ الْحُسَیْنَ خَطَبَ اَصْحَابَہٗ وَ اَصْحَابَ الْحُرِّ بِالْبَیْضَۃِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَ اَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰی سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحُرُمِ اللّٰہِ نَاکِثًا لِعَھْدِ اللّٰہِ مُخَالِفًا لِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَعْمَلُ فِیْ عِبَادِ اللّٰہِ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْہِ بِفِعْلٍ وَّ لَا قَوْلٍ، کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّدْخِلَہٗ مُدْخَلَہٗ اَلَا وَاِنَّ ھٰؤُلَاءِ قَدْ لَزِمُوْا طَاعَۃَ الشَّیْطٰنِ وَ تَرَکُوْا طَاعَۃَ الرَّحْمٰنِ وَ اَظْھَرُوْا الْفَسَادَ وَ عَطَّلُوا الْحُدُوْدَ فَاسْتَاْثَرُوْا بِالْفَیْءِ، وَ اَحَلُّوْا حَرَامَ اللّٰہِ وَ حَرَّمُوْا حَلَالَہٗ، وَ اَنَا اَحَقُّ مَنْ غَیَّرَ قَدْ اَتَتْنِیْ کُتُبُکُمْ وَ قَدِمَتْ عَلَیَّ رُسُلُکُمْ بِبَیْعَتِکُمْ اَنَّکُمْ لَا تُسْلِمُوْنِیْ وَ لَا تَخْذُلُوْنِیْ فَاِنْ تَمَمْتُمْ عَلٰی بَیْعَتِکُمْ تُصِیْبُوْا اَرْشَدَکُمْ فَاَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ وَّ ابْنُ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، نَفْسِیْ مَعَ اَنْفُسِکُمْ وَ اَھْلِیْ مَعَ اَھْلِکُمْ فَلَکُمْ فِیَّ اُسْوَۃٌ وَّ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا اَوْ نَقَضْتُمْ عَھْدَکُمْ وَ خَلَعْتُمْ بَیْعَتِیْ مِنْ اَعْنَاقِکُمْ

فَلَعَمْرِیْ مَا هِیَ لَكُمْ بِنُكْرٍ لَقَدْ فَعَلْتُمُوْهَا بِاَبِیْ وَ اَخِیْ وَ ابْنِ عَمِّیْ مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلٍ، وَ الْمَغْرُوْرُ مَنْ اغْتَرَّبِكُمْ فَحَظَّكُمْ اَخْطَاْتُمْ، وَ نَصِیْبَكُمْ ضَیَّعْتُمْ، وَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَ سَیُغْنِی اللّٰهُ عَنْكُمْ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۳ طبع دارالمعارف قاہرہ ۱۹۶۲ء)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام ''بیضہ'' میں پہنچ کر اپنے اصحاب اور حر کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا، جس میں حق تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''جو کسی ظالم حکمران کو اس حال میں دیکھے کہ وہ محرماتِ الٰہی کو حلال کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول وفعل سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی کے ٹھکانے پر پہنچانے میں حق بجانب ہیں۔'' خبردار! ان لوگوں (حکمران ٹولے) نے رحمٰن کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے، ملک میں فساد پھیلا دیا، حدود الٰہی معطل کر دیں، مالِ غنیمت اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا۔ چنانچہ اس صورت حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط میرے پاس آ چکے ہیں اور تمہارے قاصد تمہاری اس امر پر بیعت کی خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار و مددگار نہیں چھوڑو گے، پھر اگر تم اپنی بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر اطہر فاطمہؓ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں، تمہارے لئے میں نمونہ ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد و پیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکتے ہو تو بجانِ من یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ، میرے بھائی اور میرے برادر عمزاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے، وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں

آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھویا اور اپنی قسمت کو خراب کیا ''جو شخص بھی عہد توڑے گا اس کا زیاں خود اسی کو اٹھانا پڑے گا'' اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۶۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے ''مقتل حسین'' کے ضمن میں بیان کی ہے، اس میں اوّل سے آخر تک کہیں ان ساتھ کوفی حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے کوئی ذکر نہیں، بس مقام ''بیضہ'' پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حُر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے، اس تقریر میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرّ اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں؛ اپنے اُن اصحاب سے نہیں جو مکہ معظمہ سے آپ کے ہمرکاب تھے، حرّ اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازمِ مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حُر اور اس کا رسالہ سدِ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر ''داستان گو'' صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے مدینہ طیبہ کے یزید کی بیعت کے لئے دمشق جا رہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، مطمئن ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور ابلہ فریبی کا پردہ چاک ہوگا۔

بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جان نثار ساتھ کوفیوں سے کریں گے جو مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کے سامنے میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ اور طبری میں ''داستان گو'' صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

''جلاء العیون'' کے بارے میں اسی ''داستانِ کربلا'' کے الفاظ ہیں:

''شیعہ کتاب جلاء العیون''

اس لئے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو ''داستان گو'' صاحب کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں، دروغ گوئی اور بہتان طرازی روافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ: ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو

صحیح باور کرنے پر تلی ہوئی ہے، تمام اہل السنت والجماعت حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں نہ رافضیوں کی خرافات پر اعتماد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغویات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفاء ثلاثہ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسنین اور ان کی اولادِ امجاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔

''نواصب'' کو اگلے زمانہ میں ''شیعہ عثمان''، ''شیعہ مروانیہ'' اور ''شیعہ امویہ'' کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے ''خلافت معاویہ و یزید'' لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ ''مجلس عثمان غنی'' بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے درپے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں کہ یہ کیا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعانِ عثمان ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کے نام پر رافضیوں کے تمام سب وشتم کا بدلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں، سچ ہے:

مَا سَلِمَ الصِّدِّیقُ مِن رَافِضٍ ... مَا نَجَی مِن نَّاصِبٍ عَلِیٌّ

(حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے تبرّا سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجات نہ ملی)

(۴) تیسرے جھوٹ کی تنقیح کہ یزید کی فوج نے حضرت حسینؓ کو قتل نہیں کیا

''داستان گو'' صاحب نے ''البدایہ والنہایہ'' کی عربی عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صفحہ اور جلد کا حوالہ غلط دیا یعنی (جلد نہم ص ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے، غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ:

''البدایہ والنہایہ'' مشہور عربی تاریخ ہے۔''

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی ''البدایہ والنہایہ'' کے اسی صفحہ پر جو یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا۔

كَتَبَ يَزِيْدُ اِلٰى ابْنِ زِيَادٍ اِنَّهٗ قَدْ بَلَغَنِيْ اَنَّ حُسَيْنًا قَدْ سَارَ اِلَى الْكُوْفَةِ وَ قَدِ ابْتُلِيَ بِهٖ زَمَنُكَ مِنْ بَيْنِ الْاَزْمَانِ وَ بَلَدُكَ مِنْ بَيْنِ الْبُلْدَانِ وَ لَبُتْلِيْتَ اَنْتَ بِهٖ مِنْ بَيْنِ الْعُمَّالِ وَ عِنْدَهَا تَعْتِقُ اَوْ تَعُوْدُ عَبْدًا كَمَا تُرَقُّ الْعَبِيْدُ وَ تَعْبُدُ فَقَتَلَهُ ابْنُ زِيَادٍ وَ بَعَثَ بِرَأْسِهٖ اِلَيْهِ۔

(ج ۸ ص ۱۶۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء)

یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں میں تیرا شہر ان کے بارے میں مبتلا ہوا ہے اور گورنروں میں تو خود ان کے معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت میں یا تو آزاد کر دیا جائے گا یا جس طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے تجھے بھی غلام بنا دیا جائے گا، چنانچہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کو قتل کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

اسی ''البدایہ والنہایہ'' میں یہ بھی ہے کہ:

وَ بَعَثَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ عُمَرَ بْنَ سَعْدٍ لِقِتَالِهِمْ (ج ۸ ص ۱۷۰)

عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا۔

اور یہ بھی کہ

وَ اَبْطَأَ عُمَرُ عَنْ قِتَالِهٖ فَاَرْسَلَ ابْنُ زِيَادٍ شِمْرَ بْنَ ذِي الْجَوْشَنِ وَ قَالَ لَهٗ اِنْ تَقَدَّمَ عُمَرُ فَقَاتِلْ وَ اِلَّا فَاقْتُلْهُ وَ كُنْ مَّكَانَهٗ فَقَدْ وَ يَسْتَكَ الْاِمِرَةُ۔ (ج ۸ ص ۱۷۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال میں تاخیر سے کام لیا تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کرے تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جائیو، ورنہ عمر (ابن سعد) کو قتل کر کے اس کی جگہ خود سنبھال لیجو، میں تجھ کو امیر لشکر کرتا ہوں۔

اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی ''البدایہ والنہایہ'' ہی میں یہ بتائی ہے کہ:

وَ كَانُوْا اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ يُّرِيْدُوْنَ قِتَالَ الدَّيْلَمِ. فَعَيَّنَهُمُ ابْنُ زِيَادٍ وَصَرَفَهُمْ اِلٰى قِتَالِ الْحُسَيْنِ. (ج ۸ ص ۱۶۹)

چار ہزار سپاہی تھے جو دیلم سے جنگ کرنے کے ارادہ سے چلے تھے، ان کو ابنِ زیاد نے قتالِ دیلم سے روک کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لئے متعین کیا۔

عمر بن سعد کو تعمیلِ حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابنِ زیاد کا حکم اس کو پہنچا۔

فَوَثَبَ اِلٰى فَرَسِهٖ فَرَكِبَهَا ثُمَّ دَعَا بِسِلَاحِهٖ فَلَبِسَهٗ وَ اِنَّهٗ لَعَلٰى فَرَسِهٖ وَ نَهَضَ بِالنَّاسِ اِلَيْهِمْ فَقَاتَلُوْهُمْ فَجِيْئَ بِرَاْسِ الْحُسَيْنِ اِلَى ابْنِ زِيَادٍ فَوُضِعَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَقُوْلُ بِقَضِيْبِهٖ فِيْ اَنْفِهٖ وَ يَقُوْلُ اِنَّ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ قَدْ شَمَطَ. (ج ۸ ص ۱۷۱)

عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر سجایا اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات نے مقابلہ کے لئے چل پڑا، فوج نے جاتے ہی کشت وخون شروع کر دیا، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے ڈال دیا گیا اور ابنِ زیاد اپنی چھڑی آپ کی ناک پر رکھتا اور کہتا کہ ابوعبداللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔

شمر اپنی خباثت سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا، جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے جامِ شہادت نوش کر کے راہیِ جنت ہو چکے تھے اور آپ یکہ وتنہا میدانِ قتال میں ثابت قدم تھے، اور کیوں نہ ہو حضرت ممدوح نے تو اس کو دیکھتے ہی فرما دیا تھا۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى كَلْبٍ اَبْقَعَ يَلَغُ فِيْ دِمَاءِ اَهْلِ بَيْتِيْ.

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۸۸)

اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گویا میں دیکھ رہا ہوں اس چتکبرے کتے کو جو میرے اہلِ بیت کے خون میں منہ ڈالے گا۔

اس روایت کے آخر میں راوی کی یہ بھی تصریح ہے:

وَ كَانَ شِمْرٌ قَبَّحَهُ اللّٰهُ اَبْرَصَ۔ (ج ۸ ص ۱۸۹)

شمر، اللہ اسکا برا کرے، برص میں مبتلاء تھا۔

مگر ''داستان گو'' اسی کتے کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ قاتلوں کو محافظ بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں:

''عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندانِ علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لئے دوڑ کر پہنچے۔'' (داستان ص ۱۰)

''عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا، بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انہیں پامال بھی کیا تا کہ عبرت کا سامان بن جائیں۔'' (ص ۱۰)

حالانکہ ''البدایہ والنہایہ'' میں اس کے برعکس یہ مرقوم ہے۔

وَ قُتِلَ مِنْ اَصْحَابِ الْحُسَيْنِ اثْنَانِ وَ سَبْعُوْنَ نَفْسًا فَدَفَنَهُمْ اَهْلُ الْغَاضِرِيَّةِ مِنْ بَنِيْ اَسَدٍ بَعْدَمَا قُتِلُوْا بِيَوْمٍ وَاحِدٍ۔ (ج ۸ ص ۱۸۹)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے بہتر نفوس شہید ہوئے جن کو غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا۔

''غاضریہ'' کوفہ کے نواح میں ''کربلا'' کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہدائے کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نماز جنازہ ادا کی تھی اور انہیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ ''البدایہ والنہایہ'' میں ہے:

وَ قُتِلَ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ مِنْ اَصْحَابِ عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ ثَمَانِيَةٌ وَثَمَانِيْنَ رَجُلًا سِوَى الْجَرْحٰى فَصَلّٰى عَلَيْهِمْ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ وَ دَفَنَهُمْ، وَيُقَالُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ سَعْدٍ اَمَرَ عَشَرَةَ فُرْسَانٍ فَدَاسُوا الْحُسَيْنَ بِحَوَافِرِ خُيُوْلِهِمْ حَتّٰى اَلْمَقُوْهُ بِالْاَرْضِ يَوْمَ الْمَعْرَكَةِ وَ اَمَرَ بِرَاْسِهٖ اَنْ يُّحْمَلَ مِنْ يَوْمِهٖ اِلٰى اِبْنِ زِيَادٍ مَعَ خَوْلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ الْاَصْبَحِيِّ۔ (ج ۸ ص ۱۸۹)

اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے اٹھاسی اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن سعد نے معرکہ کے دن دس سواروں کو حکم دیا جنہوں نے اپنے گھوڑوں کے سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لاشہ کو پامال کر کے پیوندِ زمین کر دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق آرڈر دیا کہ ابھی دن اس کو اٹھا کر خولی بن یزید اصبحی کے ساتھ ابنِ زیاد کو بھجوا دیا جائے۔

نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہدائے کربلا کے سرکاٹ کر جن میں یہ ساٹھ حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابنِ زیاد کے پاس روانہ کر دیئے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِ مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت ممدوح پر طعن و طنز بھی تھا۔ جس پر عبداللہ بن عفیف ازدی نے برافروختہ ہو کر ابنِ زیاد کو ان الفاظ میں ٹوکا۔

وَيْحَكَ يَا ابْنَ زِيَادٍ! تَقْتُلُونَ اَوْلَادَ النَّبِيِّيْنَ وَتَتَكَلَّمُونَ بِكَلَامِ الصِّدِّيقِيْنَ۔

ابنِ زیاد تجھ پر افسوس! تم لوگ انبیاء کی اولاد کو قتل کر کے صدیقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

اس کلمۂ حق کو سننے کی بھلا ابنِ زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے، ازاں بعد "سرِ حسین" کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا، پھر زہر بن قیس کی معیت میں تمام شہدائے کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر دیا، دربارِ یزید میں پہنچ کر زہر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں پیش کیا، وہ یہ ہیں:

"اَلْبُشْرٰى يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِفَتْحِ اللهِ عَلَيْكَ وَ نَصْرِهٖ، وَرَدَ عَلَيْنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ وَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ سِتُّوْنَ رَجُلًا مِنْ شِيعَتِهٖ فَسِرْنَا اِلَيْهِمْ فَسَاَلْنَا هُمْ اَنْ يَّسْتَسْلِمُوا وَ

يَنْزِلُوا عَلٰى حُكْمِ الْاَمِيْرِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ اَوِ الْقِتَالَ، فَاخْتَارُوا الْقِتَالَ فَغَدَوْنَا اِلَيْهِمْ مَعَ شُرُوقِ الشَّمْسِ فَاَحَطْنَا بِهِمْ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ حَتّٰى اَخَذَ التُّسُيُوفُ مَاْخِذَهَا مِنْ هَامِ الْقَوْمِ، فَجَعَلُوا يَهْرَبُونَ اِلٰى غَيْرِ مَهْرَبٍ وَّ لَا وَزَرٍ، وَ يَلُوذُوْنَ مِنَّا بِالْاَكَامِ وَ الْحُفَرِ لَوْذًا كَمَا لَاذَ الْحَمَامُ مِنْ صَقْرٍ، فَوَاللّٰهِ مَا كَانُوْا اِلَّا جَوْزَ جَزُوْرٍ وَّ نَوْمَةَ قَائِلٍ حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى آخِرِهِمْ فَهَاتِيْكَ اَجْسَادُهُمْ مُجَرَّدَةٌ وَّ ثِيَابُهُمْ مُزَمَّلَةٌ وَّ خُدُوْدُهُمْ مُعَفَّرَةٌ، تَصْهَرُهُمُ الشَّمْسُ وَ تَسْفِيْ عَلَيْهِمُ الرِّيْحُ وَ اَزْرُهُمُ الْعُقْبَانُ وَالرَّخَمُ'' (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۹۱)

''امیر المؤمنین! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کی بشارت ہو، حسین بن علی بن ابی طالب اور ان کے اہلِ بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعان میں ''ساٹھ اشخاص'' ہمارے یہاں وارد ہوئے تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں، یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں کو جا لیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت شروع کی، تو یہ اُدھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے کی ان کے لئے نہ کوئی جگہ تھی، نہ جائے پناہ اور جس طرح شکرہ سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں ہم سے پناہ ڈھونڈنے لگے، سو خدا کی قسم! بس جتنی دیر میں اونٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی نیند پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا، سو اب ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے کپڑے لپیٹے جا چکے ہیں، ان کے رخسار خاک میں لتھڑے ہوئے ہیں، دھوپ ان کو جلا رہی ہے اور ہوا ان پر خاک اُڑاتی ہے، عقاب اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے۔''

زہر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے ان حضرات کی ہجو میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم ''مجلسِ حضرت عثمان غنیؓ'' کے داستان گو

کے علی الرغم اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوفی حضرات جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں تھے، انہوں نے حضرت ممدوح کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کا اس بارے میں اعتراف موجود ہے۔

یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، تو اس مہم کی سرکردگی کے لئے بھی اس کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابن زیاد ہی پر پڑی تھی۔ چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لئے یزید نے اس کو لکھ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ:

''وَاللّٰهِ لَا اَجْمَعُهُمَا لِلْفَاسِقِ اَبَدًا اَقْتُلُ ابْنَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْحَرَمَ وَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ''

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص۲۱۹)

''خدا کی قسم! میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں گناہ اپنے نامۂ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کروں۔''

یاد رکھئے ''داستان گو'' صاحب نے جن شہدائے کرام کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی ہے، یہ وہی شہدائے کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ ''وہ جنت میں بے حساب داخل ہوں گے۔'' چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

''وَ قَدْ رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ وَّ غَيْرُهٗ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ مَرَّ بِكَرْبَلَاءَ عِنْدَ اَشْجَارِ الْحَنْظَلِ وَ هُوَ ذَاهِبٌ اِلٰى صِفِّيْنَ، فَسَاَلَ عَنِ اسْمِهَا فَقِيْلَ كَرْبَلَاءُ فَقَالَ كَرْبٌ وَّ بَلَاءٌ فَنَزَلَ وَ صَلّٰى عِنْدَ شَجَرَةٍ هُنَاكَ ثُمَّ قَالَ يُقْتَلُ هٰهُنَا شُهَدَاءُ هُمْ خَيْرُ الشُّهَدَاءِ غَيْرَ الصَّحَابَةِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَ اَشَارَ اِلٰى مَكَانٍ هُنَاكَ فَعَلَمُوْهُ بِشَيْءٍ فَقُتِلَ فِيْهِ الْحُسَيْنُ'' (ج۸ ص۱۹۹، ۲۰۰)

''حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ ''صفین'' کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا، میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے، آپ نے اس

مقام کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا ''کربلا'' ہے، فرمایا کرب و بلا ہے، پھر سواری سے اُتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی، پھر ارشاد فرمایا کہ ''یہاں وہ شہداء قتل کئے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ (فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا، لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے۔''

ظلم کا انجام

یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا، مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل تو چار دانگِ عالم میں پھیل گئی اور آج حسینی سادات اقالیمِ اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردۂ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابنِ کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' میں یزید بن معاویہ کی بیس صلبی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔

''وَقَدِ انْقَرَضُوْا كَافَّةً فَلَمْ يَبْقَ لِيَزِيْدَ عَقِبٌ'' (ج ۸ ص ۲۳۷)

سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابنِ کثیر ہی کے الفاظ ہیں:

فَاِنَّهٗ لَمْ يُمْهَلْ بَعْدَ وَقْعَةِ الْحَرَّةِ وَ قَتْلِ الْحُسَيْنِ اِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى قَصَمَهُ اللّٰهُ الَّذِيْ قَصَمَ الْجَبَابِرَةَ قَبْلَهٗ وَ بَعْدَهٗ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا۔

سو بلاشبہ واقعہ حرّہ اور قتلِ حسین کے بعد یزید کو ڈھیل نہ دی گئی، مگر ذرا سی، تا آنکہ حق تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے، بے شک وہ بڑا علم رکھنے اور بڑی قدرت والا ہے۔

اور ۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''ثُمَّ مَاتَ قَبَّحَهُ اللّٰهُ ثُمَّ اَتْبَعَهُ اللّٰهُ بِيَزِيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ فَمَاتَ بَعْدَهٗ فِيْ رَبِيْعٍ الْاَوَّلِ لِاَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْهُ فَمَا مَتَّعَهُمَا اللّٰهُ بِشَيْءٍ

مِمَّا رَجَوْهُ وَ اَعْلَوْهُ بَلْ قَهَرَهُمُ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَسَلَبَهُمُ الْمُلْكَ وَ نَزَعَهٗ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ يَّشَاءُ"

پھر مسلم بن عقبہ۔ اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے۔ مر گیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد ۱۴ ربیع الاول کو مر گیا اور ان دونوں کو جو امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی، بلکہ اس ذات قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور ان کی بادشاہی سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اس کی سلطنت چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:

"وَقَدْ اَخْطَاَ يَزِيْدُ خَطَاً فَاحِشًا فِيْ قَوْلِهٖ لِمُسْلِمِ بْنِ عُقْبَةَ اَنْ يُّبِيْحَ الْمَدِيْنَةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ. وَ هٰذَا خَطَاٌ كَبِيْرٌ فَاحِشٌ. مَعَ مَا انْضَمَّ اِلٰى ذٰلِكَ مِنْ قَتْلِ خَلْقٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَ اَبْنَاءِ هِمْ وَ قَدْ تَقَدَّمَ اَنَّهٗ قَتَلَ الْحُسَيْنَ وَ اَصْحَابَهٗ عَلٰى يَدَيْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ زِيَادٍ وَ قَدْ وَقَعَ فِيْ هٰذِهِ الثَّلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنَ الْمَفَاسِدِ الْعَظِيْمَةِ فِي الْمَدِيْنَةِ النَّبَوِيَّةِ مَا لَا يُحَدُّ وَلَا يُوْصَفُ. مِمَّا لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَ قَدْ اَرَادَ بِاِرْسَالِ مُسْلِمِ ابْنِ عُقْبَةَ تَوْطِيْدَ سُلْطَانِهٖ وَ مُلْكِهٖ. وَ دَوَامَ اَيَّامِهٖ مِنْ غَيْرِ مُنَازِعٍ. فَعَاقَبَهُ اللّٰهُ بِنَقِيْضِ قَصْدِهٖ وَ حَالَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهِيْهِ فَقَصَمَهُ اللّٰهُ قَاصِمُ الْجَبَابِرَةِ وَ اَخَذَهٗ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (الآية)" (البداية والنهاية ج۸ ص۲۲۲)

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر کہ "تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و تاراج کیجیو"، فحش غلطی کی، یہ نہایت بڑی اور فاحش خطا ہے اور اس خطا کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور اولاد صحابہ کی ایک خلقت کا قتل اور شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا اور ان تین دنوں میں مدینۂ نبویہ میں وہ عظیم مفاسد برپا

ہوئے کہ جو حد و شمار سے باہر ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی کو نہیں۔ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہی اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب بلا نزاع کے اس کے ایام سلطنت کو دوام نصیب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد کو اُلٹ کر اسے سزا دی، اس کی ذات عالی یزید کے اور اس کی خواہش کے درمیان حائل ہوگئی (کہ اس کی تمنا پوری نہ ہوسکی) چنانچہ اللہ عزوجل نے جو ظالموں کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے اس کی کمر بھی توڑ ڈالی اور اسی طرح اس کو دھر پکڑا جس طرح کہ ہر چیز پر غالب اور اقتدار والا پکڑا کرتا ہے "اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی۔"

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

خلیفہ عبدالملک اموی نے یزید کے زوالِ اقتدار سے عبرت پکڑ کر ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ:

جَنِّبْنِیْ دِمَاءَ آلِ بَنِیْ اَبِیْ طَالِبٍ فَاِنِّیْ رَاَیْتُ آلَ حَرْبٍ لَمَّا تَهَجَّمُوْا بِهَا لَمْ یُنْصَرُوْا۔ (تاریخ یعقوبی[1] ج ۲ ص ۳۰۴ طبع بیروت ۱۳۸۹ھ)

مجھے آلِ بنی ابو طالب کی خونریزی سے بچاتے رہنا، کیونکہ میں آلِ حرب[2] کا انجام دیکھ چکا ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر چل پڑے تو بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

---

[1] یعقوبی اگرچہ شیعی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بنو مروان بنو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے، ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" میں بھی متعدد جگہ آیا ہے، اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مروان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندانِ یزید اور خاندانِ حسینؓ میں واقعۂ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے خلافتِ معاویہ و یزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

[2] "حرب" یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں "آلِ حرب" سے خود یزید مراد ہے۔

افسوس یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں، حافظ ابن کثیرؒ نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ:

اَلنَّاسُ إِنَّمَا مَيْلُهُمْ إِلَى الْحُسَيْنِ لِأَنَّهُ السَّيِّدُ الْكَبِيرُ، وَابْنُ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ يُسَامِيهِ وَلَا يُسَاوِيهِ، وَلَكِنِ الدَّوْلَةُ الْيَزِيدِيَّةُ كَانَتْ كُلُّهَا تَنَاوِيهِ. (البداية والنهاية، ج۸، ص۱۵۱)

سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا، کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس وقت روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو (فضائل و کمالات) میں آپ کا مقابلہ یا برابری کر سکتا، لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ کی دشمنی پر اُتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورتِ واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیرؒ کی مشہور عربی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' سے انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن ''داستان گو'' صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

(۵) داستان گو کا حضرت ابن زبیر پر افتراء

''داستان گو'' صاحب آگے چل کر ''اصل حقیقت'' کے زیرِ عنوان پھر اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر ابلہ فریبی کی اس طرح کوشش کرتے ہیں:

''حضرت حسینؓ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم باب ۱۲) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتلِ حسینؓ کے سانحہ کی اطلاع پا کر اہلِ مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔

''اہلِ عراق میں اکثر بدکردار اور غدار ہیں، ان میں اہلِ کوفہ بدترین ہیں، حسین کو انہوں نے اس لئے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے

پاس چلے گئے تو ان سے لڑنے کھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھے کہ اس انبوہ کثیر میں ان کے مخلص ساتھی بہت تھوڑے ہیں''۔

''ان کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا، عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بتایا، اور اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی۔'' (''داستانِ کربلا'' ص ۲۴، ۲۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو تقریر ''داستان گو'' صاحب نے نقل کی ہے غور فرمایئے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ ''آپ کو انہی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے گئے تھے'' کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بستا تھا؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابن زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے آیا تھا، کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوفی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا عبید اللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوفی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب و تحریص پر عمر بن سعد کے زیر کمان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آئے، یہی ان بہتر نفوس کے قاتل ہیں جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے اہل بیت اور وہ ساٹھ کوفی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ ''کربلا'' میں شہید ہوئے۔ ''داستان گو'' صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے بداعمال عمال اور یزیدی دستہ فوج کی بجائے جو تمام تر کوفیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زر سے رام کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا، ان کوفی شہیدانِ کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنہوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضا و رغبت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جھوٹ

بولنے سے ذرا نہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت جوڑنے میں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متہم کرنے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور افرادِ بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بلوائیوں کو اُکسانے اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد کرے اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضراتِ عشرہ مبشرہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزدگان حضراتِ حسنین، حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ دار ٹھہرائے۔ اس سے اس کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ خود ''شہدائے کربلا'' کو حضرت حسین اور ان کے اہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتلائے، ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ بولے کم ہے! افسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں، اس کے کتابچوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کر کے اس کے ان کتابچوں کو جو جھوٹ کی پوٹ ہیں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے اور تقسیم کرتے ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِیْبَةٌ
وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَةُ اَعْظَمُ

(اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہوئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت ہی بڑی مصیبت ہے)

''داستان گو'' صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا[1] کہ میں پہلے یہ لکھ آیا ہوں کہ: ''بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نمازِ جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا..... خاندانِ علی کے بچے کھچے افراد و خواتین کو کوفہ لا کر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔ کوفہ میں بعض شیعانِ علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی اپنی ہمدردیاں جتائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں ابنِ زیاد،

[1] ''داستان گو'' کی اس افتراء پردازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ ''اکابرِ صحابہ پر بہتان'' ملاحظہ فرمائیں۔

عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے۔ فرمایا:

''میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا اور ان سے جنگ کر کے انہیں مار دیا، اے غدّارو! اے مکّارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے اہلِ خانہ ابھی کل تمہارے مکر سے قتل ہوئے ہیں میں اسے نہیں بھول سکتا ہوں۔''

(شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

یہی جواب سیدہ زینبؓ نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو، حالانکہ تم نے ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ عار کا دھبہ اب رونے سے زائل نہیں ہوسکتا۔ (شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

''فاطمہ بنتِ حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی۔''

(داستان کربلا ص ۱۰، ۱۱، ۱۲)

''داستان گو'' صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کر کے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنتِ حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں جو بعض شیعانِ علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جتائیں اور انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں اور جن کے غلط مشورے اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو ''داستان گو'' صاحب نے ''جلاء العیون'' کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ کیا یہ وہی مردے تھے جو دوبارہ زندہ ہو کر ان حضرات کے پاس آگئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھیر گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کر ڈالا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی لاشوں کو پامال بھی کیا تھا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، یعنی وہ ساٹھ کوفی ''شہدائے کربلا'' (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ جن کو ''داستان گو'' صاحب حضرت حسین اور ان کے اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عبید اللہ بن زیاد کے دباؤ میں آکر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے جاں نثاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی

حضرات ''شہدائے کربلا'' کے اصل قاتل تھے، اور اس لئے بجا طور پر زجر و توبیخ کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لئے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجئے جس کو احمد حسین کمال نے مؤرخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجئے کہ یہ صاحب زیب داستان کے لئے صورت واقعہ کو مسخ کرنے میں کیا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت درج ذیل ہے۔

لَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَامَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِيْ اَهْلِ مَكَّةَ وَ عَظَّمَ مَقْتَلَهٗ وَ هَابَ اَهْلَ الْكُوْفَةِ خَاصَّةً وَ لَامَ اَهْلَ الْعِرَاقِ عَامَّةً، فَقَالَ بَعْدَ اَنْ حَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ وَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الْعِرَاقِ غُدَرٌ فُجَّرٌ اِلَّا قَلِيْلًا وَّ اِنَّ اَهْلَ الْكُوْفَةِ شِرَارُ اَهْلِ الْعِرَاقِ وَ اَهَمُّ دَعَوْا حُسَيْنًا لِيَنْصُرُوْهُ وَ يُوَلُّوْهُ عَلَيْهِمْ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ ثَارُوْا اِلَيْهِ، فَقَالُوْا لَهٗ اِمَّا اَنْ تَضَعَ يَدَكَ فِيْ اَيْدِيْنَا فَنَبْعَثَ بِكَ اِلَى ابْنِ زِيَادِ بْنِ سُمَيَّةَ سَلِمًا فَيَمْضِيْ فِيْكَ حُكْمُهٗ وَ اَمَّا اَنْ تُحَارِبَ، فَرَاٰى وَاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ وَ اَصْحَابُهٗ قَلِيْلٌ فِيْ كَثِيْرٍ، وَ اِنْ كَانَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يُطْلِعْ عَلَى الْغَيْبِ اَحَدًا اِنَّهٗ مَقْتُوْلٌ، وَ لٰكِنَّهُ اخْتَارَ الْمِيْتَةَ الْكَرِيْمَةَ عَلَى الْحَيَاةِ الذَّمِيْمَةِ فَرَحِمَ اللّٰهُ حُسَيْنًا وَ اَخْزٰى قَاتِلَ الْحُسَيْنِ، لَعَمْرِيْ لَقَدْ كَانَ مِنْ خِلَافِهِمْ اِيَّاهُ وَ عِصْيَانِهِمْ مَا كَانَ فِيْ مِثْلِهٖ وَاعِظٌ وَ نَاهٍ عَنْهُمْ وَلٰكِنَّهٗ مَا لَمْ تَنْزِلْ وَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا لَنْ يُدْفَعَ اَفَبَعْدَ الْحُسَيْنِ نَطْمَئِنُّ اِلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ وَ نُصَدِّقُ قَوْلَهُمْ وَ نَقْبَلُ لَهُمْ عَهْدًا؟ لَا وَ لَا نَرَاهُمْ لِذٰلِكَ اَهْلًا اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ قَتَلُوْهُ طَوِيْلًا بِاللَّيْلِ قِيَامُهٗ كَثِيْرًا فِي النَّهَارِ صِيَامُهٗ اَحَقُّ بِمَا هُمْ فِيْهِ مِنْهُمْ وَ اَوْلٰى بِهٖ فِي الدِّيْنِ وَ الْفَضْلِ، اَمَا وَاللّٰهِ مَا كَانَ يُبَدِّلُ بِالْقُرْاٰنِ الْغِنَاءَ، وَلَا بِالْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ الْحُدَاءَ، وَلَا بِالصِّيَامِ شُرْبَ الْحَرَامِ، وَلَا بِالْمَجَالِسِ فِيْ حَلَقِ الذِّكْرِ الرَّكْضَ فِيْ تَطْلَابِ الصَّيْدِ يُعَرِّضُ بِيَزِيْدَ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔

(تاریخ طبری ج ۵، ص ۴۷۴، ۵۷۵)

جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہلِ مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہلِ کوفہ کا خصوصیت کے ساتھ عیب بتایا اور عمومی طور پر اہلِ عراق کو ملامت کی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہلِ عراق میں قلیل تعداد کو مستثنیٰ کر کے اکثر غدار اور بدکار ہیں اور کوفہ والے تو اہلِ عراق کے بدترین لوگ ہیں، انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لئے بلایا تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں گے، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بخیریت ابن زیاد بن سمیہ کے پاس پہنچا دیں اور وہ اپنا حکم آپ پر چلائے، ورنہ آپ جنگ کے لئے تیار رہیں، سو بخدا حسینؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کی کثیر تعداد کے مقابلے میں آپ کی اور آپ کے اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گویا اللہ عزوجل نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ حسینؓ پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رُسوا کرے، بجانِ من ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور نافرمانی کی وہ ان کے طرزِ عمل سے نصیحت پکڑنے اور ان سے روکنے کے لئے کافی تھا لیکن جو تقدیر میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو ہرگز ٹالا نہیں جا سکتا، سو کیا اب حسینؓ کے بعد بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں، ان کے قول کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں، نہیں، نہیں، ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم! انہوں نے اس حسینؓ کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، بخدا وہ تلاوتِ قرآن کی بجائے گانے بجانے اور خوفِ الٰہی سے رونے کی بجائے نغمہ اور سرور کا شغل نہیں رکھتے

تھے، نہ روزوں کی بجائے شراب خواری میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکرِ الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں،'' سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے۔''

اس تقریر کو پھر پڑھئے، یہ یزید اور اس کی کوفی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی ''شہدائے کربلا'' کا، یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی مصروفیت، یہ نغمہ و سرور کے مشاغل کس کے کردار پر طنز ہیں، کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و ترہیب سے حضرت ممدوح سے غداری پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالارِ لشکر بنا کر آپ کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے عہد و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو تو شہید کر دیا اور یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتلِ حسینؓ کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر ''داستان گو'' صاحب داستان سرائی میں معروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

(۶) یزید کی برأت کے سلسلہ میں داستان سرائی

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحہ شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر ''داستان گو'' صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے یہی تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی۔'' (داستانِ کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ ''حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟'' میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ:

''حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت بجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشانہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبیداللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑتا تھا، جس کے مان لینے سے اُمت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی جیسا کہ واقعہ قتل حسینؓ کے بعد ہو گئی۔'' (ص ۳۰)

تعجب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ: ''واقعہ قتل حسینؓ کے بعد اُمت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلاء ہو گئی'' داستان کربلا لکھنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل انجان بن گئے، سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

اب ذرا کمال صاحب اپنے حافظہ پر زور ڈال کر سوچیں کہ اُمت، یزید اور اس کے بداعمال عمال حکومت کے خلاف ہو گئی ہے یا ان ساٹھ کروڑ ''شہداء کربلا'' کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت میں درجہ شہادت پر فائز ہو کر داخل جنت ہوئے۔

(۷) خاندان حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ

اور ''داستان گو'' صاحب نے جو یہ بات بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ:

''خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقے کے مطابق حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔''

(''داستان کربلا'' ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ''داستان گو'' صاحب ذرا بتائیں کہ یہ بیش بہا وظیفے یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کئے تھے یا حکومت کے بیت المال سے؟ اگر بیت المال سے مقرر کئے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان ان بیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں؟ اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کئے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل

تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

(۸) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہہ

''داستان گو'' صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان گڑھنے کے بعد اس کے پس منظر میں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:

''حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہلِ مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لئے جانشینی کی بیعتِ عام لے لی۔ چونکہ مملکتِ اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو، نیز بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصبِ خلافت کو ایک ٹرائی امر بنا دیا تھا، اس لئے حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلے کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحابِ رسولؐ و ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعتِ عام لے لی۔''

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسنؓ فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ کر حضرت حسینؓ کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسینؓ کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھا کہ:

''میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں۔''

(اخبار الطوال)

۶۰ ہجری میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہوگئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسینؓ کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ:

''مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کرلوں گا۔''

(طبری، اخبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لئے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمشیرگان اُمّ کلثوم، زینب، آپ کے برادران ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزندانِ حضرت حسنؓ بھی تھے، البتہ آپ کے ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہلِ خاندان ساتھ نہیں گئے، مدینہ کے گورنر اور حکام نے کوئی تعرض نہیں کیا اور حضرت حسینؓ کو ان کے اہلِ خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا، راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ جواب دیا مکہ جارہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعیانِ علیؓ کے پاس تو نہیں جارہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھئے اور ان کے فریب میں نہ آیئے گا۔ (اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعیانِ علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسینؓ، یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سمیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؓ کو بھیجا کہ:

''آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے'' حضرت حسینؓ کے پاس صبح یہ دونوں قاصد پہنچے، اور شام کو مزید دو قاصد پچاس پچاس خطوط، جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے، لے کر پہنچ گئے۔ مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لایئے اور بیعت لیجئے، غرضیکہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانتا بندھ گیا۔ حضرت حسینؓ نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہلِ کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہوجائے۔ (اخبار الطوال)

بعد کے واقعات اور انجام آپ شرح صدر میں پڑھ چکے ہیں۔
(داستان کربلا ص ۳۰ تا ۴۴)

''داستان گو'' صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں، چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ:

''بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا۔'' (داستان کربلا ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ:

''اس لئے حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسولؐ، ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی۔'' (داستان کربلا ص ۲۱)

تعجب یہ کہ:

''حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لئے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔'' (ص ۲۰، ۲۱)

ناظرین! جائے غور ہے، جب بقول ان کے ''نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے'' تو یہ ''اَن ہونی'' کیسے ہوئی، اور یزید کے بارے میں استصواب عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسول و ازواج رسول (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصواب عام ممکن تھا، جیسا کہ بقول ''داستان گو'' کے یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہوا بھی، بلکہ یزید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصواب ہی پر رکھا، چنانچہ خود ''داستان گو'' کا بیان ہے کہ:

''خلیفہ یزید کے بعد ان کے صاحبزادہ معاویہ کے ہاتھ پر لوگوں نے

بیعت کرنا چاہی، معاویہ نے مجلسِ شوریٰ سے کہا کہ وہ خود کو اس منصب کے لئے اہل نہیں پاتے، اس لئے مسلمان باہم مشورہ سے کوئی بہتر شخص منتخب کرلیں۔"

(داستان کربلاص ۲۶)

تو پھر یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کی بجائے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بھی یہی طریقہ کار اپنایا جاتا تو آخر اس میں کیا قباحت تھی کہ اُمت مشورۂ عام سے جس شخص کو چاہتی خلافت کے لئے منتخب کرلیتی؟ آپ خود ہی سوچیں کہ معاویہ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ طرزِ عمل لائقِ ستائش ہے یا یزید کی بے وقت کی ولی عہدی کی بیعت، جس کی توجیہ میں "داستان گو" صاحب سرگرداں ہیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔

(۹) یزید کی ولی عہدی

چنانچہ کتاب وسنت سے یزید کی ولی عہدی کا کوئی معقول جواز پیش کرنے کی بجائے "داستان گو" صاحب اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے کہ:

"چونکہ مملکتِ اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا، اور اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو..... اس لئے حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا۔" (داستان کربلاص ۲۱)

واقعی یزید کی ولی عہدی کی جناب نے بہت ہی عمدہ وجہ بیان کی ؎

پسلی پھڑک اٹھی نگہِ انتخاب کی

جناب کی تصریح سے واضح ہوگیا کہ "اہلِ عجم" کی اطاعت کی خاطر یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ کھڑا ہوا، اور اس بارے میں "اہلِ عجم" کا اتنا پاس ولحاظ کیا گیا کہ امورِ سلطنت میں بھی بالکل انہی کا طریقہ اپنالیا گیا۔

تعجب ہے کہ آپ کے ممدوح یزید کی ولی عہدی کے بارے میں تو اہلِ عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" ان ہی "اہلِ عجم" کے اتنے خلاف ہو کہ ان کے کفر وزندقہ ونفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے اس کا قیام عمل میں آئے۔ چنانچہ "داستانِ کربلا" کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ:

''چونکہ اوّلین اہلِ قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت وحکومت اور چودھراہٹ مخالفتِ اسلام کے سبب ان ہی مقدس صحابۂ کرامؓ کے ایمان، عزم و ہمت اور فولادی ہاتھوں پیوندِ خاک ہوئیں، بناء بریں انہوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدرِ اوّل کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہؓ اور محسنینِ اُمت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتیات و مکذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصلِ زندگی، منظورِ نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہئے۔''

(داستان کربلاص ۳۰، ۳۱)

اب خود ہی سوچ لیجئے کہ کیا انہی اوّلین اہلِ عجم کی خوشنودی کے لئے ''یزید'' کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا ان ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم ورواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی ولی عہدی کی تحقیق کا حق ادا کیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

(۱۰) حضرت حسنؓ کی ولی عہدی پر طنز

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ پہلے ''داستان گو'' صاحب اس بات پر طنز کر چکے ہیں کہ:

''حضرت علیؓ کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسنؓ کے پاس مسجد میں جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی۔'' (داستان کربلاص ۱۷)

چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ:

''حضرت علیؓ'' کے بعد ان شیعیان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی۔'' (داستان کربلاص ۱۵)

غور فرمایئے! یزید کی ولی عہدی کے لئے تو تیوریاں چڑھی جاتی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر حضرات صحابہؓ و تابعین برضا و رغبت بیعت کر لیں اور تمام اہل السنت والجماعت بلا اختلاف ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابلِ نکیر ہے کہ باپ کے بعد ''بیٹے کی ولی

عہدی ایک رسم'' قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولی عہد بنا دیا جائے تو لائقِ تحسین ہے، قرینِ مصلحت ہے، کیونکہ ''مجلس عثمان غنیؓ'' کے شیعیانِ اموی کی نظر میں ایسی صورت میں باپ کے بعد ''بیٹے کی ولی عہدی کی رسم'' یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی یا پھر عین صواب ہے، پھر یہ کہنا بھی غلط کہ ''ولی عہدی کی رسم قائم کی۔''

ولی عہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے، ''داستان گو'' صاحب کو علم نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کا ''ولی عہد'' نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت ممدوح سے حاضرین نے بیعتِ خلافت کی تھی اور باتفاقِ اہلِ سنت و جماعت جب تک کہ آپ نے عہدۂ حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے، آپ کا زمانہ ولی عہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمامِ حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد نہیں، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے دوران جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ حکومت میں آخر بلادِ عجم میں وہ کونسی فتوحات ہوئیں جن کی بناء پر مملکتِ اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل ہو گیا؟ جو اس سے پہلے نہ تھا، نیز اگر یہ بات صحیح ہے کہ ''اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو'' تو اس میں یزید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی اولاد امجاد حکمرانوں کی اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخِ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ ''داستان گو'' صاحب تو یزید کے بعد مروان ہی کو خلیفہ مانتے ہیں، کیا مروان کے والد بزرگوار حکم بھی کبھی کسی زمانہ میں عالمِ اسلام کے حکمران رہے تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ؟

(۱۱) بنی ہاشم پر افتراء

اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف جو خلافت کے استحقاق کے

ادعاء کا دعویٰ منسوب کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علیؓ، دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لئے اربابِ حل وعقد نے کیا تھا، ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاقِ خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور دونوں اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولی عہدی کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاقِ خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس کا نام تو بتایئے! خلفاء راشدینؓ کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ! نیز بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ "بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کا دعویٰ کیا گیا" تو اس سے کونسی قیامت ٹوٹ پڑی، خلافت کا حق قریش کے لئے نص سے ثابت ہے، کیا بنی ہاشم جو خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں، کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لئے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لئے، جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری؟ ویسے بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابلِ داد ہیں کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی "شہادتِ عثمانؓ کیوں اور کیسے" میں نوجوانانِ بنی ہاشم میں شمار کیا ہے۔ (داستان کربلا ص ۳۴)

حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں، ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نواصب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن حزم نے "الفصل" میں لکھا ہے، کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصبِ خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لئے روا نہیں، اس موضوع پر ایک مستقل تالیف بھی مدون کی ہے۔ (ج ۴ ص ۹۰)

(۱۲) حضرت حسینؓ کے بارے میں افسانہ تراشی

اور "داستان گو" نے جو یہ لکھا ہے کہ:

"اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمانؓ کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسنؓ فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسینؓ کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے،

حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسینؓ کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں۔'' (اخبار الطوال)

(داستانِ کربلا ص ۲۱، ۲۲)

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشنا ہی چاہئے کہ قاتلانِ عثمانؓ کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے برادرِ بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والدِ ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ:

''حضرت حسنؓ فوت ہو چکے تھے'' اور ان کی وفات ۴۹ ہجری یا ۵۰ ہجری میں ہوئی ہے اور اسی ''داستانِ کربلا'' میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

''امرِ خلافت جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ۳۵ ہجری کے آخر سے معطل[1] ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے، حضرت حسنؓ کے اس اقدام سے (کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی) ۴۱ ہجری کے شروع میں ۵ سال بعد پھر بحال ہو گیا اور اُمت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں متحد ہو گئی۔'' (داستان کربلا ص ۱۹)

غرض ۴۱ ہجری سے لے کر ۴۹ ہجری یا ۵۰ ہجری تک پورے نو، دس برس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام قلمروِ اسلامی کے بلاشراکتِ غیرے مطلق فرمانروا تھے اور اس لئے ''داستان گو'' ہی کے قول کے مطابق اس وقت

''حضرت معاویہ قاتلینِ عثمان ..... اور فتنہ بازوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفرِ کردار تک پہنچانے لگے۔'' (ص ۲۰)

---

[1] کیونکہ شیعانِ مروان ''مجلسِ عثمانِ غنی'' نہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں، نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امرِ خلافت معطل رہا۔

پھر یہ ''قاتلینِ عثمان'' حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے، شاید وہ یہ جواب دیں کہ:

''حضرت معاویہؓ کے ڈر سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہوگئے۔'' (''داستانِ کربلا'' ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق ''کوفہ میں رہنے والے'' قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسینؓ کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا۔ الخ!''

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان ''قاتلانِ عثمان'' کو کیوں کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ''داستان گو'' صاحب جھوٹ سے بات کہیں بنا کرتی ہے؟ معاملہ اور الجھ جاتا ہے!

غلط حوالہ دینے کی تو ''داستان گو'' صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی ہے، طبری کے حوالوں کی تنقیح ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہے کہ: ''داستان گو'' صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورتِ واقعہ کو مسخ کیا ہے، یہاں بھی وہی کارروائی فرمائی اور ان اشرافِ کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور جلیل القدر صحابی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حجر بن الادبر، حجر الخیر کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کئے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، ''قاتلانِ عثمان'' کی تہمت لگا دی ہے، حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشرافِ کوفہ کا قتلِ عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب ''داستان گو'' صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہلِ علم ''الاخبار الطوال'' سے جس کا ''داستان گو'' صاحب نے حوالہ دیا ہے، مراجعت کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

(۱۳) حضرت حسینؓ کو مطعون کرنا

اور بیعتِ یزید کے سلسلہ میں جو ''داستان گو'' صاحب کا یہ بیان ہے کہ:

''۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی، آپ کے

بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسینؓ کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ: ''مجمع عام میں بیعت لی جائے میں بھی وہیں بیعت کرلوں گا۔''

(طبری، اخبار الطوال)

''لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔'' (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وعدہ خلافی سے متہم کرنا ہے ''تاریخ طبری'' اور ''الاخبار الطوال'' میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ ''میں بیعت کرلوں گا''۔ یہ بات ''داستان گو'' صاحب نے اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تو اس کو سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ان لوگوں سے کس طرح نمٹا جائے جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا ایک چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مورخ طبری ''چوہے کے کان'' کے برابر تھا (كَاَنَّهَا اُذُنُ فَارَةٍ) یہ فرمان لکھ کر بھیجا۔

اَمَّا بَعْدُ فَخُذْ حُسَيْنًا وَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ بِالْبَيْعَةِ اَخْذًا شَدِيْدًا لَّيْسَتْ فِيْهِ رُخْصَةٌ حَتّٰى يُبَايِعُوْا وَالسَّلَامُ۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۳۸)

امابعد! بیعت کے سلسلہ میں، حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو پوری سختی کے ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں انہیں رخصت نہ ملنے پائے۔ والسلام!

ولید کو یزید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرا یا[1]، بلکہ مروان اور ولید میں اَن بن تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لئے طلب کیا،

---

[1] ابوحنیفہ دینوری کے الفاظ ہیں: فَلَمَّا وَرَدَ ذٰلِكَ عَلَى الْوَلِيْدِ فَظِعَ بِهٖ وَخَافَ الْفِتْنَةَ (الاخبار الطوال ص ۲۲) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا اندیشہ ہوا۔

اس شقی[1] نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

عَلَيْكَ بِالْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَ عَبْدِ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، فَابْعَثْ إِلَيْهِمَا السَّاعَةَ فَإِنْ بَايَعَا وَإِلَّا فَاضْرِبْ أَعْنَاقَهُمَا قَبْلَ أَنْ يُعْلَنَ الْخَبَرُ۔

تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو بلوا لو اگر وہ دونوں بیعت کر لیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں مار دو، یہ کام معاویہ کی خبرِ مرگ کے اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہئے۔ (الاخبار الطوال ۲۷)

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لئے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبداللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ''اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''میرا گمان ہے کہ معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اس لئے بیعت کے لئے ہمیں بلا بھیجا ہے۔'' ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا ''میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔'' اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے، گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالی کو جمع کر کے ''دارالامارہ'' کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سنو تو ''دارالامارہ'' میں گھس جانا۔ یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لائے، ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھلایا اور اس کی بیعت کے لئے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ:

أَمَّا مَا سَأَلْتَنِي مِنَ الْبَيْعَةِ فَإِنَّ مِثْلِي لَا يُعْطِي بَيْعَتَهُ سِرًّا وَلَا أَرَاكَ تَجْزِي بِهَا مِنِّي سِرًّا دُونَ أَنْ تُظْهِرَهَا عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ عَلَانِيَةً۔ فَإِذَا أَخْرَجْتَ إِلَى النَّاسِ وَدَعَوْتَهُمْ إِلَى الْبَيْعَةِ دَعَوْتَنَا مَعَ النَّاسِ فَكَانَ أَمْرًا وَّاحِدًا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۳۹، ۳۴۰)

---

[1] یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ جمل میں مروان کی جان بخشی کی تھی۔ اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کو کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم برملا لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔ ولید نے کہا اجل (ہاں ہاں) اس پر آپ نے اس سے فرمایا: جب تم لوگوں کے سامنے نکل کر ان کو بیعت کی دعوت دو تو ہمیں بھی سب کے ساتھ ہی بلا لینا، تاکہ معاملہ یکساں رہے۔

اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جب کا ترجمہ یہ ہو کہ ''میں بیعت کرلوں گا'' بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پر ٹالنا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں ہوا، جیسا کہ ''داستان گو'' صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ طور پر بیعت لینے کے لئے زور ڈالا جا رہا تھا جس سے آپ نے حکمت عملی کے ساتھ پہلو تہی فرمائی، بہر حال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو ''دارالامارہ'' سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا:

وَاللهِ لَئِنْ فَارَقَكَ السَّاعَةَ وَلَمْ يُبَايِعْ لَا قَدَرْتَ مِنْهُ عَلَى مِثْلِهَا أَبَدًا حَتَّى تَكْثُرَ الْقَتْلَى بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ. احْبِسِ الرَّجُلَ وَلَا يَخْرُجْ مِنْ عِنْدِكَ حَتَّى يُبَايِعَ أَوْ تَضْرِبَ عُنُقَهُ. (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

خدا کی قسم! اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کئے تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں، اس شخص کو قید کر اور جب تک کہ یہ بیعت نہ کر لے یا اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس سے نکلنے نہ پائے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا کود کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ:

يَا ابْنَ الزَّرْقَاءِ أَنْتَ تَقْتُلُنِي أَمْ هُوَ؟ كَذَبْتَ وَاللهِ وَآثَمْتَ.

او زرقاء (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم! تو جھوٹ بکتا ہے اور گناہ اپنے سر لیتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا:

عَصَيْتَنِي، لَا وَاللهِ لَا يُمَكِّنُكَ مِنْ مِثْلِهَا مِنْ نَفْسِهِ أَبَدًا. وَاللهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَغَرَبَتْ عَنْهُ مِنْ مَالِ الدُّنْيَا وَمُلْكِهَا، وَإِنِّي قَتَلْتُ حُسَيْنًا، سُبْحَانَ اللهِ! أَقْتُلُ حُسَيْنًا أَنْ قَالَ لَا أُبَايِعُ! وَاللهِ إِنِّي لَا أَظُنُّ امْرَأً يُحَاسَبُ بِدَمِ الْحُسَيْنِ لَخَفِيفَ الْمِيزَانِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم! اب وہ کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو نہیں دیں گے۔ (ولید نے مروان سے کہا: ''مروان! یہ زجر و توبیخ تو کسی اور کو کر تو میرے لئے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دین کی سراسر بربادی ہے۔'') خدا کی قسم! حسینؓ کے قتل کے عوض اگر مجھے مشرق و مغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں حسینؓ کو صرف اس لئے قتل کر ڈالوں کہ وہ کہتے ہیں: ''میں بیعت نہیں کرتا'' بخدا مجھے یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسینؓ کے خون کا حساب لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہوگا۔

اس پر مروان جھلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔

یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل جو تاریخ طبری سے نقل کی گئی۔ ''الاخبار الطوال'' اور ''تاریخ طبری'' دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مؤرخ دینوری نے بیانِ واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مؤرخ طبری نے تفصیل سے، مگر ''داستان گو'' صاحب کو پوری داستان میں بس اتنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیبِ داستان کے لئے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ اُلٹا نقشہ کھینچا ہے جس سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذم کا پہلو عیاں ہو، کیونکہ انہیں یزید و مروان سے عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو ''بیعتِ ضلالت'' سمجھتے تھے، اس لئے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے۔ چنانچہ امام ابن حزم ظاہری، ''الفصل فی الملل

والاہواء والنحل'' میں فرماتے ہیں:

رَأَی أَنَّهَا بَیْعَةُ ضَلَالَةٍ۔ (ج۴ص۱۰۵طبع ۱۳۲۱ھ)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں یزید کی بیعت ''بیعت ضلالت[1]'' تھی۔

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

إِنَّمَا أَنْكَرَ مَنْ أَنْكَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمْ وَمِنَ التَّابِعِینَ بَیْعَةَ یَزِیدَ بْنِ مُعَاوِیَةَ وَالْوَلِیدِ وَسُلَیْمَانَ لِأَنَّهُمْ كَانُوا غَیْرَ مَرْضِیِّینَ۔ (ج۴ص۱۶۹)

صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس لئے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔

''داستان گو'' صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کی تنقیح کے سلسلہ میں یزید کے برے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے۔

حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب ''جمہرۃ انساب العرب'' میں یزید کے کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:

وَیَزِیدُ اَمِیرُ الْمُؤْمِنِینَ وَكَانَ قَبِیحَ الْاَثَرِ فِی الْاِسْلَامِ، قَتَلَ اَهْلَ الْمَدِینَةِ وَاَفَاضِلَ النَّاسِ وَبَقِیَّةَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمْ، یَوْمَ الْحَرَّةِ فِی اٰخِرِ دَوْلَتِهٖ، وَقَتَلَ الْحُسَیْنَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں یزید کو داعیانِ ضلال ہی میں شمار کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں: وَدُعَاةُ الضَّلَالِ یَزِیدُ بِالشَّامِ وَمُخْتَارٌ بِالْعِرَاقِ۔ (ج۲ص۲۱۳)
اور کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں: وَمِنَ الْقُرُونِ الْفَاضِلَةِ اتِّفَاقًا مَنْ هُوَ مُنَافِقٌ اَوْ فَاسِقٌ وَمِنْهَا الْحَجَّاجُ وَیَزِیدُ بْنُ مُعَاوِیَةَ وَمُخْتَارٌ۔ (اور قرونِ فاضلہ میں بھی باجماع ایسے افراد ہو گزرے ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے)۔

اسْتَخَفَّ بِحُرْمَةِ الْكَعْبَةِ وَ الْإِسْلَامِ قَامَاتَهُ اللهُ فِيْ تِلْكَ الْأَيَّامِ. وَ قَدْ كَانَ غَزَا فِيْ أَيَّامِ أَبِيْهِ الْقُسْطَنْطِنِيَّةَ وَحَاصَرَهَا (ص ۱۱۲ طبع مصر ۱۳۸۲ھ)

اور یزید امیر المؤمنین جس کے اسلام میں برے کرتوت ہیں، اس نے اپنی سلطنت کے آخری دور میں حرّہ کے دن اہلِ مدینہ اور ان کے بہترین اشخاص اور بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا، اور اپنے عہدِ حکومت کے اوائل میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلِ بیت کو قتل کیا، اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر کے کعبہ اور اسلام کی بے حرمتی کی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہی دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا، اس نے اپنے باپ کے عہد میں قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کی تھی اور اسکا محاصرہ بھی کیا تھا۔

واضح رہے کہ جمہرۃ انساب العرب ''خلافتِ معاویہ و یزید'' میں محمود احمد عباسی کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی قرابتوں کو بیان کرتے ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن حزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اس کے حکم پر، ان کی شہادت عمل میں آئی، اس دور کے ناصبی اب یزید کو خون حسینؓ سے بری کرنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور طرح طرح کی افتراء پردازی میں مشغول ہیں۔

(۱۴) کتاب کا غلط حوالہ

اور ''داستان گو'' صاحب نے ''الاخبار الطوال'' کے حوالہ سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ:

''راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ملے، پوچھا کہاں جا رہے ہو، جواب دیا مکہ جا رہا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعان علیؓ کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھئے اور ان کے فریب میں نہ آیئے گا۔

(اخبار الطوال) (داستانِ کربلا ص ۲۳)

وہ ''الاخبار الطوال'' میں کہاں ہے، تصحیح نقل کرنا چاہئے۔ ہمارے پیش نظر ''الاخبار الطوال'' کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبدالمنعم

عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر ''داستان گو'' صاحب کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔

(۱۵) صحابیٔ رسول حضرت سلیمانؓ بن صُرَد پر طعن

اور یہ جو ''داستان گو'' صاحب نے ''الاخبار الطوال'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

''کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسینؓ، یزید کی بیعت کئے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں، تو انھوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؓ کو بھیجا کہ:

''آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہیں، نکال دیں گے۔''

(''داستان کربلا'' ص ۲۳)

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیرؒ ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں۔

وَقَدْ كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ الْخَزَاعِيُّ[1] صَحَابِيًّا جَلِيلًا نَبِيلًا عَابِدًا زَاهِدًا، رَوَى مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَادِيثَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا وَشَهِدَ مَعَ عَلِيٍّ الصِّفِّيْنَ۔ (ج ۸، ص ۲۵۵)

''حضرت سلیمان بن صرد خزاعیؓ[2] رضی اللہ عنہ جلیل القدر صاحب فضل و کمال، عابد و زاہد صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ موجود تھے۔''

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی سے ''الخزاعی'' کی بجائے ''الخزرجی'' چھپ گیا ہے۔

[2] محمود احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو وہ ''سبائی لیڈر'' بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مری کو جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہ و تابعین کا قتل عام ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''معرِ صحابی''، حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے ہیں تو بجائے ''مسلم'' کے اس کو ''مسرف'' یا ''مجرم'' کے برے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

ابن زیاد نے کوفہ میں آکر جس طرح دار گیر شروع کر رکھی تھی اور خوف و دہشت کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کر دی تھی اس میں صحیح واقعات کا مخلصین کو بھی بروقت علم نہ ہو سکا، وہ موقع پر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کو آتے، اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشقیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راہ ہی میں روک کر اس بے دردی سے شہید کر ڈالیں گے، جیسے کہ خود اہل مدینہ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح اچانک شہید کر دیئے جانے کا خیال بھی نہ تھا، بہر حال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوا خواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔

انہی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پر سخت نادم ہوئے اور ۶۵ ہجری میں چار ہزار فدائیوں کا لشکر لے کر خونِ حسینؓ کا انتقام لینے کے لئے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے، یہ لشکر تاریخ میں ''توابین'' کے نام سے موسوم ہے، امیر التوابین یہی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ''عین الوردہ'' کے مقام پر ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۶۵ ہجری کو عبیداللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا، تیسرے روز ۲۳ر جمادی الاوّل کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اس وقت ان کی عمر ترانوے سال تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لئے لکھا تھا، مگر ناصبیوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہریؒ ''جمہرۃ انساب العرب'' میں رقمطراز ہیں۔

وَالنُّعْمَانُ بْنُ بَشِيْرٍ اَوَّلُ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِي الْاَنْصَارِ بَعْدَ الْهِجْرَةِ. اِفْتَتَحَ مَرْوَانُ دَوْلَتَهٗ بِقَتْلِهٖ وَ سِيْقَ اِلَيْهِ رَأْسُهٗ مِنْ حِمْصٍ. رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ النُّعْمَانِ وَلَا رَضِيَ مَنْ قَاتَلَهٗ۔ (ص ۲۶۴)

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں پہلے صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے، مروان نے اپنی سلطنت کا افتتاح ان ہی کے قتل سے کیا، حمص سے ان کا سر کاٹ کر مروان کے پاس لایا گیا، اللہ تعالیٰ نعمان سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی نہ ہو۔

یہ بھی صحابی ہیں، جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، انہوں نے ان کو یمن کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا، یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیعت کر لی تھی اور انہوں نے ان کو حمص کا والی بنا دیا تھا، اس لئے مروان نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔

''داستان گو'' صاحب ''توابین'' کے واقعہ سے انجان ہیں، وہ اپنی داستان اس وقوعہ کے تین ماہ بعد مختار ثقفی کے قصہ سے شروع کرتے ہیں۔

(۱۶) داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر

چنانچہ ''داستان گو'' صاحب نے واقعۂ کربلا کے بارے میں جو داستان تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے:

''خلیفہ یزید کی وفات سے حضرت مروان کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی مدت بنتی ہے، اس مدت میں عبداللہ بن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور خوارج کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسینؓ کے متعلق اس دوران بھی کوئی آواز ایسی نہیں اٹھی، جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ دار گردانا گیا ہو، حالانکہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسینؓ کے قتل کے واقعہ کو چار سال گزر چکے تھے، عبداللہ بن زبیرؓ ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت کے مدعی تھے[۱]۔ رمضان ۶۵ ہجری میں مختار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا اور اس نے خونِ حسینؓ کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا..... اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کر لیا اور آخر کار ۶۶ ہجری میں حضرت حسینؓ کے قتل کے ۶ سال بعد خونِ حسینؓ کے انتقام کا نعرہ، اس نے بلند کیا، اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا بلکہ صرف خونِ حسینؓ کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا..... خونِ حسینؓ کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ نے جس شخص نے بھی مسلمان حکومتوں میں

---

[۱] سابق میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسینؓ کے معاً بعد یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسینؓ کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

خروج و بغاوت کے لئے کمر باندھی اس نے قتلِ حسینؓ کے نعرے کو ہی اپنا منشور بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آ رہی ہیں، اگرچہ اہلِ سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہلِ علم و تحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔ بہر حال یہ ہے: کربلا کی سچی اور تاریخی داستان۔ (''داستانِ کربلا'' ص ۲۶ تا ۲۹)

ہم اس کھلی ہوئی افتراء پردازی پر جس کو احمد حسین کمال ''سچی اور تاریخی داستان'' بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع:

اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہلِ سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جا سکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتلِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی اموی حکومت اور اس کے بداعمال عمال پر عائد نہیں ہوتی، بلکہ آپ کے قاتل دراصل وہ آپ کے ساتھ کوفی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہمرکاب تھے اور جنہوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدانِ کربلا میں شربتِ شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خونِ ناحق کی جھوٹی تہمت ناکردہ گناہ خلیفہ یزید اور اس کی حکومت کے کارندوں کے سر تھوپ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری ''اُمتِ مسلمہ'' مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلاء ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برابر کہتی چلی آتی ہے، اس جرأت کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ الف لیلہ کی کہانی نہیں، سبطِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے، اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان ناصبیوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین!

(۱۷) حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین

''داستانِ کربلا'' لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق ''داستان گو'' صاحب کو اپنی

داستان واقعاتِ کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہئے تھے، مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کئے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آلِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام پر تبرا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور ''داستان گو'' صاحب تو ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لئے انہوں نے حادثۂ کربلا کا ''پس منظر'' بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر لعن و طعن کیا ہے چنانچہ ''داستان گو'' کے الفاظ ہیں:

''ان شیعانِ علیؓ نے حضرت علیؓ کو کبھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑایا، کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعانِ حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپ پر کفر کا فتویٰ عائد کیا، نہروان پر حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؓ کی موت واقع ہوگئی۔'' (''داستانِ کربلا'' ص ۱۳)

خاک بدہن گستاخ کیا خوب گویا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفۂ راشد نہیں، علمِ نبوی کے حامل نہیں، فراستِ دینی سے بہرہ ور نہیں، فقہی مسائل سے آشنا نہیں، محض ننھے نادان تھے، نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور، جو اُن شیعوں کے کہنے میں آ کر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جا لڑے اور کبھی ان کے بہکانے سے جنابِ معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے، اور ہاں ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان نواصب کے پیش رو ''شیعانِ علیؓ'' تھے، جن کی تقلید میں ''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلامی دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے، بلکہ مجلس کے ''داستان گو'' کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق ''شیعانِ علیؓ'' کا

ایک فرد تھا، ماشاء اللہ کیا کہنے اس داستان گوئی کے، داستان ہو تو ایسی ہو کہ جس میں کہیں سچ کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

(۱۸) ایک نئی دریافت

اور سنئے کیا نئی دریافت ہے۔

''دراصل یہ شیعانِ علیؓ، قاتلانِ عثمانؓ کا ہی گروہ تھا جو حضرت علیؓ کے گرد جمع ہو گیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرا کر کوفہ لے آیا اور بجائے اس کے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انہیں کبھی حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہؓ سے جا لڑایا، جب حضرت علیؓ نے چاہا کہ صلح و صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعانِ علیؓ نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔'' (داستانِ کربلا ص ۱۵)

(الف) معلوم ہوا، خاک بدہن گستاخ (وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن ھٰذِہِ الخُرَافَاتِ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شیعانِ علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں، کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ ''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' کے ناصبیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کر دیں۔

''داستان گو'' صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس عقیدہ کے حامل تھے۔ اہلِ سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہلِ تشیع کے، جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی خلافت کے بارے میں یہ مفتریات و مکذوبات جمع کی تھیں، وہاں اگر وہ دو حرف اس سلسلہ میں بھی سپردِ قلم فرما دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شخصیت کے بارے میں بھی ان ناصبیوں کا نقطۂ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعانِ علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلانِ عثمانؓ تھے، بالکل بے بس تھے، مگر اس

کے باوجود اقتدار سے چمٹے ہوئے تھے، انہوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرایا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیر باد کہہ دیا اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ ''شیعانِ علی- قاتلانِ عثمانؓ'' جب چاہتے، جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا لڑاتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہر وقت لڑنے کو موجود رہتے تھے، کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لڑنے کو کہا، ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب ''صفین'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑائی کو کہا تو وہاں آ کر لڑنے لگے، گویا بااختیار خلیفہ نہیں بلکہ ان ''شیعانِ علی قاتلانِ عثمانؓ'' کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ (مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْاَکَاذِیْبِ)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ ''صلح صفائی'' کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان ''شیعانِ علیؓ'' نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ ''خوارج'' کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں، کیونکہ وہ اراکین ''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' کے بڑے بھائی تھے۔ یہ ناصبی تو صرف حضرت ممدوح کی تحمیق و تجہیل پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے، لہٰذا ''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جا سکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمان ان کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے ''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' کے یہ بد باطن ناصبی کس کس طرح سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرّا کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کی تردید سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

(۱۹) حضرت حسنؓ کے بارے میں داستان سرائی

اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ''داستان گو'' صاحب نے

جو داستان سرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں۔

''حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسنؓ کے ساتھ بھی سرکشی شروع کر دی، آپ کی اہانت کی، آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا، جسم پر سے کپڑے تک نوچ کر اُتار لئے، حتیٰ کہ گھر میں عورتوں کے سامان ولباس تک پر دست درازیاں کیں، بالآخر حضرت حسنؓ نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ ان ''قاتلانِ عثمانؓ'' سے جو ''شیعانِ علیؓ'' بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں، ہمیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی اور شرارت سے باز نہیں آتے ہیں، نجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تا کہ ''قاتلانِ عثمانؓ'' کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت کو بچائیں۔'' (داستانِ کربلا ص ۱۵، ۱۶)

حضرت علیؓ کے بعد یہ ہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؓ کا جانشین بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی، آپ پر حملہ کیا، آپ کی ران زخمی کر دی اور آپ کا سامان لوٹ لیا، چنانچہ حضرت حسنؓ نے ان کے اس طرزِ عمل سے بددل و مایوس اور بیزار ہو کر اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی کاتبِ وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حسینؓ اور اپنے تمام اہلِ خاندان سمیت بیعت کر لی۔ (داستانِ کربلا ص ۱۳)

معلوم ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی خلافت کی بیعت کرنے والے وہی ''قاتلانِ عثمان شیعیانِ علی'' ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کر دیں، اہلِ سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں حضرات کو خلیفہ راشد مانتے چلے آتے ہیں۔

نیز جس طرح ان ''قاتلانِ عثمان شیعیانِ علی'' نے نعوذ باللہ دروغ برگردنِ گستاخ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنا آلہ بنانا چاہا۔ مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نکلے اور معاملہ کی تہہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہٰذا ان سے نجات حاصل کرنے کی بس ایک یہی راہ سمجھ میں آئی کہ:

''حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلانِ عثمان کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شر انگیزیوں سے امت کو بچائیں۔''

ملاحظہ فرمایا آپ نے، حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے بسی اور مجبوری کا اس ناصبی ''داستان گو'' نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کر دیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ و محترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ ناصبی صاحبان ہیں، ان ''قاتلانِ عثمان شیعیانِ علی'' ہی کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

(۲۰) حضرت حسینؓ کی تحمیق

بہر حال ''داستان گو'' صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورتِ حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور ''قاتلانِ عثمان'' کے ورغلانے میں آ کر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل ''داستان گو'' صاحب کے الفاظ میں یہ ہے۔

''حضرت حسینؓ جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی، جوانی کا عہد گزر گیا تھا اور بڑھاپا آ چکا تھا، حضرت حسینؓ اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعیانِ علیؓ نے ان کے والد حضرت علیؓ کے ساتھ کیا تھا..... حضرت علیؓ کے بعد یہی سلوک ان شیعیان نے حضرت حسنؓ کے

ساتھ کیا تھا۔'' (داستان کربلا ص ۱۲، ۱۳)

''حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آرہے تھے، قاتلانِ عثمانؓ کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے۔'' (داستان کربلا ص ۱۷)

''قاتلینِ عثمانؓ'' کے گروہ کے نرغہ سے جو اپنے آپ کو ''شیعیانِ علیؓ'' کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہلِ خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جا کر قیام پذیر ہو گئے۔'' (داستان کربلا ص ۱۹)

''لیکن ''قاتلینِ عثمان'' مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علیؓ کے اہلِ خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اُکسانے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر ... اپنے بیٹے یزید کے لئے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے ''قاتلانِ عثمان'' کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسنؓ فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسینؓ کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔'' (داستان کربلا ص ۲۰، ۲۱)

''۶۰ ہجری میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہوگئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی۔'' (ص ۲۲) کوفہ کے شیعیانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسینؓ، یزید کی بیعت کئے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انہوں نے اس مضمون کا خط حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔'' (ص ۲۳) ''حضرت حسینؓ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے۔'' (ص ۲۴)

غرض جناب ''داستان گو'' صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود ان قاتلانِ عثمانؓ کے ورغلانے میں آ کر اپنے والدِ بزرگوار کی طرح طلبِ خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادرِ بزرگوار کی طرح ''قاتلینِ عثمان'' کے گروہ کے

نرغہ سے اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ بیت کو نکال کر یزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تاثر جو ''داستان گو'' صاحب مسلمانوں کو ''داستانِ کربلا'' لکھ کر دینا چاہتے ہیں۔

(۲۱) قاتلانِ عثمانؓ کے بارے میں ضروری تنقیح

یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ''داستان گو'' صاحب بار بار ''قاتلانِ عثمان'' کے الفاظ کی تکرار اس لئے کرتے ہیں تاکہ اہلِ سنت کے جذبات بھڑکا کر اپنا اُلّو سیدھا کریں۔ یاد رہے کہ وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے سانحہ نے اُمت مسلم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ ان مسلمانوں پر مشتمل تھا جو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلینِ عثمان مل جل گئے تھے اور انھیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کاروائیوں میں مصروف تھے۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ یہ ہی تھی۔''

(داستانِ کربلا، ص ۱۶، ۱۷)

''داستان گو'' کے اس فریب کو سمجھنے کے لئے اوّلاً ''قاتلانِ عثمانؓ'' کے معاملہ پر غور کیجئے، قاتلانِ عثمانؓ کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں ''قاتلانِ عثمانؓ'' ہیں کون؟ ''کیا وہ چند شر پسند جو آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنھوں نے اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا تھا، یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے، ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے، خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود ''داستان گو'' صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں ''پنج تن'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان پانچوں

قاتلوں کے نام ''داستان گو'' صاحب نے یہ لکھے ہیں[1]۔

(۱) محمد بن ابی بکر (۲) کنانہ بن بشر (۳) غافقی (۴) عمرو بن حمق (۵) سودان بن حمران

بعد کو ''داستان گو'' صاحب نے کلثوم بن تجیب نامی ایک اور شخص کو بھی قاتل لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی ''پنجتن'' کی پھبتی غلط ہو جائے گی، کیوں کہ اب قاتل ''پنجتن'' کی بجائے ''ششتن'' بن جائیں گے۔ بہرحال ان نامرادگان میں حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صحابی ہیں اور محققینِ محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابیِ رسول کی شرکت قتلِ عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈاڑھی ضرور پکڑی تھی، لیکن جب حضرت ممدوح نے یہ فرمایا کہ بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی، یہ جملہ سننے کے ساتھ ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ بن نہ پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ یہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر کو قتلِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں، صرف اس لئے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر ''قتلِ عثمان'' کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلافِ واقع ہے، ناصبیوں کو چاہئے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادرِ نسبتی ہونے کی وجہ سے ''خال المؤمنین'' کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی ''خال المؤمنین'' کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں، کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندِ ارجمند اور حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ''داستان گو'' صاحب کا ''مجلسِ عثمانِ غنیؓ'' سے شائع کردہ پہلا کتابچہ ''حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟'' (ص ۷، ۸)

سودان بن حمران اور کلثوم تجیبی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۸۸، ۱۸۹)

اب صرف غافقی اور کنانہ بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے، بعد کو یہ بھی قتل ہوئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلانِ عثمانؓ میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۸۸، ۱۸۹)

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن وقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربارِ خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجود تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کاروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

عَلِیٌّ کَانَ مَعْذُوْرًا فِیْ تَرْکِ قَتْلَةِ عُثْمَانَ لِاَنَّ شُرُوْطَ الْاِسْتِیْفَاءِ لَمْ تُوْجَدْ۔ (منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۳)

حضرت علی قاتلینِ عثمان کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے، کیونکہ قصاص لینے کے لئے جو شرائط ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں۔

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے؟ یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔

اب رہے وہ مظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی ''داستان گو'' نے بھی اپنے پہلے کتابچہ ''حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟'' میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہِ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آجانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی، نیز آغازِ بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش ہی کی جائے گی۔ سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ

زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے۔ اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرزِ عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عینِ محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفۂ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جن کی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آگئے، وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالا خانہ میں اُتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عینِ وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پا کر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے، بعد ازاں جب حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، فقہاء کی تصریح یہ ہے۔

تَوْبَةُ الْبَاغِيْ بِمَنْزِلَةِ الْإِسْلَامِ مِنَ الْحَرْبِيِّ فِيْ إِفَادَةِ الْعِصْمَةِ وَالْحُرْمَةِ۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب البغاۃ)

جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)

پھر حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضراتِ مہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا تھا، اور آپ کا استحقاقِ خلافت تو درحقیقت اسی روز متعین ہو گیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کر دیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس کے لئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس منصبِ جلیلہ کے لئے سب حضرات کی

نظروں میں متعیّن ہیں، لہٰذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لئے متعیّن ہوئے، اسی اجماع نے اس منصب کے لئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو متعیّن کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدۂ جلیلہ کو قبول کرنے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑی۔

چنانچہ امام ابنِ حزم ظاہری ''الفصل فی الملل والاہواء والنحل'' میں فرماتے ہیں:

اِنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَمَّا ادُّعِیَ اِلٰی نَفْسِہٖ بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سَارَعَتْ طَوَائِفُ وَالْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ اِلٰی بَیْعَتِہٖ۔ (ج ۴ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب اپنے لئے حقِ خلافت کا اظہار فرمایا تو مہاجرین و انصار جوق در جوق آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔ اور پھر آپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات مہاجرین و انصار نے جس جان نثاری کا ثبوت دیا، اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے:

اِذْ دَعَا اِلٰی نَفْسِہٖ فَقَامَتْ مَعَہٗ طَوَائِفُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَظِیْمَۃٌ وَبَذَلُوْا دِمَاءَھُمْ دُوْنَہٗ وَرَأَوْہُ حِیْنَئِذٍ صَاحِبُ الْاَمْرِ وَالْاَوْلٰی بِالْحَقِّ مِمَّنْ نَازَعَہٗ۔ (ج ۴ ص ۹۷)

جیسے ہی جناب علی مرتضیٰ نے اپنی طرف دعوت دی، مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتیں آپ کے ساتھ کھڑی ہوئیں اور آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ یہ سب حضرات اس وقت آپ ہی کو اپنا امیر مانتے اور جو لوگ آپ سے برسرِ نزاع تھے ان کے مقابلے میں آپ ہی کو حق پر جانتے تھے۔

اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ بَایَعُوْہُ ذٰلِکَ اِذْ صَارَ الْحَقُّ حَقَّہٗ وَقَتَلُوْا اَنْفُسَھُمْ دُوْنَہٗ۔ (ج ۲ ص ۱۰۱)

وہ حضرات جنہوں نے شہادتِ عثمان کے بعد آپ سے بیعت کی، جب کہ خلافت آپ ہی کا حق تھا، اور پھر آپ کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

یہی حضرات مہاجرین و انصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء و جان نثار تھے جن کو یہ ناصبی ''شیعانِ علی'' اور ''قاتلینِ عثمان'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

(۲۲) شیعہ مخلصین کون ہیں؟

رہا ''شیعانِ علی'' کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، یہی آپ کو خلیفۂ راشد مانتے ہیں، یہی آپ کی نسبتِ روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں۔ غور فرمایئے، تصوف اسلامی کے اکثر و بیشتر سلسلے حضرتِ ممدوح ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہِ حنفی کا دارومدار زیادہ تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ پر ہی ہے، اہلِ سنت کی کتبِ احادیث میں تمام خلفاء راشدینؓ سے زیادہ آپ کی مرویات ہیں۔

غلاۃِ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو ''شیعانِ علی'' کہتے ہیں محض غلط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا، نہ آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا، اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں، نہ ان کا حضرتِ موصوف سے کوئی تعلق تاریخ میں ثابت ہے۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو ''تحفہ اثنا عشریہ'' مؤلفہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کرنی چاہئے تاکہ حقیقتِ حال معلوم ہو جائے۔

ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ ص ۴ اور ص ۲۱ پر فرماتے ہیں:

''شیعہ حقیقی مرتضیٰ علی اہلِ سنت و جماعت اند کہ بروش آنجناب میروند با کسے بد نیستند و ہر یک راہ بہ نیکی یادمی کنند و در عقائد و اعمال اتباع قرآن و حدیث و سیرت آنجناب مینمایند''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہلِ سنت و جماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برے نہیں، سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ''شیعہ'' کے معنی گروہ کے ہیں، اس لئے ''شیعہ علی'' کے معنی ہوئے ''حضرت علیؓ کی جماعت'' اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہلِ سنت کی ہے نہ کہ ''روافض'' کی، ان کو

''شیعانِ علی'' کہنا ایسا ہی ہے جیسے جوالامہ کو مؤمن کہنا یا خاکروب کو حلال خور۔

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے، غالی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں، رافضی، تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو غاصبِ خلافت سمجھ کر ان پر سب وشتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام معصوم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کر دی تھی، اور تفضیلی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل مانتے ہیں، ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانہ خلافت میں ظہور ہو چکا تھا، جس طرح کہ خوارج بھی جو حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں اسی دور میں پیدا ہوئے تھے، اور نواصب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے۔

لیکن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان سب گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، وہ علامہ شیخ ابنِ تیمیہ کی زبان سے سنئے:

وَقَدْ عَاقَبَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ طَوَائِفَ الشِّيْعَةِ الثَّلَاثَةَ. فَاِنَّهٗ حَرَقَ الْغَالِيَةَ الَّذِيْنَ اعْتَقَدُوا الْاِلٰهِيَّةَ بِالنَّارِ. وَطَلَبَ قَتْلَ ابْنِ سَبَا لَمَّا بَلَغَهٗ اَنَّهٗ يَسُبُّ اَبَابَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَهَرَبَ مِنْهُ. وَرُوِيَ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لَا اُوْتٰى بِاَحَدٍ يُفَضِّلُنِيْ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ اِلَّا جَلَدْتُهٗ حَدَّ الْمُفْتَرِيْ. وَ قَدْ تَوَاتَرَ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ. وَلِهٰذَا كَانَ اَصْحَابُهُ الشِّيْعَةِ مُتَّفِقِيْنَ عَلٰى تَفْضِيْلِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ عَلَيْهِ.. (فتویٰ ابن تیمیہ ص ۲۹)[1]

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے شیعوں کی ان تینوں پارٹیوں کو سزا دی، چنانچہ غالی پارٹی کو جو آپ کی ''الوہیت'' کی قائل تھی نذر

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا ''المجمع العلمی دمشق'' کے شمارہ ۳۸ جز ثالث وارابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، جس کا اصل متن اور ترجمہ ابن تیمیہ اکیڈمی کراچی نے ۱۹۶۴ء میں ''یزید بن معاویہ ابن تیمیہ'' کے نام سے شائع کیا ہے، اس فتویٰ کے مترجم جناب ڈاکٹر جمیل احمد صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

آتش کیا، اور ابنِ سبا کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لئے طلب فرمایا، لیکن وہ فرار ہو گیا، اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص بھی میرے سامنے اس خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو مفتری کی حد (اسّی کوڑے) لگاؤں گا''، اور یہ روایت تو آپ سے بہ تواتر ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور پھر عمر''، اسی لئے آپ کے شیعہ اصحاب (مخلص رفقاء، یعنی اہلِ سنت) اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علیؓ سے افضل تھے۔

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ ظَهَرَ اَهْلُ الْبِدَعِ وَالْفُجُوْرِ. وَحِيْنَئِذٍ ظَهَرَتِ الْخَوَارِجُ فَكَفَّرُوْا عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَّعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَمَنْ وَّالَاهُمَا حَتّٰى قَاتَلَهُمْ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ طَاعَةً لِّلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادًا فِيْ سَبِيْلِهٖ. وَاتَّفَقَ الصَّحَابَةُ عَلٰى قِتَالِهِمْ لَمْ يَخْتَلِفُوْا فِيْ ذٰلِكَ كَمَا اخْتَلَفُوْا فِي الْجَمَلِ وَصِفِّيْنَ. (ص ۴۸)

پھر جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور لوگوں میں افتراق پیدا ہوا تو اہلِ بدعت و فجور کا ظہور ہوا، اور اسی زمانہ میں خوارج بھی ظاہر ہوئے جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان اور ان کے محبین کی تکفیر کی، تا آنکہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ سارے صحابہ ان خوارج سے قتال پر متفق تھے، جنگِ جمل و صفین کی طرح اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔

بہر حال حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کئے، ان میں ان نام نہاد ''شیعانِ علی'' کا کوئی دخل نہ تھا۔ ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی واقعی عظمت و قدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ

چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں۔ ناصبیوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے اور ان نام نہاد ''شیعانِ علی'' کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ ناصبی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں، اصل صراطِ مستقیم پر حضراتِ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ غرض یہ بات خوب یاد رکھئے اور ''داستان گو'' کے بار بار ''قاتلانِ عثمان'' اور ''شیعانِ علی'' کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھایئے، اس کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ فریبی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی ''داستان گو'' صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ''ان شیعانِ علی'' نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑوایا، محض لغو ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کی تھیں، وہ امامِ راشد تھے، انہوں نے جو جہاد کیا ہے کتاب وسنت کی روشنی میں کیا ہے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غلط فہمی ہوئی۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا، انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدانِ مصاف سے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کو جاتے دیکھا تو یہ بھی فوراً میدانِ جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان نے ان کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ ان کا کام تمام ہو گیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی، رضی اللہ عنہ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جنگِ جمل میں اپنے شریک ہو جانے پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔ یہ سب باتیں کتبِ احادیث میں مصرّح ہیں۔

صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے، ان کے بارے میں احادیثِ متواترہ میں ''فئۃ باغیہ'' کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنی ''باغی جماعت'' کے ہیں۔ غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی، وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی، جیسے اہلِ جمل تھے، یا پھر ان سے دانستہ یا نادانستہ طور پر غلطی ہوئی،

جیسے کہ ''بخاۃِ شام''۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر۔ پھر اس میں یہ تاثر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے شیعان کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض بکواس ہے۔

حافظ ابنِ تیمیہ ''منہاج السنۃ'' میں لکھتے ہیں:

وَلَوْ قَدَحَ رَجُلٌ فِيْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ بِاَنَّهٗ قَاتِلُ مُعَاوِيَةَ وَ اَصْحَابِهٖ وَقَاتِلُ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ لَقِيْلَ لَهٗ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَفْضَلُ وَ اَوْلٰى بِالْعِلْمِ وَ الْعَدْلِ مِنَ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْهُ فَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّجْعَلَ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْهُ هُمُ الْعَادِلِيْنَ وَ هُوَ ظَالِمٌ لَّهُمْ۔ (منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، ج۳، ص۱۹۰، طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اگر کوئی شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں قدح کرنے لگے کہ انہوں نے معاویہ اور ان کے اصحاب سے قتال کیا اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی جنگ کی، تو اس سے کہا جائے گا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ علم اور عدل کے اعتبار سے ان تمام لوگوں سے جو اُن سے برسرِ جنگ ہوئے افضل و اعلیٰ تھے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جنہوں نے حضرت علیؓ سے قتال کیا، بس وہی عادل ٹھہریں اور حضرت علی ظالم۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں فرماتے ہیں:

وہمیں است مذہب اہلِ سنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود برحق بود ومصیب ومخالفانِ او برغیر حق ومخطی۔ (ص۲۱۹، طبع نول کشور، لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

اور اہلِ سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور صواب پر اور آپ کے مخالف ناحق پر اور خطا کار۔

ناصبی جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کا گروہ اس اُمت کے بہترین افراد میں تھے۔ چنانچہ صحیحین میں خوارج کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

وَيَخْرُجُوْنَ عَلٰى خَيْرِ فِرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ، قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ: اَشْهَدُ اَنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَ اَشْهَدُ

اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَ اَنَا مَعَهٗ۔

(مشکوۃ باب المعجزات الفصل الاوّل ص ۵۳۵)

یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے جو سب سے بہتر جماعت ہو گی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپ کے ہمراہ تھا۔''

(۲۳) حضرت حسنؓ کے بارے میں افتراء پردازی

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا ''داستان گو'' نے اظہار کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ حافظ ابنِ حزم ظاہری نے ''الفصل فی الملل والاہواء والنحل'' میں تصریح کی ہے کہ:

وَ مَعَ الْحَسَنِ اَزْیَدُ مِنْ مِائَةِ اَلْفِ عَنَانٍ یَمُوْتُوْنَ دُوْنَهٗ۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا کرنے کو تیار تھے۔ (ج ۴ ص ۱۰۵)

اور اسی لئے حافظ ابنِ حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں اس حدیث شریف کے ذیل میں، جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے، تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسرِ منبر ارشاد فرمایا:

اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ، وَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

میرا یہ بیٹا ''سید'' ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ (ج ۱۳ ص ۵۷)

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَّ فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ مِنَ الْفَوَائِدِ عِلْمٌ مِّنْ اَعْلَامِ النُّبُوَّةِ، وَ

مَنْقَبَةٌ لِّلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ فَاِنَّهٗ تَرَكَ الْمُلْكَ لَا لِقِلَّةٍ وَّلَا لِذِلَّةٍ وَّلَا لِعِلَّةٍ بَلْ لِرَغْبَةٍ فِيْمَا عِنْدَ اللّٰهِ لِمَا رَاٰهُ مِنْ حَقْنِ دِمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فَرَاعٰى اَمْرَ الدِّيْنِ وَمَصْلَحَةَ الْاُمَّةِ۔ (ج ۱۳ ص ۵۷)

اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے (کہ آپ کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا) دوسرے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منقبت معلوم ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی ذلت یا کسی نوع کی علت کے، خالصۃً لوجہ اللہ سلطنت سے دستبردار ہو گئے، کیونکہ آپ نے یہ محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون ریزی سے بچ جائیں گے، لہٰذا آپ نے دین اور مصلحتِ اُمت کی رعایت فرمائی۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود باغی ہونے کے زمرۂ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال ہے یہ بھی واضح ہے کہ حضراتِ اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں، کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے، بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ غلطی کو غلطی ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرفِ صحابیت کی بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی ان کے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف ''الخطط والآثار'' میں اہلِ سنت کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے:

وَالْاَئِمَّةُ مُتَرَتِّبُوْنَ فِي الْفَضْلِ تَرْتِيْبُهُمْ فِي الْاِمَامَةِ، وَلَا اَقُوْلُ فِيْ عَائِشَةَ وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ رَجَعُوْا عَنِ الْخَطَاِ، وَاَقُوْلُ اِنَّ طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرَ مِنَ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرِيْنَ بِالْجَنَّةِ، وَاَقُوْلُ فِيْ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اِنَّهُمَا بَغَيَا عَلَى الْاِمَامِ الْحَقِّ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَقَاتَلَهُمْ مُقَاتِلَةَ اَهْلِ الْبَغْيِ وَاَقُوْلُ اِنَّ اَهْلَ

النَّهْرَوَانِ الشُّرَاةَ هُمُ الْمَارِقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ وَإِنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ عَلَى الْحَقِّ فِيْ جَمِيْعِ أَحْوَالِهِ، وَالْحَقُّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ۔

(ج ۲ ص ۳۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

فضیلت کے اعتبار سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس منصبِ رفیع پر فائز ہوئے اور حضرات عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں، میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگِ جمل میں شرکت کی بناء پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہئے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

نواصب تقیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ: ''مجلسِ عثمان غنی'' کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے روافض کی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا، یہ دونوں کتابچے (۱) شہادتِ عثمان غنی کیوں اور کیسے؟ (۲) داستانِ کربلا، کذب کا مرقع ہیں، نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہلِ سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تقیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں، صاف کھل کر کہنا چاہئے کہ ہم یزید ومروان کی امامت کے قائل ہیں، یزید کو حسینؓ سے، مروان کو عبداللہ بن زبیرؓ سے اور معاویہؓ کو علی المرتضیٰؓ سے افضل مانتے ہیں،

ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں۔ اس لئے ہم ان پر طعن و تشنیع کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں، جس طرح روافض کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کرنے کا حق ہے، اسی طرح علی و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرا کرنے کا ہم کو بھی حق ہے، ہم نے علی و آلِ علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے، اس لئے ہم ناصبی ہیں۔ تاریخ میں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے، اس میں ذرا شرمانے اور جھجکنے کی کوئی بات نہیں، جرأت کی ضرورت ہے، اعلانیہ کہنا چاہئے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتبِ فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے، لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اس کو اپنا ''امام و شیخ الاسلام'' سمجھتے ہوئے اس مکتبِ فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں، لہٰذا ہمیں اسی نام سے جاننا اور پہچاننا چاہئے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جرأت کے ساتھ برملا اپنے تشخص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم اخیر میں مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو ''باب الایمان بالقدر'' کی فصلِ ثانی (ص ۲۲) میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَ لَعَنَهُمُ اللهُ وَ كُلُّ نَبِيٍّ مُجَابٌ. اَلزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللهِ وَ الْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللهِ وَ الْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ مَنْ اَذَلَّ اللهُ وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّ اللهُ وَ الْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللهِ وَ الْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ التَّارِكُ لِسُنَّتِيْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ وَ رَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوت ہوتا ہے (یہ چھ شخص یہ ہیں) اوّل وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے، دوسرے وہ جو

تقدیرِ الٰہی کا منکر ہو، تیسرے وہ جو جبر و ظلم سے مخلوقِ خدا پر مسلط ہو جائے تا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی ہے اسے عزت بخشے اور جس کو اللہ تعالیٰ عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، چوتھے وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرمِ پاک کو بے حرمت کرے، پانچویں وہ جو میری عترت کی اس حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ نے رکھی ہے چھٹے وہ جو میری سنت کا تارک ہو۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں اور محدث رزین عبدری نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اب ذرا یزید کی زندگی پر نظر ڈالئے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں بہت سی لعنتی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارکِ سنت ہونا تو بہ تواتر ثابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے، اس سے زیادہ یزید کا ظلم و ستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا۔ اس نے صحابہ کرامؓ اور تابعینِ عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی بلکہ حرمِ نبویؐ کو بھی تین دن کے لئے اپنی فوج کے لئے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرمِ نبویؐ میں وہ فساد مچایا کہ پناہ بخدا، سینکڑوں صحابہؓ و تابعینؒ کے علاوہ اولادِ انصار و مہاجرین کا ناحق قتلِ عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت کا یہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجدِ نبویؐ میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں ''باب الکرامات'' میں منقول ہے۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ اَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا وَ لَمْ يُقَمْ. وَ لَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ وَ كَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَّسْمَعُهَا عَنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ الدارمی ص ۵۴۵)

حضرت سعید بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ فتنہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبویؐ میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت سعید بن

المسیبؓ تھے جو مسجد ہی میں رہے، یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر اس ہلکی سی آواز سے جو قبرِ نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے وہ سنا کرتے تھے، اس روایت کو امام دارمی نے نقل کیا ہے۔

(۳) اور عزتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک میں ملایا وہ تو زبان زدِ خاص و عام ہے، یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں کربلاء کے حادثۂ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لَعَنَ اللّٰہُ قَاتِلَہٗ وَابْنَ زِیَادٍ مَّعَہٗ وَیَزِیْدَ اَیْضًا۔

اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل پر لعنت کرے اور اس کے ساتھ ابنِ زیاد پر اور یزید پر بھی۔ (ص ۸۰ طبع میمنیہ ۳۰۰ھ)

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیری کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہلِ بیت و صحابہ کرامؓ کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ کہ برقولِ ایماں کنم خاتمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

محمد عبدالرشید نعمانی

پنج شنبہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ ہجری

یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

ناصبیوں کے ۱۲ شبہات کے جوابات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

ناصبیوں کے ۱۲ شبہات کے جوابات

از

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

ناشر:

مکتبۃ الحسن

حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں
ناصبیوں کے ۱۲ شبہات کے جوابات

دسمبر ۱۹۸۰ء میں کراچی کے مولانا محمد اسماعیل جاجروی خطیب مدنیہ طیبہ مسجد کورنگی نے ۱۲ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء کو بھیجا۔ یہ تمام تر سوالات یزید کی صفائی کے گرد گھومتے تھے۔ کراچی میں محمودی پارٹی کے یزیدی ناصبیوں کے موقف کو انہوں نے ان سوالات میں یکجاء کر دیا تھا۔

کسی زمانہ میں حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی بھی جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں حدیث کے طلباء کو پڑھاتے رہے۔ ماہنامہ ''بینات'' کے مدیر مسئول بھی رہے۔ دارالافتاء سے وابستگی تھی۔ تب یہ سوال نامہ آیا تو آپ نے قلم اٹھایا اور دو صد سے بھی زائد صفحات پر جواب مرتب کر دیا۔ یہ اپریل ۱۹۸۱ء کی بات ہے۔ ''حادثہ کربلا کا پس منظر'' کے نام سے مکتبہ الحسن لاہور نے کتاب شائع کی تو اس کے ساتھ حضرت نعمانی مرحوم کی تین کتابیں بھی ردّ ناصبیت پر ساتھ شائع کیں۔ ان میں سے ایک کتاب یہ بھی تھی۔

''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر ہائیس (۲۲) پر ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اہل سنت کے لئے لمحہ فکریہ			۱۰۵
دیباچہ			۱۰۹
استفتاء			۱۱۳
استفتاء کا اجمالی جواب			۱۱۹
اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہل سنت کا طریقہ ہے	۱۱۹	اجمالی جواب	۱۲۰
ناصبیوں کے شبہات کے تفصیلی جوابات			۱۲۳
(۱) پہلا شبہ			۱۲۳
یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے	۱۳۸	صحیح بخاری میں یزید کی مذمت میں حدیثیں	۱۳۹
پہلی حدیث	۱۳۹	حضرت ابوہریرہ کا دور یزید سے پناہ مانگنا	۱۴۱
دوسری حدیث	۱۴۲	میری امت کی تباہی قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی	۱۴۳
لونڈوں کی حکومت کی کیفیت	۱۴۳	امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں میں یزید سرفہرست ہے	۱۴۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کہ ان سے دور رہا جائے	۱۴۵	صحابہ وتابعین کا اس ہدایت پر عمل	۱۴۶
یزید کے دور میں صحابہؓ وتابعینؒ پر مظالم	۱۴۷	تیسری حدیث	۱۴۸
حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا مروان کو بر سر منبر ٹوکنا	۱۴۹	حضرت عائشہؓ کا مروان کو جھوٹا کہنا	۱۵۰
مروان کی حضرت عائشہؓ سے سخت کلامی	۱۵۰	عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا معاویہ رضی اللہ عنہم کی رقم کو واپس کر دینا	۱۵۲

یزید کا گورنر مدینہ کو اس لئے معزول کرنا کہ اس نے حضرت حسینؓ وابن زبیرؓ پر سختی نہ کی تھی	۱۵۲	مروان کا مشورہ کہ ان حضرات کا سر قلم کر دیا جائے	۱۵۳
حضرت ابو شریحؓ کا گورنر مدینہ کو حرم پر فوج کشی سے منع کرنا	۱۵۳	چوتھی حدیث	۱۵۳
گورنر مدینہ کا صحابی رسول کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا	۱۵۵	حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف گورنر مدینہ کی ہرزہ سرائی قابل قبول نہیں	۱۵۵
حضرت ابن زبیرؓ کے فضائل حضرت ابن عباسؓ کی زبانی	۱۵۷	مصاحف عثمانی کی کتابت میں حضرت ابن زبیرؓ کی شرکت	۱۵۸
حضرت ابن زبیر کے فضائل احادیث کی روشنی میں	۱۵۹	کربلا کے دن بنی امیہ نے اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا	۱۶۲
قرابت رسول اللہ ﷺ کا پاس ولحاظ	۱۶۲	یزیدی شقاوت	۱۶۶
ابن زیاد کا طرز عمل صحابہؓ کے ساتھ			۱۶۷
حضرت معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا	۱۶۷	ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے ساتھ بدتمیزی	۱۶۹
ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمروؓ کے ساتھ بدتمیزی	۱۷۰	ابن زیاد کا حضرت ابو برزہؓ کا مذاق اڑانا	۱۷۱
ابن زیاد بدنہاد تھا	۱۷۲		
یزید کی مدینہ منورہ پر فوج کشی	۱۷۴	واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی	۱۷۴
حرہ کے مظالم کی تفصیل	۱۷۶	حرم کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری	۱۷۸
یزید کا انجام بد	۱۷۹	خود فیصلہ کیجئے	۱۸۰
امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا	۱۸۰	ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ ظلماء حساب وعذاب سے بری ہیں	۱۸۱

(۲) دوسرا شبہ اور اس کا جواب			۱۸۳
یہ شبہ رافضیوں کے شبہ کی طرح ہے	۱۸۶	کیا یزید کے ظلم وستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے؟	۱۸۷
(۳) تیسرا شبہ اور اس کا جواب			۱۹۱
''منتقی'' کا غلط حوالہ	۱۹۱	ائمہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع	۱۹۲
حافظ ابن کثیر کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں	۱۹۲	اس افسانہ کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں	۱۹۴
فن رجال کا متفقہ فیصلہ، یزید اس کا اہل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے	۱۹۴		
(۴) چوتھا شبہ اور اس کا جواب			۱۹۵
اغانی کی روایت میں یہ بات مذکور نہیں	۱۹۵	الامامہ والسیاسہ قابل استناد نہیں	۱۹۶
بلاذری کی سند صحیح نہیں	۱۹۶	بالفرض یہ روایت صحیح ہو تو حضرت ابن عباسؓ کی آخری رائے کا اعتبار ہوگا	۱۹۷
یزید اور حضرت ابن عباسؓ کی خط وکتابت	۱۹۷	یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام	۱۹۸
حضرت ابن عباسؓ کا سرزنش نامہ یزید کے نام	۱۹۹		
(۵) پانچواں شبہ			۲۰۲
ابن العربی کی رائے غزالی کے بارے میں	۲۰۲	ابن العربی کا فتوی کہ حسینؓ کا قتل جائز تھا	۲۰۳
کتاب الزہد میں جن صاحب کا تذکرہ ہے وہ امیر یزید نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ ہیں	۲۰۴	ناصبیوں کا امام طبری کو رافضی بتانا	۲۰۵
مطبوعہ کتاب الزہد اصل نہیں اس کا انتخاب ہے	۲۰۶	یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح	۲۰۶
حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''لسان المیزان'' سے یزید کا مکمل ترجمہ	۲۰۸	ام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے	۲۱۲
قاضی ابوبکر ابن العربی کی ہجو	۲۱۵		

(۶) چھٹا شبہ			۲۱۶
یزید کے جرائم کی فہرست طویل ہے	۲۱۷	امام غزالی کے فتویٰ کی تنقیح	۲۱۷
میدان کربلا میں حضرت حسینؓ کا آخری خطبہ	۲۲۰	امام کیا ہر اسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے	۲۲۱
حافظ ابن الوزیر یمانی نے غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے	۲۲۳	یزید پر لعنت کے بارے میں شیخ عبدالحق کی رائے	۲۲۳
لعن یزید میں اختلاف علماء کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تحقیق	۲۲۶	یزید پر جب لوگوں نے پھٹکار کی تو قتل حسینؓ پر اظہار ندامت کیا	۲۲۸
یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا فیصلہ	۲۲۹	بعض لعنت کرنے سے اس لئے رکتے ہیں کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں	۲۳۱
بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے	۲۳۲	یزید پر لعن کے بارے میں امام احمدؒ کی تصریح	۲۳۳
یزید پر لعن کے بارے میں امام اعظمؒ اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات	۲۳۴	امام جصاص	۲۳۴
ائمہ بخارا کا فتویٰ	۲۳۵	امام کردری کا فتویٰ	۲۳۶
خلاصۃ الفتاویٰ اور فتاویٰ بزازیہ کا شمار فقہ حنفیہ کی معتبر کتابوں میں ہے	۲۳۷	لعن کے باب میں کتاب ''العالم والمتعلم'' کی عبارت	۲۳۷
امام صاحب جواب دیتے ہیں	۲۳۸	مسلمان کے حق میں لعنت کرنے کا مطلب	۲۳۸
(۷) ساتواں اور (۸) آٹھواں شبہ			۲۳۹
ان شبہوں کا منشاء کیا ہے؟	۲۴۰		
(۹) نواں شبہ			۲۴۰
اس شبہ کا جواب	۲۴۱	یزید کے کمانڈر کی حضرت زین العابدینؒ کے ساتھ بدتمیزی	۲۴۱
اہل شام کا حضرت زین العابدینؒ کو ستانا	۲۴۳	اہل بیت کی حق تلفی	۲۴۴

(۱۰) دسواں شبہ			۲۴۶
واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہؓ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ نہیں ہوا	۲۴۶	عبدالملک کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا	۲۴۶
(۱۱) گیارہواں شبہ			۲۴۷
اس کا جواب	۲۴۷	فاروق اعظمؓ کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا	۲۴۸
بقیہ غلط باتوں پر تنبیہ	۲۴۸	یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام للہ فی اللہ تھا	۲۴۹
جن حضرات نے یزید وحجاج کے خلاف اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا	۲۴۹	حرمین میں یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسینؓ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا	۲۵۰
جن حضرات نے کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکا بر بنائے شفقت روکا	۲۵۱	کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے	۲۵۱
کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر اور حضرت حسینؓ کی شہادت	۲۵۱	حضرت حسینؓ کے سر مبارک کے ساتھ ابن زیاد کی گستاخی	۲۵۲
عمر بن سعد کا حشر	۲۵۴	ابن زیاد کے سر کے ساتھ کیا عبرتناک معاملہ ہوا	۲۵۴
یزید کا دنیا سے ناکام ونامراد جانا	۲۵۵	اس کی نسل کا منقطع ہوجانا	۲۵۶
یہ صحیح نہیں کہ اخیر وقت میں حضرت حسینؓ یزید کی بیعت پر راضی ہوگئے تھے	۲۵۶	اس پر روایت کے اعتبار سے تفصیلی بحث	۲۵۷
حضرت حسینؓ کا شمار نجباء صحابہ میں ہے	۲۵۹	اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ علیؓ وحسینؓ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے	۲۶۰
حسینؓ اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟	۲۶۱	خضری کی تحقیق	۲۶۲

(۱۲) بارہواں شبہ			۲۶۳
اس شبہ کا جواب	۲۶۳	سبائی کون تھے؟	۲۶۴
یہ افتراء ہے کہ کوفی سبائیوں نے لڑائی میں پہل کر کے صلح نہ ہونے دی	۲۶۵	صحابہ کی جماعت حضرت حسینؓ کے موقف کی حامی تھی	۲۶۶
صحابی رسول کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا	۲۶۷	احادیث کی رو سے حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت	۲۶۸
اہل بیتؓ سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم ہے	۲۷۰	یزید کے بارے میں اس کے بیٹے کی شہادت	۲۷۰
یزید کے بارے میں ابن زیاد کی شہادت	۲۷۱	یزید کا فسق اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے	۲۷۲
شہادت حسینؓ پر حضور علیہ السلام کا قلق	۲۷۳	شہادت حسینؓ کے بارے میں ابن تیمیہ کا بیان	۲۷۶
حضرت حسینؓ سے حضور علیہ السلام کا محبت کرنا اور خلفاء ثلاثہ کا ان کا احترام کرنا	۲۷۶	مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب مشکوک ہے	۲۷۸
یزید کے بارے میں مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات	۲۷۸	لعن یزید کے بارے میں مجدد الف ثانیؒ کی تصریحات	۲۷۹
بحر العلوم کی تصریح یزید کے بارے میں	۲۸۰	غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح	۲۸۱
نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ یزید کے بارے میں	۲۸۲	علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں	۲۸۴
یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث	۲۸۷	یزید کے جزیرہ روڈس اور جزیرہ ارواڈ سے مجاہدین کو واپس بلا لینا	۲۸۸
"مدینہ قیصر" سے کیا مراد ہے؟	۲۸۹	حدیث "مدینہ قیصر" کا مصداق سلطان محمد فاتح ہے	۲۹۰
یزید قسطنطنیہ کی پہلی مہم میں شریک نہ تھا	۲۹۰	یزید کا عقیدہ و عمل دونوں خراب تھے	۲۹۵
حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ یزید سے محبت کے بارے میں	۲۹۶	روافض و نواصب دونوں راہ ہدایت سے دور ہیں	۲۹۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَمُصَلِّیاً وَمُسَلِّماً اَمَّا بَعْدِ

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اس قابل ہوئے کہ اس کتاب کی چوتھی اشاعت ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ عزوجل سے بصد عجز و نیاز یہ دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ناصبیت کے اس تازہ فتنے کا قلع قمع فرمائے جو خاندان نبوت اور عترت پیغمبر علیہ الصلوات والتسلیمات سے مسلمانوں کی عقیدت کو مجروح کرنے اور تاریخ اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔

ناظرین سے ہماری بس اتنی استدعا ہے کہ جو کتاب بھی ہم شائع کریں اس کا ٹھنڈے دل سے مکرر سہ کرر بغور مطالعہ کر کے فیصلہ کریں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حق ہے یا نہیں، اور پھر اگر مطالعہ کے بعد آپ کا دل خود اس امر کی گواہی دے کہ یہ حق کی دعوت ہے، تو اس دعوت کو عام کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، کتاب کو خود خریدیں، استطاعت ہو تو اس کے مزید نسخے خرید کر دوست احباب کو ہدیہ کریں، خاص طور پر اپنی مسجد کے خطیب اور امام صاحب کو اس کا نسخہ پیش کریں ورنہ خود پڑھیں اور دوسروں کو اس کے پڑھنے کی دعوت دیں۔

اس اشاعت کی کتابت از سر نو کرائی گئی ہے۔ کاغذ و کتابت اور طباعت کے مصارف بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے کتاب کی قیمت نہایت ہی مناسب رکھی ہے تاکہ ہر آدمی اس کو خرید کر پڑھ سکے۔

آخر میں اللہ رب العزت کی جناب میں عرض ہے کہ اپنی بارگاہ سے اس کے مصنف و ناشر اور ان کے والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

ناچیز مظفر لطیف عفی عنہ ابن محمد عبدالرحیم خاطر رحمہ اللہ

۲۳ ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ، مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل سنت کے لئے لمحہ فکریہ

حَامِدًا وَمُصَلِّیاً وَمُسَلِّمًا اَمَّا بَعْدُ

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۴۵۶ھ نے شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حادث کربلا، واقعہ حرہ، حصار کعبہ، قتل ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان چاروں جان گسل واقعات کو اسلام کے چار رخنوں سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرکز کا احترام ختم ہوا، اور خلافت کا رعب داب اُٹھ گیا، حادثہ کربلا سے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت خاک میں ملی، واقعہ حرہ سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی ہوئی، قتل ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کعبہ کی عزت کو داغ لگا۔ غرض ان چاروں ہنگاموں میں ناحق کوشوں نے وہ قیامت برپا کی کہ خدا کی پناہ، خلیفۃ الرسول، عترت پیغمبر اور اصحاب نبی سب کا بے دریغ خون بہایا، اور حرم نبی، خانہ کعبہ جملہ شعائر اسلام کی عظمت کا ذرہ برابر پاس ولحاظ نہیں کیا۔

ان چاروں حادثات کے بارے میں ناصبیوں کا موقف یہ ہے کہ وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں اور حادثہ کربلا کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور واقعہ حرہ کا ان صحابہ کرام کو جنہوں نے یزید کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اور حصار کعبہ کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ادّعاء خلافت کو۔ شیعہ مروانیہ کا ایمان وعقیدہ یہی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ خلافت کے غاصب تھے اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو حادثہ حرہ اور حصار کعبہ کے خونی ہنگاموں میں یزید اور عبدالملک بن مروان کی تیغ ستم کا نشانہ بنے شہید نہیں بلکہ خلافۃ کے باغی تھے جو اپنی بغاوت کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے۔ شیعہ مروانیہ کا یہ نظریہ مروانیوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت

ہوگیا تھا، لیکن محمود احمد عباسی نے کتاب "خلافت معاویہ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو پھر نئے سرے سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ ناصبیت کا پیدا ہوگیا ہے جس سے اب تک ہند و پاک کی سرزمین یکسر پاک تھی اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا اور اب تو بہت سے حلقوں میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہے۔

یہ کتاب سرتاسر فریب، خداع، تلبیس اور کذب وافتراء کا مرقع ہے۔ اس نام نہاد تاریخی ریسرچ کے چار ماخذ ہیں:

۱..... مستشرقین کی تصریحات، جن کو مؤلف جابجا آزاد اور بے لاگ محققین کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ہر باب میں ان کے اقوال کو قول فیصل سمجھتے ہیں۔

۲..... شیعہ مؤرخین جن کے کذب و افتراء کا جابجا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود مؤلف ہر جگہ ان سے اپنے مطلب کی بات کہیں ان کی عبارت میں قطع و برید کر کے اور کہیں بغیر اس کے ہی لے لیتے ہیں۔

۳..... بعض وہ مصنفین جن پر ناصبیت کا الزام ہے اور وہ اہل بیت سے انحراف رکھتے ہیں۔

۴..... خود اپنی دماغی اپج جس میں مؤلف بڑی دور دور کی کوڑی لاتے ہیں اور ایسی ایسی بات اپنے دل سے گھڑتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران وششدر رہ جائے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اہل سنت میں سے کسی محقق عالم کے قول کو کہیں بھی اثبات مدعا کے لئے مؤلف نے اپنے اصلی رنگ میں پیش نہیں کیا بلکہ ہر جگہ ابلہ فریبی سے کام لے کر ناصبیت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اس ملک میں رفض کا فتنہ قدیم سے تھا، باطنیہ اسماعیلیہ اور امامیہ سب پہلے سے موجود تھے۔ البتہ خوارج ونواصب کا ڈھونڈے سے

بھی پتہ نہ تھا، لیکن عباسی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اہل سنت میں ناصبیت کا تازہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب بہت سے لوگ ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خاطی وغلط کار سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب سے سوائے ضرر کے فائدہ کوئی مرتب نہ ہوا، روافض تو اپنی جگہ اور سخت ہو گئے لیکن اہل سنت کے اعتدال میں فرق آ گیا۔ بہت سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شک کرنے لگے۔ آج تک کسی ایک رافضی کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا جا سکتا کہ وہ عباسی صاحب کی کتاب پڑھ کر تائب ہو گیا ہو، لیکن اس کے برخلاف اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی نکلے گی جو اس جھوٹ کے پلندہ کو صحیح سمجھ کر حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے اپنے دلوں کو صاف نہ رکھ سکے۔

اس کتاب نے سادہ لوح عوام نہیں اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقہ کو متاثر کیا ہے جن میں عربی مدارس کے بھی بہت سے فارغ التحصیل شامل ہیں۔ جن لوگوں کی دسترس موضوع کتاب کے اصل مآخذ تک نہیں وہ اس کو تحقیق اور ریسرچ کا ایک نادر شاہکار سمجھتے ہیں، اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اب مسلمان من حیث القوم علوم اسلامیہ سے نابلد ہو گئے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی شخص بھی اپنے کسی غلط نظریے کو ذرا نئے انداز سے بنا سجا کر پیش کر دیتا ہے یہ اس کے ہو جاتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے جو شخص عربی، فارسی کی معمولی عبارتوں کے صحیح ترجمے نہ کر سکے، کتابوں کے غلط حوالے دے، مصنفین کی عبارتوں کو اپنے مفید مطلب بنانے کے لئے غلط معنی پہنائے اور ان میں قطع و برید سے کام لے، ایسے شخص کا پیش کردہ کوئی نظریہ کس درجہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ روافض کے سب وشتم سے لوگ تنگ آئے ہوئے تھے، ایسے میں یہ کتاب شائع ہوئی جس میں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے موقف پر اس سے کہیں زیادہ سلجھے ہوئے اور سنجیدہ انداز میں جرح کی گئی تھی جو روافض کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے موقف کو مجروح کرنے میں عام روش ہے۔ اس لئے ردعمل کے طور پر بہت سے لوگ عباسی صاحب کے اس طرز عمل سے متاثر ہوئے بغیر نہ سکے۔ حالانکہ تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور جو لوگ ان سے برسر جنگ رہے وہ خطاء پر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہ کر کے غلطی کی اور وہ خلیفہ راشد نہ تھے۔ ان کا بیٹا یزید ظالم و جابر حکمراں تھا اور حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور وہ تمام صحابہ کرامؓ جو جنگ حرہ میں شہید ہوئے اور جنہوں نے یزید کے تسلط واقتدار کو برہم کرنے کی کوشش کی وہ سب حق کے داعی اور خیر کے علمبردار تھے۔ مگر اس کتاب کی تصنیف صرف ان ہی امور کی تردید کے لئے عمل میں آئی ہے، اور اس کے مطالعہ سے اہل سنت کا یہ نقطہ نظر صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے اور یہی ناصبیت کا عین منشا ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ناصبیت کے پرچارک شیعہ مروانیہ نے تو اپنی بدعت کی اشاعت کے لئے کراچی اور لاہور میں مستقل ادارے بنا رکھے ہیں اور سارے ذخیرہ احادیث اور تاریخ اسلام کے اثرات کو ملیا میٹ کرنے پر تلے ہوئے ہیں مگر اہل سنت و جماعت کہ صحابہ اور خاندان رسالت دونوں کی تعظیم وتوقیر ان کا جزو ایمان ہے وہ اس فتنہ کے سدباب کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

محمد عبدالرشید نعمانی

سہ شنبہ ۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

مطابق ۶ر جولائی ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حَامِدًا وَمُصَلِّیاً وَمُسَلِّمًا اَمَّا بَعْدِ

''یزید'' بھلا آدمی تھا یا برا، وہ خلیفہ عادل تھا یا ظالم و جابر فرمانروا، اس کا ایمان پر خاتمہ ہوا یا کفر پر، اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا اس نے حکم دیا یا نہیں، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف خروج کر کے بغاوت کی تھی یا ان کا یہ اقدام سراسر شرع کے حکم کے مطابق تھا، یزید نے مدینہ نبوی اور حرم الٰہی کی حرمت کو پامال کیا یا نہیں، صحابہ و تابعین کی ایک خلقت کا اس کے ہاتھوں قتل عام ہوا یا نہیں، یہ اور اس قسم کے دیگر مباحث ظاہر ہے کہ ان کو عملی زندگی سے دور کا بھی تعلق نہیں، یہ خالص نظریاتی مسائل ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض لوگ ہماری اس کوشش کو تحسین کی نظر سے نہ دیکھیں اور اس کو مفت کا ضیاع وقت خیال کریں۔

لیکن ایک دوسری حیثیت ہے اگر اس کو دیکھا جائے تو ہمارے اس کام کی اہمیت بہت ہی بڑھ جاتی ہے وہ یہ کہ اگر بالفرض یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ: ''یزید ایک صالح مسلمان اور خلیفہ عادل بھی تھا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی تاریخ کو محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ الٹا اُس کو مسخ کر دیا۔ یزید جیسے صالح مسلمان اور خلیفہ عادل کے کردار کو ایسا گھناؤنا کر کے پیش کیا کہ وہ شیطان مجسم نظر آنے لگا۔

یاد رہے یزید کا دور صحابہ و تابعین کا دور ہے اس لئے اس دور کی تاریخ کا ایک ایک واقعہ بسند قلمبند کیا گیا ہے، وہ عام تاریخ کی طرح نہیں کہ جس میں سند کا التزام نہیں ہوتا بلکہ وہ محض وقائع نگاروں کے قلم کی مرہون منت ہوتی ہے۔ طبقات

تابعین پر بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں، سارے علم اسماء الرجال کا دارو مدار ان ہی کتب طبقات پر ہے۔ اگر یہی کتابیں بے اعتبار ٹھہریں تو پھر حدیث کی ساری کتابوں کو دریا برد کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کی صحت وضعف کا دارو مدار ان ہی کتب طبقات پر ہے کہ ان ہی کتب میں راویوں کے احوال مذکور ہیں۔ اگر یہی بے اعتبار قرار پائیں تو پھر یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں شخص صحابی ہے اور فلاں نہیں اور فلاں تابعی ہے اور فلاں نہیں اور فلاں سچا اور لائق اعتبار تھا اور فلاں کذاب اور دجال، جب یزید جیسے خلیفہ عادل کا ان کتابوں میں حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا اور فیصلہ کر دیا گیا کہ وہ اس کا اہل ہی نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے۔

چنانچہ حدیث کی تمام کتابیں اس کی روایت سے یکسر خالی ہیں اور اگر کہیں ایک آدھ روایت کسی نے درج بھی کی تو علم اسماء الرجال نے یزید کی نااہلی کا فیصلہ کر کے اس کی روایت کو مردود کر دیا۔ غرض! سارے محدثین نے اس غریب سے بالکلیہ قطع تعلق کر لیا اور نہ صرف محدثین بلکہ حاملین ملت کے تمام طبقوں میں خواہ وہ مفسرین ہوں یا متکلمین، فقہاء ہوں یا صوفیہ اس خلیفہ عادل اور صالح مسلمان کو بار نہیں اور یہ تو صرف ایک بے چارے یزید کے ساتھ ہوا۔ معلوم نہیں اور اس جیسے کتنے صالحین ہوں گے جو اس ظلم کی چکی میں پس گئے ہوں گے اور ہم ان کو صالحین کی فہرست سے خارج کر کے زمرہ شیاطین میں شمار کرتے ہوں گے اور جس طرح یزید کا تاریخ اسلام نے حلیہ بگاڑا ہے اور اسے ایک ظالم و سفاک فاسق و فاجر کے روپ میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح عین ممکن ہے کہ مسلمانوں کے اسماء الرجال، ان کی تاریخ اور کتب حدیث وطبقات نے کسی شیطان مجسم کو اس کا نقش ونگار ٹھیک کر کے ہمارے سامنے اس کو ولی اللہ کے روپ میں پیش کر دیا ہو یا اسے صحابی، تابعی اور خلیفہ راشد بنا دیا ہو۔ کیونکہ جب یزید کے ساتھ ایسا ظلم وستم تاریخ کے ہاتھوں ہوا تو پھر دوسروں پر کیوں نہیں ہو سکتا اور یہ مان لینے کے بعد پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی

تاریخ سے ہاتھ دھو کر خود اسلام کے اثر پر کلام کیا جائے اور اس کی ساری تعلیم کو غیر محفوظ قرار دیا جائے۔ یہی منکرین حدیث کی اصل غرض وغایت اور ملحدین کا اصل منشاء ہے۔ کمیونسٹ اس کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں افتراق اور اشتعال پیدا ہو کر قتل وقتال کا بازار گرم ہو۔

افسوس ہے کہ بعض نادان مولوی جن کو تاریخ کا سرے سے ذوق نہیں۔ ان بے دینوں کی اس سازش کا شکار ہو کر یزید کی حمایت میں سرگرمی دکھا رہے ہیں، اور اس طرح گویا خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔

محمود احمد عباسی اس فتنہ کا سربراہ ایک ناخدا ترس اور دین بے زار آدمی تھا۔ جس زمانہ میں وہ چینی سفارت خانہ میں ملازم تھا۔ اس نے اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی اور اب رفتہ رفتہ یہ فتنہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اس فتنہ میں مبتلاء لوگوں کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ وہ آئے دن عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' سے کچھ شبہات نقل کر کے اہل علم کو استفتاء کی صورت میں بھیجتے رہتے ہیں۔

چنانچہ یہ بارہ شبہات بھی اس کی کتاب سے نقل کر کے ''بشارت مغفرت کے امین حضرت یزید بن معاویہ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب'' کے نام سے ایک کتابچہ کی شکل میں پہلے ''مجلس عثمان غنی کراچی'' نے شائع کئے اور بعد کو ''انجمن تحفظ ناموس صحابہ لاہور'' نے پھر کسی صاحب نے اس کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے مدرسہ عربیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں استفتاء کی شکل میں پیش کر دیئے اور جواب کے طالب ہوئے۔

حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان شبہات کا تحقیقی جواب لکھنے کی توفیق بخشی۔ ہماری اس کاوش سے اگر کسی ایک مسلمان کا بھی ذہن ان شبہات کے خس وخاشاک سے پاک ہو گیا تو ہماری دلی مراد بر آئی اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے کہ ؎

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

یزید کی شخصیت کے متعلق اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ علماء اہل سنت میں اس پر تو اتفاق ہے کہ وہ فاسق و ظالم تھا۔ البتہ اختلاف ہے تو اس بارے میں ہے کہ اس کو کافر قرار دیا جائے یا نہیں اور اس پر لعنت کرنا روا ہے یا اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے۔ اب ایسے شخص کو جنتی بتانا اور اس کی تعریف کے گن گانا ضلالت نہیں تو اور کیا ہے؟

اب پہلے قلمی استفتاء کی پوری عبارت ملاحظہ فرمایئے اور اس کے بعد بالتفصیل نمبروار ہر سوال کا جواب پڑھتے جایئے۔ واللہ الہادی!

محمد عبدالرشید نعمانی

۶ر صفر الخیر ۱۴۰۲ھ شب جمعہ

مطابق ۴ر دسمبر ۱۹۸۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص مندرجہ ذیل حقائق پر مبنی نظریات رکھتا ہے:

اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مدینۃ الروم قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والے لشکر کے لئے مغفرت ہے اور امیر یزید مرحوم اس لشکر کے کمانڈر تھے۔ لہٰذا اس مغفرت میں وہ بھی شریک ہیں۔

(الف) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم أَوَّلُ جیش مِنْ أُمَّتِی یَغْزُونَ مَدِینَۃ قیصر مغفور لھم. (بخاری شریف ج۱ ص۴۱۰)

(ب) قال محمد بن الربیع فحدثتھا قوماً فیھم أبو أیوب الانصاری صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ التی توفی فیھا ویزید بن مُعَاوِیَہ عَلَیْھِمْ بِأَرْضِ الرُّومِ.. (بخاری شریف ج۱ ص۱۵۸)

دوم: بہت سے صحابہ کرام نے امیر یزید مرحوم سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے منجملہ اُن کے (۱) حضرت عبداللہ بن عمر (۲) حضرت عبداللہ بن عباس (۳) حضرت عبداللہ بن جعفر (۴) حضرت نعمان بن بشیر (۵) حضرت جابر بن عبداللہ (۶) وغیرہم! (رضی اللہ عنہم) اگر امیر یزید کافر یا فاسق وفاجر اور شرابی وزانی اور دشمن دین ہوتے تو یہ حضرات صحابہ کرام اُن کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر وفسق نوازی اور فجور وبددینی کی سرپرستی وتعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا اور یہ سراسر قرآن کریم کے بیان کردہ اس وصف کے خلاف ہے جو جماعت صحابہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ط أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ

(سورۃ الحجرات پارہ۲۶، ۷/۴۹)

(ج) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امیر زید کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے۔ انا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله ورسوله.. (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۵۳)

سوم: حضرت محمد بن حنفیہ یعنی محمد بن علی نے نہ صرف امیر موصوف کی بیعت کی بلکہ اُن پر عائد کردہ الزامات شراب نوشی ترک نماز حدود الٰہی سے تجاوز کرنا وغیرہ الزامات کی پرزور تردید فرمائی کہ میں خود امیر یزید کے پاس رہا ہوں لیکن میں نے ہمیشہ انہیں پابند نماز اور سنت رسول پر مضبوطی سے کاربند، بھلائی اور مسائل فقہ کا جویاں پایا۔

(د) وَقَدْ حَضَرْتَهُ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ فَرَاَيْتُهُ مُوَاظِبًا عَلَى الصَّلٰوةِ مُتَحَرِّيًا للخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة.

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۳۳ بحوالہ المنتقی ص ۲۸۱)

بلکہ آپ نے الزام لگانے والوں سے بحث ومناظرہ کیا۔

(ہ) قدسئل محمد بن الحنفية فی ذالك فامتنع من ذلك اشد الامتناع وناظرهم فی یزید ورد علیهم ما اتهموه من شرب الخمر وترکه بعض الصلوت. (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۸)

چہارم: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، اوّل تو ان کے لئے دعا کی اور پھر امیر یزید کو آپ کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کے ساتھ ہی امیر یزید کی بیعت واطاعت کا حکم فرمایا اور خود بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔

(و) وان ابنه یزید لمن صالحی أهله فالزموا مجالسكم واعطوا اطاعتكم وبیعتكم فمضی فبایع (بلاذری الامامہ والسیاسہ ج ۱ ص ۲۰۳)

پنجم: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''الزہد'' میں امیر یزید

مرحوم ومغفور کا ذکر زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرے میں بیان فرمایا ہے جن کے وعظ وفرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور امیر یزید کے خطبے کے چند جملے بھی نقل کئے ہیں اور ساتھ ہی اُن لوگوں کو شرم دلائی ہے جو آپ پر شراب نوشی اور فسق وفجور وغیرہ کا اتہام لگاتے ہیں۔

(ز) وهذا يدل على عظيم منزلته عنده حتى يدخله فى جملة الزهاد من بعد الصحابة والتابعين يقتدى بقولهم ويرعوى من وعظهم ونعم وما أدخله الا فى جملة الصحابة قبل أن يخرج الى ذكر التابعين فاين هذا من ذكر المؤرخين له فى الخمر وانواع الفجور الا يستحيون.

(العواصم من القواصم ص ۲۳۳)

ششم: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر یزید نے نہ تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا، اور نہ ہی اس پر رضامند تھے۔ جو شخص ان پر الزام لگائے، وہ حد درجہ ابلہ واحمق ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ امیر یزید پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا صرف جائز نہیں بلکہ مستحب ہے اور چونکہ وہ مومن تھے اس لئے ہر نماز میں مومنین کی مغفرت والی دعا میں شامل ہیں۔ (تاریخ ابن خلقان ج ۱ ص ۴۶۵)

(ح) واما الترحم عليه فجائز بل هو مستحب بل هو داخل فى قولنا فى كل صلوة اللهم إغفر للمؤمنين والمؤمنات فانه كان مؤمناً والله اعلم كتبه الغزالى..

ہفتم: امیر یزید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر کے داماد ہیں کیونکہ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر ان کے نکاح میں تھیں۔ اس رشتے سے آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیج داماد ہوتے ہیں۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم)

ہشتم: سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ ام مسکین بنت عاصم بھی امیر موصوف کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اس رشتہ سے آپ خلیفہ دوم کے پوت داماد ہوتے ہیں۔ (انساب الاشراف، کتاب المعارف)

نہم: سیدنا علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین کربلا کے واقعہ میں موجود تھے، وہاں سے دمشق گئے اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ بلکہ واقعہ کربلا سے تین برس بعد واقعہ حرّہ کے موقع پر امیر یزید کا حسن سلوک دیکھ کر اُن کے حق میں ان الفاظ میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ امیر المومنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔ (بلاذری، طبقات ابن سعد)

دہم: واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات میں ہوتی رہیں اور ان کی اُن میں، جس کے ثبوت سے کتب تواریخ وانساب پر ہیں۔

یازدہم: سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ کے ان شریر النفس لوگوں نے سیدنا حسینؓ کو امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا، جن کے نامبارک عزائم ومقاصد کبھی سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے اور کبھی جنگ جمل اور صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی توہین وتحقیر سے بھی انہیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دامن داغدار ہیں اور جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو تقریباً چار ماہ کی مسلسل کوشش بصورت خطوط وفود کی بھرمار سے یہ باور کرادیا کہ امیر یزید امت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں، بلکہ ملت کی متعدبہ جماعت ان کی خلافت سے مطمئن نہیں، تو اب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا ارادہ فرمایا:

(۱) سیدنا عبداللہ بن عباس (۲) عبداللہ بن عمر (۳) عبداللہ بن جعفر (۴) جابر بن عبداللہ (۵) ابو واقد اللیثی (۶) محمد بن حنفیہ وغیرہم! (رضی اللہ عنہم) حضرات نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس ارادہ سے منع فرمایا کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ دھوکہ بازی کرنے والے کوفیوں کی بات مان کر امت میں افتراق وانتشار کی راہ نہ کھولیں اور اپنے آپ کو اس ہلاکت انگیز اقدام سے باز رکھیں۔ لیکن افسوس کہ آپ نے کسی کی نہ مانی اور کوفیوں کے خطوط اور

وفود اور ان کی طلب پر کوفہ روانہ ہو گئے۔ جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان مدعیان وفاداری نے وہی کچھ کیا جو مذکورہ حضرات نے ماضی کی تاریخ کے پیش نظر آپ کو روکتے ہوئے کہا تھا۔ جب آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزید کی بیعت پر تمام امت وملت متفق ہے جس کے فیصلے عمل کا استخلاف ممکن نہیں تو آپ اپنے ارادے سے دست بردار ہو گئے اور پہلے موقف سے رجوع فرما کر فوج افسر عمر بن سعد کے ذریعہ گورنر کوفہ کے سامنے تین شرطیں پیش فرمائیں:

اوّل: مجھے واپس جانے دیا جائے۔

دوم: اسلامی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے۔

سوم: یا پھر مجھے دمشق بھیج دیا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم (چچا زاد بھائی امیر یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر معاملہ کو اس طرح طے کرلوں جس طرح میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔

''فاضع یدی فی یدھا''

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳۵، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۵، ابن اثیر ج ۴ ص ۴۴، الاصابہ لابن حجر ص ۱۷، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۴۰، رأس الحسین لابن تیمیہ ص ۲۰ وغیرہم)

دوازدہم: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اس خروج کو بغاوت کا نام دینا مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اجتہادی سیاسی خطاء تھی جس کا صدور ہر بڑے سے بڑے شخص سے ہوسکتا ہے اور اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور اُن کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے آپ کے خاندان کے چند نفوس کے کسی صحابی نے اس خروج میں آپ کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ اس وقت ہر شہر میں خاصی تعداد اصحاب کرام کی موجود تھی اور اس لئے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حقیقت کھلنے پر امیر یزید کی بیعت خلافت کا اعلان فرما کر وابستگی اختیار فرمائی۔ اب یہ کوئی سبائیوں کی سوچی سمجھی سکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا اور امت کو اس عظیم سانحہ اور مصیبت میں مبتلاء کر دیا۔ اب قیامت تک

شاید ہی اس سے چھٹکارا مل سکے۔ الحاصل! ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے امیر یزید مرحوم پر لعن وطعن کرنا یا اُن کی تکفیر وتفسیق کرنا کسی طرح مناسب نہیں اور نہ ہی انہیں واقعہ کربلا کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس عظیم سانحہ جانکاہ کی واحد ذمہ دار کوفہ کی وہ سبائی پارٹی ہے جن پر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مشفقین اور محبّین کے خیر خواہانہ مشورے چھوڑ کر اعتماد کیا۔

سوال: یہ ہے کہ یہ باتیں کہاں تک درست یا غیر درست ہیں؟ قطع نظر غیر مستند تاریخی روایات کے کیا یہ مذکورہ امور بالا اپنی جگہ نا قابل انکار حقائق ہیں یا نہ؟

سوال: ایسے نظریات رکھنے والے شخص کی تکفیر یا تفسیق وتضلیل جائز ہے یا نہ؟

سوال: اگر کوئی شخص ان اُمور کو اسلاف کرام پر زبان دراز کئے بغیر درست مانتا ہو تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟

سوال: معلوم ہوا ہے اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی تائید میں ۱۴ رمحرم الحرام ۱۳۸۵ھ دار العلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) کی ماتحتی میں دیا جاچکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

بیّنوا بالدلائل القطعیه وتوجروا بالاجر العظیم!

فقط والسلام!

ابوالارشد محمد اسماعیل جاروی

خطیب جامع مسجد مدینہ طیبہ سیکٹر بی ۱۵ کورنگی نمبر ۶، کراچی

۱۴ رصفر الخیر ۱۴۰۰ھ مطابق ۳۳ ردسمبر ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

استفتاء کا اجمالی جواب

اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہل سنت کا طریقہ ہے

امام طحاوی نے فقہاملت امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسف اور امام محمد کے عقائد کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے جو ''العقائد الطحاویہ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کے شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بارہا طبع ہو چکا ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے اور مملکت سعودیہ میں داخل درس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے:

ونحب أهل العدل والامانة ونبغض اهل الجور والخيانة

اور ہم اہل عدل وامانت سے محبت کرتے ہیں اور اہل جور وخیانت سے بغض رکھتے ہیں۔ (ص ۶ طبع دیوبند)

یہ وہ عقیدہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَابغض لله وَاعْطٰى لله ومنع للهِ فَقَدِ استكمل الايمان۔ (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۴)

جس نے اللہ کے لئے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا اور اللہ ہی کے لئے دیا اور اللہ ہی کے لئے نہ دیا، اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

اسی ہدایت کے مطابق عقیدہ طحاویہ میں یہ بھی مصرح ہے کہ:

وَمَن احسن القول فی اصحابه رسول الله صلى الله عليه وسلم وازواجه وَذُرِّيَّاتِهِ فَقَدْ بَرِءَ من النفاق (ص ۸)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپ کی ازواج اور آپ کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔

اجمالی جواب

اب سائل نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے مابین محاکمہ کر کے جو بارہ سوالات قائم کئے ہیں اور پھر ان کو حقائق کا نام دے کر پوچھا ہے کہ امیر یزید پر لعن وطعن کرنا درست ہے یا نہیں۔

اس کے بارے میں اجمالی جواب تو یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور جملہ اہل بیت نبوی سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم وتکریم کرنا تقاضائے ایمانی ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" میں جو عقائد پر ان کی مشہور تصنیف ہے۔ فرماتے ہیں:

وفاطمة سيدة نساء أهل الجنة والحسن والحسين سيد اشباب أهل الجنة

اور حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرت حسن اور حضرت حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

"ما این مسئله را علیحده در عقائد ذکر کرده ایم از جهت قطعیت وی بر رغم این نادانان که قطعیت بشارت را مخصوص بعشره مبشره دارند وهمچنان که علماً بر رغم رفضه اهتمام بشان عشره کرده به تخصیص ذکر کرده اند. اگر بر رغم ناصبیه اهتمام بذکر این سه تن پاک وذکر فضائل اهل بیت نبوت کنند نیز مناسب باشد" (ص ۶۶، ۶۷ طبع دہلی)

ہم نے اس مسئلہ کو اس کے قطعی ہونے کی بناء پر مستقل طور سے عقائد میں ذکر کیا ہے، ان نادانوں کے علی الرغم کہ جو صرف عشرہ مبشرہ ہی کے بارے میں جنتی ہونے کی بشارت کو قطعی سمجھتے ہیں اور جس طرح کہ علماء نے روافض کے علی الرغم عشرہ مبشرہ کے اہتمام شان کے پیش نظر بالتخصیص ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اگر نواصب کے علی الرغم ان تینوں حضرات کے بھی ذکر کا اہتمام ہو اور اہل بیت نبوت

کے فضائل بھی ذکر کریں تو یہ بھی مناسب ہوگا۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''التفہیمات الالٰہیہ میں عقائد اہل سنت والجماعت پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

ونشهد بالجنة والخير للعشرة المبشرة وفاطمة وخديجة وعائشة والحسن والحسين رضى الله عنهم ونوقرهم ونعترف بعظم محلهم فى الاسلام

اور ہم جنت اور خیر کی شہادت دیتے ہیں حضرات عشرہ مبشرہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے حق میں اور ان کی توقیر کرتے ہیں اور اسلام میں جو ان حضرات کا بلند مرتبہ ہے، اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

اور یزید سے محبت نہ رکھنا اور اس کے برے اعمال سے نفرت کرنا، یہ بھی ایمان ہی کا مقتضی ہے اور اہل سنت کا اسی پر عمل درآمد ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل الایمان میں یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وبالجملہ وے مبغوض ترین مردم است نزد ما، وکارہا کہ این بدبخت وبے سعادت دریں امت کردہ ہیچ کس نکردہ بعد از قتل امام حسین وایہانت اہل بیت لشکر بتخریب مدینہ مطہرہ قتل اہل آنجا فرستادہ وبقیہ از صحابہ تابعین را امر بقتل کردہ وبعد از تخریب مدینہ امر بانہدام مکہ معظمہ وقتل عبد اللہ بن زبیر کردہ وہم در اثنائے این حالت از دنیا بجہنم شتافتہ دیگر احتمال توبہ ورجوع او را خدا داند حق تعالی دلہائے ما را وتمام مسلمانان را از محبت وموالات وے واعوان وانصار وے وہر کہ با اہل بیت نبوی بد بودہ وبد اندیشیدہ وحق ایشان را پامال کردہ وبایشاں براہ محبت وصدق عقیدت نیست ونبودہ نگاہدارد وما را، ومحبان ما را در زمرہ محبان ایشان

محشور گرداند، و در دنیا و آخرت بر دین و کیش ایشان دارد، بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد بمنہ وکرمہ وہو قریب مجیب۔ آمین!'' (ص ۱۷ طبع مجتبائی دہلی)

اور مختصر یہ کہ ہمارے نزدیک تمام انسانوں میں مبغوض ترین ہے جو کام کہ اس بدبخت منحوس نے اس امت میں کئے ہیں کسی نے نہیں کئے۔ حضرت امام حسینؓ کو قتل کرنے اور اہل بیت کی اہانت کے بعد اس نے مدینہ پاک کو تباہ و برباد کرنے اور اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ اور تابعین وہاں باقی رہ گئے تھے، اُن کو قتل کرنے کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ کو منہدم کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر اس اثناء میں جب کہ مکہ معظمہ محاصرہ کی حالت میں تھا، دنیا سے جہنم میں چلا گیا۔ باقی رہا یہ احتمال کہ شاید اس نے توبہ اور رجوع کر لیا ہو یہ خدا جانے۔ حق تعالیٰ ہمارے اور سب مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اس کے اعوان و انصار کی محبت اور دوستی سے بلکہ ہر اس شخص کی محبت اور دوستی سے کہ جس کا اہل بیت نبوی سے برابر تاؤ رہا یا جس نے بھی اُن کے حق میں برا سوچا اور ان کے حق کو پامال کیا نیز جس کو بھی ان کے ساتھ محبت اور صدق عقیدت نہیں ہے یا نہیں تھی، ان سب کی محبت اور دوستی سے محفوظ رکھے اور ہمارا اور ہم سے محبت رکھنے والوں کا ان حضرات کے محبین میں حشر فرمائے اور دنیا اور آخرت میں ان ہی حضرات کے دین و مذہب پر رکھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد کے طفیل اپنے فضل و کرم سے ہماری یہ دعا قبول فرمائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ آمین!

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ کے ''مبحث فتن'' میں حدیث ثم ینشأ دعاۃ الضلال (کہ پھر گمراہی کی طرف دعوت دینے والے پیدا ہوں گے) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ودعاۃ الضلال یزید بالشام و مختار بالعراق

اور ضلالت کے داعی شام میں یزید اور عراق میں مختار تھے۔

اور بحث مناقب میں فرماتے ہیں:

ومن القرون الفاضلة اتفاقاً من هو منافق أو فاسق ومنها الحجاج ویزید بن معاویه ومختار

اور قرون فاضلہ یعنی اُن صدیوں میں بھی کہ جن کی فضیلت حدیث میں وارد ہے۔ بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے کہ جو منافق یا فاسق تھے اور ان ہی میں حجاج اور یزید بن معاویہ اور مختار کا شمار ہے۔

یہ تو ہوا اجمالی جواب اور اب تفصیل سے نمبر وار اپنے شبہات کے جوابات ملاحظہ کیجئے۔

ناصبیوں کے شبہات کے تفصیلی جوابات

(۱) پہلا شبہ

جو مستفتی کو پیش آیا ہے، وہ یہ ہے کہ جنگ قسطنطنیہ کے سلسلہ میں بخاری شریف میں حسب ذیل دو روایتیں مذکور ہیں:

(الف) اوّل جیش من أمتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم.

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا، اس کی مغفرت کردی گئی ہے۔

(ب) قال محمود بن الربیع فحدثتها قوما فیهم ابو ایوب الانصاری صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوة التی توفی فیها ویزید بن معاویه علیهم بارض الروم

محمود بن ربیع کا بیان ہے کہ پھر میں نے اس کا ذکر کچھ لوگوں کے سامنے کیا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے۔ یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے کہ جس میں حضرت ابوایوب انصاری کی وفات ہوئی اور یزید بن معاویہ روم میں اس وقت فوج کا امیر تھا۔

غرض! یزید جس لشکر کا کمانڈر تھا، اس لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر مستفتی دوسری حدیث پر غور کرتے تو سرے سے یہ اشکال ہی پیش نہ آتا۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فإنّ اللہ قد حَرَّمَ عَلَی النَّار من قال لا الہ الا اللہ یبتغی بذالك وجہ اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ کو حرام کر دیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے لا الہ الا اللہ کہا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ صدق دل سے لا اللہ الا اللہ کہنے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرے۔ یہ نہیں کہ بس ایک مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو سو خون معاف ہو جائیں۔ اب جو چاہے کرتا پھرے۔ تعجب ہے کہ مستفتی نے یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں نہیں پیش کیا۔ حالانکہ غزوہ قسطنطنیہ کی حدیث میں تو صرف ''مغفور لہم'' کے الفاظ ہیں اور اس حدیث میں صراحۃً دوزخ کے حرام ہونے کی تصریح ہے۔ پس جو تاویل یا تشریح حدیث مذکور (ب) کی ہوگی، وہی تشریح حدیث مذکور (الف) کی ہونی چاہئے۔

احادیث کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے اعمال خیر پر مغفرت کی بشارت ہے اور اس کا مطلب آج تک کسی عالم کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ بس اس عمل خیر کے بعد جنتی ہونا لازمی ہے اور اب ظلم کی کھلی چھٹی ہے۔ جو چاہے کرے جنت اس کے لئے واجب ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کسی شخص کا نام لے کر اُسے جنتی کہنا اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر جنت یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جنتی فرمایا ہے، لیکن یزید کا نام لے کر اس کو جنتی ہونے کی بشارت کہیں نہیں دی گئی۔ کسی روایت کے عموم میں داخل ہونا اور چیز ہے اور کسی بشارت میں مخصوص طور پر

نامزد ہونا اور بات ہے۔ بے شک اس حدیث میں غازیان مدینہ قیصر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے جیسا کہ غازیان ہند کے لئے، لیکن اس سے ہر غازی کا اس وقت تک جنتی ہونا لازم نہیں آتا جب تک کہ اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم نہ ہو۔ یہ صحیح ہے کہ یزید غزوہ قسطنطنیہ میں شریک ہوا لیکن اس غزوہ میں شرکت کے بعد جب اس کو اقتدار نصیب ہوا تو اس کے بیشتر اعمال ایسے تھے جو لعنت ہی کے موجب تھے۔

البتہ خود یزید نے اپنی خوش فہمی سے حدیث کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا گیا تو پھر گناہوں کی کھلی چھٹی ہے اور جس طرح کفر کے بعد کوئی طاعت مقبول نہیں، اسی طرح ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی۔ یہی مرجیہ کا مذہب ہے جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' میں جہاں مسند احمد کی یہ دو روایتیں نقل کی ہیں:

(۱) یزید بن معاویہ اس لشکر کا امیر تھا جس کے غازیوں میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے اور جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو یزید ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ''جب میں مرجاؤں تو لوگوں کو میرا سلام کہنا اور اُن کو یہ بتا دینا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ:

من مات لا یشرك باللہ شیئًا دخل الجنة

جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ممدوح نے وفات کے وقت فرمایا:

قد کنت کتمت عنکم شیئًا سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سمعته یقول: لولا انکم تذنبون لخلق اللہ قوماً یذنبون فیغفر لهم

میں نے تم سے ابھی تک ایک حدیث چھپا رکھی تھی جو میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے ہوتے تو البتہ حق تعالیٰ ایسی قوم پیدا کرتا کہ جو گناہ کرتی اور پھر حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا۔

ان هذا الهديث والذين قبله هو الذى حمل يزيد بن معاوية على طرف من الارجاء و ركب بسببه افعالا كثيرة انكرت عليه كما سنذكره فى ترجمته والله تعالى اعلم! (ج ۸ ص ۵۹)

وہاں ان دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث جو گزری، اسی نے یزید بن معاویہ کو ارجاء کی طرف ڈال دیا اور اس کے باعث اس نے ایسے بہت سے کام کر ڈالے جن کی بناء پر اس پر نکیر کی گئی جیسا کہ اس کے تذکرہ میں عنقریب ذکر کریں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

اب اگر سائل بھی یزید کی طرح اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور مرجیہ کے مذہب میں داخل ہے تو اس کو دوسری حدیث ہی یزید کی فضیلت کے لئے کافی ہے کہ چونکہ وہ کلمہ گو تھا، اس لئے ایمان لانے کے بعد اب کسی گناہ پر اس کی پکڑ نہیں ہوسکتی، سب گناہ معاف ہیں۔ شیعیان بنی امیہ کا بھی یہ مذہب تھا کہ: ''امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول ہیں اور گناہ سب معاف۔ اس کی اطاعت طاعت و معصیت دونوں میں واجب ہے اور اگر سائل اہل سنت میں داخل ہے تو جو تاویل اس حدیث کی ہوگی، وہی حدیث غزوہ قسطنطنیہ کی ہوگی۔

پھر حدیث اوّل میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کے لئے تصحیح نیت ضروری ہے، یعنی جو جہاد بھی کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہو اور اپنے ذوق وشوق سے ہو۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے دباؤ میں آکر نا خوش دلی سے جنگ میں شریک ہو جائے، اور صرف امارت کے خیال سے روانہ ہو جائے۔ یزید کے ساتھ یہی صورت ہوئی کہ وہ اس جہاد میں شریک

ہونے کے لئے بالکل تیار نہ تھا، اور جہاں تک بن سکا، اس نے ٹال مٹول کی کوشش کی بلکہ جب مجاہدین کرام محاذ پر تھے اور وہاں مختلف قسم کی مشقتیں برداشت کر رہے تھے، وہ اور قحط میں مبتلاء تھے تو یہ بڑے ٹھاٹھ سے اپنے عشرت کدہ میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا اور مجاہدین کا مذاق اڑا رہا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو آپ نے سختی کے ساتھ حکم دے کر بغیر اس کو محاذ پر روانہ کیا۔ اس سارے واقعہ کی تفصیل تاریخ ابن خلدون (ج ۳ ص ۲۰) اور کامل ابن اثیر میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ مؤرخ ابن الاثیر ۴۹ھ کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی هذه السنة وقیل سنة خمسین سیر معاویة جیشًا کثیفا الی بلاد الروم للغزاة وجعل علیهم سفیان بن عوف وامر ابنه یزید بالغزاة معهم فتثاقل واعتل فامسك عنه ابو فاصاب الناس شدید فانشد یزید یقول ما ان ابالی بما لاقت جموعهم بالغذ قدونة من حمی ومن موم إذا اتکات علی انماط مرتفعاً بدیر مران عندی ام کلثوم وام کلثوم امرأته هی ابنة عبدالله بن عامر فبلغ معاویة شعرة فاقسم علیه لیلحقن بسفیان فی ارض الروم لیصیبه ما اصاب الناس فسار و معه جمع کثیرا اضافهم الیه ابوه وکان فی هذا الجیش ابن عباس وابن عمر وابن الزبیر وابوایوب الانصاری وغیرهم. وعبدالعزیز بن زراة الکلابی فاوغلوا فی بلاد الروم حتی بلغوا القسطنطنیة.. (کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۱، ۱۸۲)

اور اس سنہ میں اور یہ بھی کہا گیا کہ ۵۰ھ میں حضرت معاویہ نے جہاد کے لئے ایک بڑا بھاری لشکر بلاد روم کی طرف روانہ کیا اور اس لشکر کا امیر سفیان بن عوف کو مقرر کیا، اور اپنے بیٹے یزید کو بھی اس غزوہ میں شرکت کا حکم دیا۔ مگر یزید نے تعمیل حکم میں گرانی محسوس کی اور بہانہ کر دیا سستی کی اور معذرت کر دی۔ یہ دیکھ کر اس کے والد

نے بھی اُس کو رہنے دیا۔ وہاں جنگ میں لوگ بھوک اور شدید مرض کا شکار ہوئے تو یزید نے یہ شعر کہے: مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ غذقدونہ (قسطنطنیہ کے قرب وجوار میں ایک مقام کا نام تھا) میں مسلم مجاہدین (روم میں مسلمانوں کا فوجی کیمپ) کے دستہائے فوج کو بخار اور چیچک کا سامنا ہے جب کہ میں دیر مران میں گدوں پر اونچے اونچے تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں اور میرے سامنے اُم کلثوم ہے۔

ام کلثوم یزید کی بیوی عبداللہ بن عامر کی بیٹی تھی۔ حضرت معاویہؓ کو جب اس کے ان اشعار کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اُس کو قسم دے کر بتاکید کہا کہ اُسے روم میں سفیان کے پاس پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ لوگ جس مصیبت میں گرفتار ہیں، یہ بھی گرفتار ہو۔ اب جو یہ روانہ ہوا تو اس کے والد ماجد نے ایک انبوہ کثیر کا اس کے ساتھ اور اضافہ کر دیا۔ اسی لشکر میں حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی تھے اور عبدالعزیز بن زرارہ کلابی بھی۔ چنانچہ یہ لوگ بلاد روم میں گھستے ہی چلے گئے تا آنکہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

یہ ہے یزید کے غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کی حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یزید سیر وشکار، شعر وشاعری، غنا اور موسیقی کا متوالا تھا۔ وہ جہاد کے جھنجھٹ میں نہ اپنے والد ماجد کی زندگی میں پڑنا چاہتا تھا، اور نہ اپنے ایام خلافت میں۔ چنانچہ عہدہ خلافت کے سنبھالنے پر سب سے پہلا خطبہ جو اس نے دیا، وہ یہ تھا:

ان معاویة کان یغزیکم فی البحر وانی لست حاملاً احداً من المسلمین فی البحر وإن معاویة کان یشتیکم بارض الروم ولست مشتیاً احداً بارض الروم وان معاویه کان یخرج لکم العطاء أثلاثا وانا اجمعه لکم کله (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۳)

بے شک معاویہ تم کو بحری جہاد کی مہم پر بھیجا کرتے تھے، مگر میں کسی مسلمان کو بحری مہم پر بھیجنے کا روادار نہیں اور بے شک معاویہ تم کو روم میں موسم سرما میں جہاد

پر روانہ کیا کرتے تھے مگر میں کسی کو سردیوں میں روم کی سرزمین پر جہاد کرنے کے لئے نہیں بھیجوں گا اور بے شک معاویہ تمہیں تمہارا وظیفہ سال میں تین قسطوں میں دیا کرتے تھے، میں تم کو اکٹھا یکبارگی دیا کروں گا۔

بس پھر کیا تھا، یہ خوشخبری سن کر حاضرین دربار یزید سے اس حال میں لوٹے کہ: ''وھم لا یفضلون علیه احداً'' وہ یزید سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے[1]

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یزید کی شرکت غزوہ قسطنطنیہ میں کس بناء پر تھی۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ وہ خالصاً مخلصاً اپنے شوق سے بغیر

---

[1] اس آخری جملہ پر ''حیات سیدنا یزید'' کے مصنف نے جو حاشیہ چڑھایا ہے، پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سیدنا یزید اپنے والد ماجد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امیر المومنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ دے کر فارغ ہوئے تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہمعصر تابعین کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا: ''فافترق الناس عنه وهم لا یفضلون علیه أحداً'' (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۳)

لوگ تقریر سن کر ان کے پاس سے گئے تو اُن کا یہ حال تھا کہ وہ سیدنا یزید پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔'' اسلامی خلافت کے مرکزی شہر، دمشق میں اس عظیم اجتماع کے موقع پر سیدنا یزید کے ساتھ عوام وخواص کی جانب سے پسندیدگی وعقیدت کا یہ اظہار، صرف اس لئے نہ تھا کہ علم وعدل کے پیکر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابدی جدائی پر الم انگیز تقریر کے الفاظ نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا بلکہ اعتماد ومحبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ وہ حضرات صحابہ وتابعین کرام تھے جنہوں نے بچپن سے لے کر جوانی کی موجودہ منزل تک امیر یزید کے شب وروز کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دینی ماحول میں ہوش سنبھالنے والا یہ باصلاحیت اور صاحب کردار نوجوان مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت وامارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔ انہیں سیدنا یزید کی شخصیت میں ایک ایسے قائد اور خلیفہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی جو فاروقی عزم وارادہ کے ساتھ متعدد مرتبہ قائدانہ صلاحیت کے وہ غیر فانی نقوش ثبت کر چکا تھا جن کی یاد اور جذبہ تشکر نے چھوٹے بڑے تمام ہمعصر حضرات کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیدنا یزید کی خدمت میں عقیدت ومحبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں کہ: ''لا یفضلون علیه احداً'' (ص ۴۷، ۴۸، شائع کردہ مجلس عثمان غنی کراچی)

اپنے والد ماجد کے حکم کے اس غزوہ میں شریک ہوا، تب بھی یہ بشارت مغفرت اس شرط کے ساتھ مخصوص ہوگی کہ پھر اس سے زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہوئے ہوں کہ جن سے مغفرت کی بجائے الٹا لعنت خداوندی میں گرفتار ہو جائے۔ کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ: ''العبرۃ بالخواتیم'' یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے۔

اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تراجم ابواب بخاری میں فرمایا ہے کہ:

قوله مغفور لهم تمسك بعض الناس بهذا الحديث فى نجاة يزيد لانه كان من جملة هذا الجيش الثانى بل كان رأسهم و رئيسهم على ما يشهد به التواريخ والصحيح انه لا يثبت بهذا الحديث الا كونه مغفوراً له ما تقدم من ذنبه على هذا الغزوة لأن الجهاد شان الكفارات ازالة آثار الذنوب السابقة عليها لا الواقعة بعدها نعم لو كان مع هذا الكلام انه مغفور له إلى يوم القيمه لدل على نجاته و اذ ليس فليس بل امرهٗ مفوض الى الله تعالى فيما ارتكبه من القبائح بعد هذه الغزوه من قتل الحسين عليه السلام و تخريب المدينة والاصرار على شرب الخمر ان شاء عفا عنه و ان شاء عذبه كما هو مطرد فى حق سائر العصاة على ان الاحاديث الواردة فى شان من استخف بالعترة الطاهرة والملحد فى الحرم و المبدل للسنة تبقى مخصصات لهذا العموم لو فرض شموله لجميع الذنوب!

(شرح تراجم ابواب البخاری (ص ۳۱، ۳۲) شائع کردہ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس حدیث میں مغفور لہم فرمانے سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ بھی اس دوسرے لشکر میں نہ صرف شریک بلکہ اس کا افسر و سربراہ تھا جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے جو اس نے گناہ کئے

تھے وہ بخش دیئے گئے۔ کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں، بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو نہیں۔ ہاں! اگر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہوتا کہ قیامت تک کے لئے اس کی بخشش کر دی گئی ہے تو بے شک یہ حدیث اس کی نجات پر دلالت کرتی اور جب یہ صورت نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں بلکہ اس صورت میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے اور اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب ہوا ہے۔ یعنی حضرت حسینؓ کو قتل کرنا، مدینہ طیبہ کو تاراج و برباد کرنا، مے خواری پر اصرار کرنا، ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو عذاب دے، جیسا کہ تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی طریقہ جاری ہے۔ علاوہ ازیں وہ احادیث جو ان لوگوں کے بارے میں آئی ہیں کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عترت طاہرہ کی ناقدری کرتے اور حرم کی حرمت کو پامال کرتے اور سنت نبوی کو بدل ڈالتے ہیں وہ سب حدیثیں بالفرض اس حدیث میں اگر مغفرت عام بھی مراد لی جائے، جب بھی اس کے عموم کی تخصیص کے لئے باقی رہیں گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

ستة لعنتهم ولعنهم الله وكل نبي مجاب الزائد في كتاب الله، والمكذب بقدر الله تعالى والمتسلط بالجبروت فيعز بذالك من اذل الله ويذل من اعز الله والمستحل لحرم الله. والمستحل من عترتي ما حرم الله والتارك لسنتي (ت.ك. عن عائشه ك عن ابن عمر)

(الفتح الكبير في ضم الزياداه الى الجامع الصغير از یوسف نبہانی ج ۲ ص ۱۵۵، مطبوعہ مصر)

چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور حق تعالیٰ نے بھی اُن پر لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہے:

(۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔

(۲) تقدیر الٰہی کی تکذیب کرنے والا۔

(۳) جبر وزور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اُسے اعزاز بخشنے والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرنے والا۔

(۴) حرم الٰہی کی حرمت کو پامال کرنے والا۔

(۵) میری عزت کی جو حرمت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے، اس کو حلال کر دینے والا۔

(۶) میری سنت کا تارک۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ سے روایت کیا، نیز حاکم نے اس کو حضرت ابن عمر کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔

اسی حدیث کو مشکوۃ شریف میں بھی باب الایمان بالقدر'' کی'' فصل ثانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے کہ:

رواہ البیہقی فی المدخل ورزین فی کتابہ

اس حدیث کو بیہقی نے المدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

یہ تو نہیں معلوم کہ یزید تقدیر کا بھی منکر تھا یا نہیں مگر باقی چاروں عیب اس میں موجود تھے۔

۱..... وہ دھونس دباؤ اور جبر وزور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔ اہل بیت نبوی صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معزز ترین خلائق ہیں۔ ان کی توہین و تذلیل کرنے میں اُس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، مفسدین اور شریر لوگ جنہوں نے حرمین محترمین پر چڑھائی کی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جسے عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، مجرم بن عقبہ، حصین بن نمیر وغیرہ ایسے خبیث اور ظالم افراد اس کے نزدیک معزز و محترم تھے۔

۲..... اس نے حرم الٰہی کی حرمت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھا۔

۳..... عترت پیغمبر علیہ السلام کی عزت کو خاک میں ملایا اور

۴..... تارک سنت تو تھا ہی۔

بہر حال یہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یزید اس بشارت میں شامل تھا جو غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے حق میں وارد ہے، تب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے اب تک کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔'' یہ غزوہ مؤرخین کے بیان کے مطابق ۴۹ھ یا بعض کی تصریح کے مطابق ۵۰ یا ۵۱ھ میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کے بعد یزید تقریباً ۱۲-۱۴ سال تک زندہ رہا اور اس مدت میں اس نے جو جو برائیاں کیں اور جن جن قبائح کا ارتکاب کیا ہے اُن میں اس کی مے نوشی، شہدائے کربلا کا بے دردانہ قتل، مدینہ منورہ کی تاراجی اور بربادی اور وہاں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام اور پھر حرم بیت اللہ پر اس کی فوجوں کی چڑھائی وغیرہ، ان سب گناہوں کے کفارہ کی آخر کیا صورت ہوگی۔ غزوہ قسطنطنیہ کے بعد یزید سے جو حرکات ناشائستہ سرزد ہوئی ہیں، اُن کا مختصر سا جائزہ امام ابن حزم ظاہری کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

یزید امیر المومنین یہ اسلام میں برے کرتوتوں کا کرنے والا رہا ہے۔ اس نے اپنے اقتدار کے آخری دور میں حرہ کے دن (حرہ اس مقام کا نام ہے جہاں انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی تھی) اہل مدینہ کا قتل عام کیا۔ ان کے بہترین افراد اور بقیہ صحابہ کرام کو (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) قتل کیا اور اپنی سلطنت کے اوائل میں حضرت حسینؓ اور اُن کے اہل بیت کو قتل کیا اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا۔ کعبہ شریف اور اسلام کی بے حرمتی کی۔ پھر حق تعالیٰ نے ان ہی دنوں میں اس کو مار ڈالا۔ اس نے اپنے باپ کے زمانے میں قسطنطنیہ پر جنگ بھی کی اور اس کا محاصرہ بھی کیا۔

دولته وقتل الحسين رضی ویزید امیر المؤمنین وکان قبیح الآثار فی الاسلام قتل اهل المدینه وافاضل الناس وبقیة الصحابة رضی الله عنهم یوم الحرة فی آخر الله عنه واهل بیته فی اوّل دولته وحاصر ابن الزبیر رضی الله عنه فی المسجد الحرام و استخف بحرمة

الكعبة والاسلام فاماته الله فى تلك الايام وقد كان غزا فى ايام أبيه القسطنطينية وحاصرها.

اور اپنی دوسری تصنیف ''اسماء الخلفا والولاۃ وذکر مددھم'' میں ارقام فرماتے ہیں:

وبويع يزيد بن معاوية اذ مات ابوه يكنى ابا خالد وامتنع من بيعته الحسين بن على بن ابى طالب وعبدالله بن الزبير بن العوام: فاما الحسين عليه السلام والرحمة فنهض الى الكوفة فقتل قبل دخولها. وهو ثالثة مصائب الاسلام بعد امير المومنين عثمان أو رابعها بعد عمر بن الخطاب رضى الله عنه وخرومه لان المسلمين استضيموا فى قتله ظلماً علانية واما عبدالله بن الزبير فاستجار بمكة فبقى هنالك إلى ان اغزى يزيد الجيوش الى رسول الله صلى الله عليه وسلم والى مكة حرم الله تعالى. فقتل بقايا المهاجرين والانصار يوم الحرّة وهى ايضا اكبر مصائب الاسلام الجيوش الى المدينه حرم و خرومه لان افاضل المسلمين وبقية الصحابة وخيار المسلمين من اجلة التابعين فتدوا جهراً ظلماً فى الحرب وصبراً وجالت الخيل فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم وراثت و بالت فى الروضة بين القبر والمنبر ولم تصل جماعة فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم ولا كان فيه أحد حاشا سعيد بن المسيب فانه لم يفارق المسجد. و لو لا شهادة عمرو بن عثمان بن عفان و مروان بن الحكم عند مجرم بن عقبة المرى بانه مجنون لقتله واكره الناس على ان يبايعوا يزيد بن معاوية على انهم عبيد له. ان شاء باع وان شاء اعتق. وذكر له بعضهم البيعة على حكم القرآن وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فامر بقتله فضرب عنقه صبوا هنك مسرف او مجرم الاسلام هتكاً وانهب

المدينة ثلاثاً و استخف با صحابه رسول الله صلى الله عليه وسلم ومدت الأيدى اليهم و انتهبت دورهم وانتقل هؤلا إلى مكة شرفها الله تعالىٰ فحو صرت و رمى البيت بحجارة المنجنيق تولى ذالك الحصين بن نمير السكونى فى جيوش اهل الشام وذالك لان مجرم بن عقبة المرى مات بعد وقعة الحرة بثلاث ليال و ولى مكانه الحصين بن نمير. واخذ الله تعالى يزيد اخذ عزيز مقتدر فمات بعد الحرّة باقل من ثلاثة اشهر وا زيد من شهرين وانصرفت الجيوش عن مكة. ومات يزيد فى نصف ربيع الأوّل سنة اربع وستين وله نيف وثلاثون سنة امه ميسون بنت بحدل الكلبية وكانت مدته ثلاث سنين وثمانيه اشهر وايام فقط. (ص ۳۵۷، ۳۵۸ طبع مصر لمحقہ بجوامع السیرۃ لابن حزم)

یزید بن معاویہ سے اس کے والد کے انتقال ہونے پر بیعت کی گئی۔ اس کی کنیت ابو خالد تھی۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن زبیر بن العوامؓ نے اس کی بیعت سے انکار کیا۔ پھر حضرت حسین علیہ السلام والرحمہ تو کوفہ کی طرف نہضت فرما ہو گئے اور کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ کو شہید کر ڈالا گیا۔ آپ کی شہادت امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلام میں تیسری مصیبت اور حضرت عمر بن خطابؓ کی شہادت کے بعد چوتھی مصیبت اور اسلام میں رخنہ اندازی ہے، کیونکہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے مسلمانوں پر علانیہ ظلم توڑا گیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ معظمہ جا کر جوار الٰہی میں پناہ لی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ تا آنکہ یزید نے مدینہ نبوی حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ معظمہ کی طرف جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے، اپنی فوجیں لڑنے کے لئے بھیجیں۔ چنانچہ حرہ کی جنگ میں مہاجرین اور انصار جو باقی رہ گئے تھے ان کا قتل عام کیا۔

یہ حادثہ فاجعہ بھی اسلام کے بڑے مصائب اور اس میں رخنہ اندازی میں شمار ہوتا ہے کیونکہ فاضل مسلمین، بقیہ صحابہ اور اکابر تابعین میں بہترین مسلمان اس

جنگ میں کھلے دہاڑے ظلماً قتل کردئے گئے اور گرفتار کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔ یزیدی لشکر کے گھوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جولانی دکھاتے رہے، اور ''ریاض الجنہ'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور آپ کے منبر مبارک کے درمیان لید کرتے اور پیشاب کرتے رہے۔ ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک نماز کی بھی جماعت نہ ہوسکی اور نہ بجز حضرت سعید بن المسیب کے وہاں کوئی فرد موجود تھا۔ انہوں نے مسجد نبوی کو بالکل نہ چھوڑا۔ اگر عمرو بن عثمان بن عفان اور مروان بن الحکم (یزید کے سالار لشکر) مجرم (مسلم) بن عقبہ کے سامنے یہ شہادت نہ دیتے کہ یہ تو دیوانہ ہے تو وہ ان کو بھی ضرور مار ڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ اس کے غلام ہیں۔ چاہے وہ ان کو بیچے چاہے ان کو آزاد کرے اور جب اس کے سامنے ایک صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بیعت کرتے ہیں تو اس نے ان کے قتل کا حکم دے دیا اور ان کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس مصرف یا (مجرم مسلم بن عقبہ) نے اسلام کی بڑی بے عزتی کی، مدینہ منورہ میں تین دن برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ذلیل کیا گیا۔ ان پر دست درازی کی گئی۔ ان کے گھروں کو لوٹا گیا۔ (مدینہ طیبہ کو تباہ وتاراج کرنے کے بعد) یہ فوج مکہ معظمہ شرفہا اللہ تعالیٰ کی طرف چل پڑی۔ وہاں جا کر مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا گیا اور بیت اللہ پر منجنیق سے سنگباری کی گئی۔ یہ کام حصین بن نمیر کی سرکردگی میں شام کے لشکروں نے انجام دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ مجرم بن عقبہ مری کو تو جنگ حرہ کے تین دن بعد ہی موت نے آدبوچا تھا اور اب اس کی جگہ سالار لشکر حصین بن نمیر ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یزید کو بھی اسی طرح دھر پکڑا جس طرح وہ غالب قدرت والا پکڑا کرتا ہے۔

چنانچہ وہ بھی واقعہ حرہ کے بعد تین ماہ سے کم اور دو ماہ سے زائد کی مدت میں موت کے منہ میں چلا گیا اور یزیدی لشکر مکہ معظمہ سے واپس چلے گئے۔ یزید کی

موت ۱۵ ربیع الاوّل ۶۴ ہجری کو واقع ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر کچھ اوپر تیس سال تھی۔ اس کی ماں کا نام میسون بنت بحدل کلبیہ تھا۔ یزید کی مدت حکمرانی کل تین سال آٹھ ماہ کچھ دن تھی۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ: اوّل تو یزید غزوہ قسطنطنیہ میں بخوشی خاطر شریک ہی نہیں ہوا، جو وہ اس بشارت کا مستحق ہو اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود دل سے اس غزوہ میں شریک ہوا تھا، تب بھی اس بشارت مغفرت کا تعلق اس کے ان گناہوں سے ہوگا جو اب تک اس سے سرزد ہوئے تھے اور جو معاصی اور جرائم اس غزوہ قسطنطنیہ میں شریک ہونے کے بعد اس سے سرزد ہوئے ہیں، ان کی مغفرت کا اس بشارت سے کوئی تعلق نہیں، وہ اس کے ذمہ باقی ہیں اور اگر کسی کج فہم کو اب بھی اس پر اصرار ہو کہ حدیث میں مذکور مغفرت کا تعلق اس کے تمام اگلے پچھلے گناہوں سے ہے اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والے ہر ہر فرد کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں اور مذکورہ مغفرت سے ہر فرد کی مغفرت عام مراد ہے تو یہ محض غلط ہے اور اس مغفرت کے عموم کی تخصیص کے لئے وہ حدیث کافی ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے اور اس کی روشنی میں یزید کے سیاہ کارناموں کی تفصیل بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ایسے نابکار کے جنتی ہونے پر اصرار کرنا کس قدر شدید غلطی ہے۔ ناصبیوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ممدوح یزید کو خلیفہ راشد مانیں، اس کے جنتی ہونے کا اعتقاد رکھیں بلکہ جیسا کہ بعض جاہل ناصبیوں کا عقیدہ تھا اس کو صحابی سمجھیں یا اس کی نبوت کا اقرار کریں[1] لیکن اہل حق میں سے کوئی

---

[1] (حافظ ابن تیمیہ منہاج السنۃ لکھتے ہیں۔ فطائفة من الجهال يظنون يزيد هذا من الصحابة وبعض غلاتهم يجعله من الانبيا (ج ۴ ص ۱۷۹ مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۲۲ھ)

ناصبی جاہلوں کی ایک جماعت اس بزید کو صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناصبی اس کو نبی بھی مانتے ہیں۔ غنیمت ہے ہمارے دور کے ناصبی ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے بلکہ وہ یزید کو صرف "خلیفہ راشد" سمجھتے ہیں اور سیدنا کہہ کر اس کی خدمت میں آداب بجالاتے ہیں۔

شخص بحالت صحت ہوش جو اس یزید کے ان سیاہ کارناموں کے باوجود اس کے جنتی ہونے کی کیسے شہادت دے سکتا ہے۔

یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہوسکتا ہے

ہاں! علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ ہر فاسق کی سرکردگی میں جہاد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

و فیه مشروعیة الجهاد مع کل امام لتضمنة الثناء علی من غزا ''مدینة قیصر'' وکان امیر تلك الغزوة یزید بن معاویة ویزید یزید.. (فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۵)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاد ہر حکمران کی معیت میں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ حدیث غازیان شہر قیصر کی تعریف پر مشتمل ہے۔ حالانکہ اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا اور یزید تو یزید ہی تھا (کہ اس کی نابکاری و نالائقی معلوم خاص و عام ہے)

اور امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

و قد کان اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یغزون بعد الخلفاء الاربعه مع الامراء الفساق و غزا ابو ایوب الانصاری مع یزید اللعین.. (ج ۳ ص ۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خلفاء اربعہ کے بعد فاسق امراء کے ساتھ بھی جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید لعین کی معیت میں بھی جہاد فرمایا ہے۔

مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ نہیں، بلکہ حمص ہے اور یاد رہے کہ یہ ساری بحث اس صورت میں ہے کہ ہم اس حدیث میں جو مدینہ قیصر کے الفاظ آتے ہیں اس سے قسطنطنیہ ہی مراد لیں ورنہ اگر ''مدینہ قیصر'' سے وہ شہر مراد لیا جائے کہ جو اس وقت ''قیصر'' کا دار السلطنت تھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک

پر بشارت کے یہ الفاظ تھے تو ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ'' نہیں بلکہ ''حمص'' ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

بعضے تجویز کندہ کہ مراد بمدینہ قیصر مدینہ باشد کہ قیصر در آنجا بود روزے کہ فرمود این حدیث را آنحضرت و آن حمص است کہ در آن وقت دار مملکت او بود، واللہ اعلم!

(شرح فارسی صحیح بخاری از شیخ الاسلام مطبوعہ بر حاشیہ تعبیر القاری ج ۲ ص ۶۶۹ مطبع علوی لکھنو ۱۳۰۲ھ)

اور بعض علماء کی تجویز یہ ہے کہ ''شہر قیصر'' سے مراد وہی شہر ہے کہ جہاں قیصر اس روز تھا کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی اور یہ شہر حمص'' تھا جو اس وقت قیصر کا دار السلطنت تھا۔ واللہ اعلم!

اب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ اس وقت قیصر کا دار السلطنت ''حمص'' نہیں بلکہ قسطنطنیہ ہی تھا اور اس عہد میں جب بھی مدینہ قیصر کے الفاظ استعمال ہوتے تھے اس سے مراد شہر قسطنطنیہ ہی لیا جاتا تھا پھر اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے لغت، عرف، اشعار عرب اور آثار و احادیث سے سند لانا ضروری ہے محض دعویٰ سے کام نہیں چلتا۔

صحیح بخاری میں یزید کی مذمت میں حدیثیں

یہ بھی واضح رہے کہ: ''صحیح بخاری میں یزید کے بارے میں بس یہ ایک حدیث نہیں ہے کہ جس کو مستفتی نے استفتاء میں درج کر دیا ہے بلکہ اور بھی متعدد روایات موجود ہیں جن میں یزید کی بدکرداری اور بداطواری کی پوری طرح نشاندہی کر دی گئی ہے۔ یزید کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ان روایات کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:

پہلی حدیث:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حفظت عن رسول اللہ ﷺ وعائین فاما احدھما فبثثته واما الاخر فلو بششته قطع ھذا البلعوم (صحیح بخاری، باب حفظ العلم)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ظرف علم یاد کئے ہیں (یعنی دونوع کا علم حفظ کیا ہے) ان میں سے ایک کی تو نشر واشاعت کردی ہے اور جو دوسرے کی اشاعت کروں تو یہ نرخرا کاٹ ڈالا جائے۔

یہ دوسری نوع کا علم جس کی نشرواشاعت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر گریز فرمایا کہ وہ اگر زبان پر لاؤں تو یہ سر قلم کر دیا جائے، کیا تھا؟ اس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں:

المراد به علی الصحیح من أقوال العلماء علم الفتن والواقعات التی وقعت بعد وفاته علیه السلام من شهادة عثمان وشهادة الحسین وغیر ذالك وکان یخافه فی افشائها وتعین اسماء أصحابها من غلمان بنی امیة وفتیاتهما (شرح تراجم ابواب البخاری باب مذکور)

اقوال علماء میں سے صحیح قول کے مطابق اس سے مراد ان فتن اور واقعات کا علم ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہوئے جیسے حضرت عثمان اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت وغیرہ کے واقعات ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان واقعات کے افشاء کرنے اور ان فتنہ گروں کے ناموں کے بتانے سے اس لئے ڈرتے تھے کہ کہیں بنی امیہ کے لونڈے اور ان کی نوخیز نسل اس سے برہم ہو کر ان کو قتل نہ کر ڈالے۔

اور علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں رقمطراز ہیں:

وابوھریرة اسلم عام خیبر فلم یصحب النبی صلی اللہ علیه وسلم إلا اقل من اربع سنین، وذالك الجراب لم یکن فیه شیئی من علم الدین، علم الایمان والامر و النهی وانما کان فیه الأخبار عن الأمور المستقبلة مثل الفتن التی جرت بین المسلمین فتنة الجمل وصفین وفتنة ابن الزبیر ومقتل الحسین ونحو ذالك (ج ۲ ص ۱۷۸)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ خیبر کے سال اسلام لائے اس لئے ان کو چار سال سے کم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس (ظرف) تھیلے میں علم دین، علم ایمان اور امر و نہی کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس میں تو صرف آئندہ ہونے والے واقعات کی خبریں تھیں۔ مثلاً ان فتنوں کا بیان تھا جو آگے چل کر مسلمانوں میں برپا ہوئے، جیسے جنگ جمل و جنگ صفین کا فتنہ، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان اور اس قسم کے واقعات۔

حضرت ابو ہریرہ کا دور یزید سے پناہ مانگنا

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وحمل العلما الوعاء الذی لم یبثه علی الاحادیث التی فیها تبیین أسامی امراء السوٴ واوالهم وزمنهم و قد کان ابوهریرة یکنی عن بعضه ولا یصرح به خوفاً علی نفسه منهم کقوله: اعوذ باللّٰه من رأس الستین وإمارة الصبیان" یشیر الی خلافة یزید بن معاویة لانها کانت سنة ستین من الهجرة واستجاب اللّٰه دعاء ابی هریرة فمات قبلها بسنة. (فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۳ طبع میریہ مصر ۱۳۰۰ھ)

اور علماء نے علم کے اس ظرف کو جس کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشاعت نہ کی ان احادیث پر محمول کیا ہے جن میں امراء سوء (بدکردار اور نابکار حاکموں) کے ناموں کی تفصیل، ان کے حالات اور زمانے کا بیان تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان نالائق حکمرانوں میں سے بعض کا ذکر اشارہ کنایہ میں کر دیا کرتے تھے مگر صراحت سے ان کا نام نہیں لیتے تھے کہ کہیں وہ ان کو جان سے نہ مار ڈالیں۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں اللہ تعالیٰ سے ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔'' یہ یزید بن معاویہ کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا کہ وہ ۶۰ھ میں قائم ہوئی اور حق تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا قبول بھی فرمائی۔ چنانچہ وہ یزید کے بادشاہ ہونے سے ایک سال پہلے ہی دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔

دوسری حدیث:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الصحیح'' میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں:

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلاك أمتی علی یدی أغیلمة من قریش...

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔

اور پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے:

حدثنا موسی بن اسمعیل حدثنا عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید قال اخبرنی جدی قال کنت جالساً مع ابی ھریرۃ فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ومعنا مروان قال ابوھریرۃ سمعت الصادق المصدوق یقول "ھلکۃ امتی علی یدی غلمۃ من قریش فقال مروان لعنۃ اللہ علیھم غلمۃ؛ فقال ابو ھریرۃ لوشئت ان اقول فلان و بنی فلان فعلت فکنت اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ملکوا بالشام فإذا راھم غلماناً احداثاً قال لنا عسی ھؤلاء ان یکونوا منھم قلنا انت اعلم.

عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان نے بتلایا کہ میں مدینہ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اس پر

مروان کی زبان سے نکلا خدا کی ان پر لعنت ہو، لونڈے ہوں گے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں بتانا چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔'' (عمرو کا بیان ہے کہ پھر میں اپنے دادا جان کے ساتھ جب بنی مروان کی حکومت شام پر قائم ہوئی تو ان کے یہاں جایا کرتا تھا اور دادا جان جب ان نوخیز لونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ غالباً یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تھا) ہم یہ سن کر کہتے آپ کو خوب معلوم ہے۔

میری امت کی تباہی قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے:

إن فساد امتی علی یدی غلمة سفهاء من قریش! (ج ۱۳ ص ۸)

میری امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔

لونڈوں کی حکومت کی کیفیت

اس ہلاکت اور فساد کی تشریح جس کا ذکر صحیح بخاری کی ان حدیثوں میں آپ کی نظر سے گزرا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو علی بن الجعد اور ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

ان الفاظ میں مذکور ہے:

اعوذ بالله من امارة الصبیان. قالوا وما امارة الصبیان؟ قال ان اطعتموهم هلکتم، وان عصیتموهم اهلکوکم

میں اللہ سے لونڈوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں۔ حاضرین نے عرض کیا: لونڈوں کی امارت کیا معنی؟ فرمایا یہ کہ اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ہلاک ہوئے (کہ دین برباد ہوا) اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر کے

چھوڑیں گے۔ (یعنی تمہیں جان سے مار ڈالیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں گے یا تمہاری جان و مال دونوں تباہ کر کے رکھ دیں گے)[1] (فتح الباری ج ۱۳ ص ۸)

نیز ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ:

ان أبا هريرة كان يمشي في السوق ويقول اللّٰهم لا تدركني سنة ستين ولا إمارة الصبيان. (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں جاتے جاتے یوں دعا کرنے لگتے: ''اے اللہ مجھے ۶۰ھ کا زمانہ نہ آنے پائے اور نہ لونڈوں کی امارت کا۔''

---

[1] آپ اب اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں شمر بن ذی الجوشن کا جو تذکرہ لکھا ہے وہ پڑھئے، فرماتے ہیں: شمر بن ذی الجوشن ابو السابقة الضبابي عن ابيه وعنه أبو اسحاق السبيعي ليس بأهل للرواية فانه احد قتلة الحسين (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وقد قتله أعوان المختار۔ روى ابوبكر بن عياش عن أبي اسحق قال كان شمر يصلي معنا ثم يقول: اللّٰهم انك تعلم اني شريف فاغفر لي قلت: كيف يغفر الله لك وقد اعنت على قتل ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ويحك فكيف نصنع؛ ان امرانا هولا امرونا بامر فلم نخالفهم ولو خالفناهم كنا شراً من هذه الحمر الشقاة. شمر بن ذي الجوشن ابو السابقہ ضبابی، اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابو اسحاق سبعی۔ یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔ کیونکہ یہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کا ایک فرد تھا۔ شمر کو مختار کے کارندوں نے قتل کیا، ابوبکر بن عیاش، ابو اسحاق سے راوی ہیں کہ شمر ہمارے ساتھ نماز پڑھتا اور پھر یوں دعا کرتا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں اس لئے مجھے بخش دے اس پر میں نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کیوں بخشے لگا تو نے تو ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل میں اعانت کی ہے۔ کہنے لگا: تجھ پر افسوس! پھر ہم کیا کریں۔ (ہمارا کیا بس تھا) ہمارے ان حاکموں نے ہمیں ایک حکم دیا تھا، ہم نے اس کی مخالفت نہ کی اور اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ان بدنصیب گدھوں سے بھی بدترین بن جاتے۔

قلت ان هذا العذر قبيح فانما الطاعة في المعروف. ج۱ ص۴۴۹ طبع مصر ۱۳۲۵ھ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عذر بد ہے، اطاعت تو صرف نیک کام میں ہوا کرتی ہے۔

امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں میں یزید سرفہرست ہے

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

وفی هذا اشارة الی أن اوّل الأغیلمة کان فی سنة ستین وهو کذالك فإن یزید بن معاویة استخلف فیها وبقی الی سنة اربع وستین فمات (فتح الباری ج ۱۳ ص ۸)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان لونڈوں میں سب سے پہلا لونڈا ۶۰ھ میں برسر اقتدار آیا جو بالکل واقع کے مطابق ہے۔ کیونکہ یزید بن معاویہ اسی ۶۰ھ میں بادشاہ بنا اور پھر ۶۴ھ تک زندہ رہ کر مر گیا۔

اور پھر مزید افادہ یہ فرماتے ہیں کہ:

اس روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے عموم کی بھی تخصیص ہو جاتی ہے جس کو ابوزرعہ نے ان سے نقل کیا ہے اور جو باب ''علامات النبوة'' میں بایں الفاظ گزر چکی ہے کہ: ''یهلك الناس هذا الحی من قریش'' (لوگوں کو قریش کا یہ قبیلہ ہلاک کرے گا) کیونکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ قریش کا پورا قبیلہ نہیں بلکہ اس کے بعض افراد مراد ہیں یعنی ان کی نوخیز نسل کے چند لونڈے نہ کہ قبیلے کے سب افراد، غرض! یہ لونڈے طلب سلطنت کے لئے لوگوں کو ہلاک کریں گے اور اسی کی خاطر ہنگامہ قتال برپا کریں گے جس کی وجہ سے لوگوں کے حالات میں بگاڑ پیدا ہوگا اور فتنوں کے مسلسل برپا ہونے کے باعث سخت گڑبڑ ہوگی۔ چنانچہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اس کے مطابق ہو کر رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کہ ان سے دور رہا جائے

نیز اس حدیث میں جو یہ الفاظ وارد ہیں کہ: ''لوان الناس اعتزلوهم'' کاش! لوگ ان لونڈوں سے کنارہ کشی کریں، اس میں حرف لو کا

جواب ''کان اولی بھم'' (تو یہ ان کے حق میں اولی ہے) محذوف ہے اور مراد اعتزال ''یعنی کنارہ کش'' رہنے سے یہ ہے کہ نہ ان کے پاس آمد و رفت رکھیں اور نہ ان کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہوں، بلکہ اپنے دین کو سلامت لے کر ان کے پاس سے راہ فرار اختیار کریں۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۸)

صحابہ و تابعین کا اس ہدایت پر عمل

اب ساری اسلامی تاریخ کا ایک ایک ورق پڑھ جائے۔ یزید کے عہد منحوست مہد میں سے میدان کربلا ہو یا جنگ حرہ، حرم الٰہی کا عاصر ہو یا حرم نبوی پر چڑھائی، ان میں سے کسی ایک مہم میں بھی یزید کی حمایت میں کوئی صحابی تو درکنار کسی قابل ذکر نیک نام تابعی کا نام بھی آپ کو ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا جو کہ یزید کی طرف سے لڑنے آیا ہو۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر حدیث کے اس جملہ کی کہ: ''فاذا راھم غلماناً احداثاً'' (ہمارے دادا جان جب شام کے حکمرانوں کو دیکھتے کہ وہ نوخیز لونڈے ہیں) کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والذی یظھر ان المذکورین من جملتھم وإن اولھم یزید کما دل علیه قول أبی ھریرۃ رأس الستین وامارۃ الصبیان فان یزید کان غالباً ینتزع الشیوخ من امارۃ البلدان الکبار و یولیھا الاصاغر من اقاربه (فتح الباری ص ۸ ج ۱۳)

اور ظاہر یہی ہے کہ (راوی کے دادا نے) جن حکمرانوں کا ذکر کیا ہے وہ قریش کے ان ہی لونڈوں میں داخل ہیں اور ان میں پہلا شخص یزید ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ۶۰ھ کے آغاز اور لونڈوں کی امارت کا ذکر کرنا اس بات کو بتلا رہا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یزید اکثر بڑے بڑے شہروں کی امارت سے بڑی عمر کے لوگوں کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے رشتہ داروں میں سے کم لوگوں کو والی بنا دیا کرتا تھا۔

مروان کا ان مفسد لونڈوں پر لعنت کرنا نیز اس باب کے ختم پر حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے جو تنبیہ فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں:

(تنبیہ) یتعجب من لعن مروان الغلمة المذکورین مع ان الظاھر انھم من ولدہ فکان اللہ تعالیٰ اجری ذالك علی لسانه لیکون اشد فی الحجة علیھم لعلھم یتعظون و قد وردت احادیث فی لعن الحکم والد مروان و ما ولد اخرجھا الطبرانی وغیرہ غالبھا فیه مقال و بعضھا جید ولعل المراد تخصیص الغلمة المذکورین بذالك!

(تنبیہ) تعجب ہوتا ہے کہ مروان نے ان مذکورہ لونڈوں پر لعنت کی، حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی اولاد ہی میں ہوئے ہیں۔ پس گویا حق تعالیٰ شانہ نے یہ بات اس کی زبان سے کہلوا دی تاکہ ان لونڈوں پر سخت حجت قائم ہو جائے اور شاید اس بات سے وہ کچھ نصیحت پکڑیں اور ہاں مروان کے باپ حکم اور اس کی اولاد پر حدیثوں میں لعنت وارد ہوئی ہے۔ ان حدیثوں کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں سے اکثر روایات میں گفتگو کی گنجائش ہے مگر ان میں سے بعض روایات جید بھی ہیں اور غالباً لعنت ان ہی لونڈوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر حدیث بخاری میں آتا ہے۔ (ج ۱۳ ص ۹)

یزید کے دور میں صحابہؓ و تابعینؒ پر مظالم

غرض! قریش کے وہ چند نوخیز لونڈے جن کے ہاتھوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے۔ ان سب میں اوّل نمبر یزید پلید کا ہے۔ چنانچہ اس کی ولی عہدی کی سلسلہ جنبانی کے آغاز سے لے کر اس کے مرتے دم تک اس عہد کے اخیار امت صحابہ و تابعین پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اور ان کی جس طرح توہین و تذلیل کی گئی اور ان کے ساتھ قتل و غارت کا جو معاملہ ہوا اس سے تاریخ اسلام کے اوراق پر ہیں اور صحیح بخاری میں اس سلسلہ کے جو واقعات ضمناً آگئے ہیں وہ یہ ہیں:

تیسری حدیث:

حدثنا موسی بن اسماعیل قال حدثنا ابو عوانه عن أبی بشر یوسف بن ماهك قال مروان علی استعمله معاویة فخطب فجعل یذکر یزید بن معاویة لکی یبایع له بعد ابیه. فقال له عبد الرحمٰن بن ابی بکر شیئًا فقال خذوه فدخل بیت عائشة فلم یقدروا فقال مروان ان هذا الذی انزل فیه وَالَّذِی قَالَ لِوَالِدَیْهِ أَفٍ لَّکُمَا أَتَعِدَانِنِی فقالت عائشة من وراء الحجاب ما انزل الله فینا شیئاً من القرآن الا أن الله انزل عذری! (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۵ کتاب التفسیر، سورہ احقاف)

یوسف بن ماہک کا بیان ہے کہ مروان حجاز کا گورنر تھا جس کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس نے خطبہ دیا تھا جس میں یزید بن معاویہ کے متعلق ذکر کرنے لگا تاکہ اس کے باپ کے بعد اس کے لئے بیعت لے لی جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مروان سے کچھ کہا تو اس نے برافروختہ ہو کر اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کرلو، یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی بہن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں گھس گئے اور مروان کی پولیس کا ان پر قابو نہ چل سکا۔ اب مروان (جھلا کر) بولا یہ وہی شخص تو ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی اور جس شخص نے اپنے ماں باپ کو کہا میں بیزار ہوں تم سے، کیا تم مجھ کو وعدہ دیتے ہو؟'' حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جب مروان کی یہ غلط بیانی سنی تو) پردے کے پیچھے ہی سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مذمت میں تو قرآن پاک میں کچھ نازل نہیں کیا ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے میری برأت اور پاک دامنی کی آیتیں ضرور نازل فرمائی ہیں۔

امام بخاری کی اس روایت میں جو اجمال ہے، اس کی تفصیل مستخرج

اسماعیلی میں اسی سند کے ساتھ بایں الفاظ مذکور ہے:

فاراد معاوية أن يستخلف يزيد ابنه فكتب الى مروان بذالك فجمع مروان الناس فخطبهم وذكر يزيد ودعا الى بيعته. وقال إن الله أرى اميرالمومنين فى يزيد رأيا حسنا وان يستخلفه فقد استخلف ابوبكر وعمر.

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں تو مروان کو اس کے بارے میں لکھا۔ اب مروان نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ اس میں یزید کا ذکر کر کے اس کی بیعت کی دعوت دی اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے امیرالمومنین کو یزید کے بارے میں اچھی رائے سمجھائی ہے۔ اب اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابوبکر وعمر بھی خلیفہ بنا چکے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا مروان کو برسر منبر ٹوکنا

ظاہر ہے کہ اس لغو بیانی کا جواب سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہی کو دینا چاہئے تھا۔ چنانچہ حسب توقع انہوں نے نہایت جرأت سے کام لے کر بڑی بے باکی سے "سلطان جابر" کے سامنے کلمہ حق کی ادائیگی کے فریضے کو انجام دیتے ہوئے فرمایا:

ماهى الا هرقلية یہ تو ہرقل نے کی اتباع کے سواء کچھ نہیں۔
(ہرقل عیسائیوں کے فرمانروا قیصر کا نام ہے)

اور حافظ اسماعیلی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

فقال مروان سنة ابى بكر وعمر فقال عبدالرحمٰن سنة هرقل وقيصر

مروان کہنے لگا یہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (نہیں بلکہ) ہرقل وقیصر کی رسم ہے۔

اور مسند ابی یعلی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبداللہ مدنی کی زبانی اس واقعہ کی یہ تفصیل مروی ہے:

کنت فی المسجد حین خطب مروان فقال ان اللہ قد اری أمیر المؤمنین رأیا حسناً فی یزید و إن یستخلفه فقد استخلف ابو بکر وعمر، فقال عبد الرحمٰن هرقلیة ان ابابکر واللہ ما جعلها فی احد من ولدہ، ولا فی اهل بیته، وما جعلها معاویة الا کرامة لولدہ

جس وقت مروان نے خطبہ دیا میں مسجد نبوی میں موجود تھا۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین (معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یزید کے بارے میں عمدہ رائے بجھائی ہے۔ اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی بنا چکے ہیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہرقل کا طریقہ ہے۔ واللہ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی اولاد میں کسی کو خلافت نہیں سونپی اور نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ بنایا، مگر معاویہؓ تو بس اپنے بیٹے کو اعزاز بخشنا چاہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کا مروان کو جھوٹا کہنا

ظاہر ہے اس حق بات کو سننے کی تاب مروان میں کہاں تھی۔ فوراً الزام تراشی پر اتر آیا اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ آخر جیسا کہ محدث اسماعیلی کی روایت میں آتا ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہنا پڑا:

کذب واللہ ما انزلت فیه

واللہ مروان جھوٹ بکتا ہے۔ یہ آیت عبد الرحمٰن (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں نازل ہی نہیں ہوئی۔

مروان کی حضرت عائشہؓ سے سخت کلامی

مسند ابو یعلی میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر مروان منبر سے اتر کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سخت کلامی کرنے لگا اور آپ نے بھی اس کو ویسے ہی

جواب دیئے، آخر واپس چلا گیا۔

(ان سب روایات کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۲، ۴۴۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ، معاویہؓ اور ابوسفیانؓ سے افضل ہیں

اب ذرا غور کیجئے، مروان کی یہ تقریر کہاں ہو رہی ہے، منبر نبوی سے، مسجد نبوی میں، روضہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے، یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لئے، اس پر افتراء پردازی کا یہ عالم ہے کہ اس ولی عہدی کی رسم کو حضرات شیخینؓ کی سنت بتلا رہا ہے اور عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کو ٹوکتے ہیں کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں ہے بلکہ ہرقل اور قیصر کی رسم ولی عہدی ہے تو بگڑ جاتا ہے، الزام تراشی کرتا ہے، کتاب اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے۔ ذرا نہیں سوچتا کہ کہاں ہوں، کس مقام سے بول رہا ہوں، کس سے مخاطب ہوں، یہ کس باپ کے بیٹے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے اس کے والد ماجد معاویہ اور جد امجد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بس قرآن افضل ہیں۔ کیونکہ جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو موکفۃ القلوب میں تھے، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلقاء" میں ان کا شمار ہے اور عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں فتح مکہ سے بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو کر ہجرت فرمائے مدینہ ہو چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی آمدنی میں سے ان کے لئے چالیس وسق سالانہ خرما کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے: کان من سادات المسلمین (یہ مسلمانوں کے اکابر میں سے تھے)

اور وکان معظمین اھل الاسلام اہل اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اب جس کی ولی عہدی کے سلسلے میں اکابر صحابہ کی اس طرح توہین کی جائے اس کی بادشاہی کے دور میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا معاویہ رضی اللہ عنہم کی رقم کو واپس کر دینا

حافظ ابن کثیر نے زبیر بن بکار سے بسند نقل کیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھیجے مگر حضرت ممدوح نے یہ کہہ کر ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ:

ابیع دینی بدنیا (کیا میں اپنی دنیا کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالوں)

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۸، ۸۹ طبع مصر مطبعۃ السعادۃ)

آخر کار اکابر صحابہؓ کے پرزور احتجاج کے باوجود ان کی مرضی کے برخلاف یزید راج سنگھاسن پر براجمان ہو جاتا ہے اور امت محمدیہ پر ہلاکت کا طوفان امنڈ آتا ہے۔ رجب ۶۰ ہجری میں یزید بادشاہ بنا اور اسی سال ماہ رمضان میں یزید اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کا تقرر کرتا ہے۔

یزید کا گورنر مدینہ کو اس لئے معزول کرنا کہ اس نے حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ پر سختی نہ کی تھی

ولید کا قصور یہ تھا کہ اس نے بیعت کے معاملہ میں حضرت حسین و حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وہ سختی نہ کی تھی جو یزید کو مطلوب تھی۔ اس لئے یہ دونوں حضرات یزید کی بیعت کئے بغیر مدینہ منورہ سے بخیر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ حالانکہ یزید کا ان کے بارے میں ولید کو یہ فرمان آچکا تھا:

اما بعد فخذ حسینا و عبداللہ بن عمر وعبداللہ بن الزبیر بالبیعۃ اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصۃ حتی یبایعوا۔ والسلام

امابعد! حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ ابن زبیر کو بیعت کے لئے سختی کے ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں ذرا ڈھیل نہ ہوئے پائے۔ والسلام!

(البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۴۶، ۱۴۷)

مروان کا مشورہ کہ ان حضرات کا سر قلم کر دیا جائے

مروان کا مشورہ ان حضرات کے بارے میں ولید کو یہ تھا کہ اگر یہ حضرات بیعت نہ کریں تو فوراً ان کا سر قلم کر دو مگر ولید نے مروان کی بات نہ مانی اس لئے اس شاہی فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کا لازمی نتیجہ معزولی تھا۔ حافظ ابن کثیر نے جو اس کی معزولی کی وجہ میں ''لتفریطه'' کا لفظ لکھا ہے وہ اس حقیقت کا ترجمان ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸)

حضرت ابوشریح ؓ کا گورنر مدینہ کو حرم پر فوج کشی سے منع کرنا

چنانچہ اس کی جگہ گورنر ہو کر عمرو بن سعید اس ماہ میں مدینہ آ گیا۔ یہ مزاج کا بڑا فرعون اور بڑا متکبر تھا۔ حافظ ابن کثیر کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

وکان متالھا متکبراً (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸)

(یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چونکہ ابھی تک یزید کی بیعت نہ کی تھی اور وہ حرم الٰہی میں پناہ گزیں تھے۔ اس لئے اس نابکار نے ان کو گرفتار کرنے کے لئے مدینہ میں آتے ہی حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی ہے[1]۔ اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور محترم صحابی حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس بہترین انداز میں اسے فہمائش کی وہ صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے:

چوتھی حدیث:

(۴) حدثنا عبداللہ ابن یوسف قال حدثنا اللیث قال

---

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی میں اس واقعہ کو عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت کا گمان کیا ہے جو صحیح نہیں۔ یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانہ حکمرانی میں ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ترجمہ یزید بن معاویہ اور الاصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حدثني سعيد هو ابن ابي سعيد عن ابي شريح انه قال لعمرو بن سعيد وهو يبعث البعوث الى مكة اذن لي أيها الامير احدثك قولاً قام به رسول الله صلى الله عليه وسلم الغد من يوم الفتح سمعته اذناى ووعاه قلبي، وابصرته عيناى حين تكلم به حمد الله عليه ثم قال ان مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس فلا يحل لامرء يومن بالله واليوم الاخر ان يسفك بها دماً ولا يعضد بها شجرة فان أحد ترخص القتال رسول الله فيها فقولوا ان الله قد اذن لرسوله ولهم يأذن لكم وانما يوذن لي ساعة من نهار ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالامس وليبلغ الشاهد الغائب، فقيل لابي شريح ما قال عمرو قال انها أنا أعلم منك يا أبا شريح لا تعيذ عاصياً ولا فاراً بدم ولا فاراً بخربة!

(بخاری کتاب العلم باب المبلغ الشاہد الغائب)

حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن سعید کو جب کہ وہ مکہ معظمہ پر چڑھائی کے لئے فوج کے دستے بھیج رہا تھا۔ فرمایا: اے امیر اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان کروں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہو کر بیان فرمایا تھا اور جس کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو بیان فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے حق تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا اور لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا۔ لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں کسی کا خون بہائے اور نہ وہاں کا کوئی درخت کاٹے اور پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس امر کی رخصت چاہے تو اس کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اس کی اجازت نہیں دی اور مجھے بھی گھڑی بھر دن کی اجازت تھی۔ پھر آج اس کی حرمت اسی طرح عود کر آئی

جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی اور جو شخص یہاں حاضر ہے، اس کو چاہئے کہ جو شخص غائب ہے اس تک یہ بات پہنچادے۔

اس پر ابوشریح ؓ سے دریافت کیا گیا کہ عمرو نے پھر کیا جواب دیا؟ فرمایا: اس نے کہا: اے ابوشریح ؓ میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں۔ مکہ نہ کسی عاصی کو پناہ دیتا ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو جو خون کر کے وہاں بھاگ جائے اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں فرار ہو جائے۔

گورنر مدینہ کا صحابی رسول کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا

غور کیجئے! صحابی رسول حضرت ابوشریح ؓ حرم الٰہی پر فوج کشی سے روکنے کے لئے یزید کے گورنر کو حدیث رسول بیان کرتے ہیں اور یہ بدبخت ان کے سامنے اپنی علمیت بگھارتا ہے، کہتا ہے میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں، امام ابن حزم اپنی مشہور تصنیف المحلی کی کتاب الجنایات میں بالکل صحیح لکھتے ہیں:

لا کرامة للطیم الشطیان الشرطی الفاسق یرید ان یکون اعلم من صاحب رسول الله ﷺ وهذا الفاسق هو العاصی لله ولرسوله، ومن والاه أو قلده وما حامل الخزی فی الدنیا والآخرة الا هو ومن امره.. (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری از علامہ عینی ج ۲ ص ۱۴۲، طبع منیریہ مصر)

اس لطیم الشیطان، پولیس مین، فاسق کی بھی یہ وقعت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے بھی زیادہ عالم بننے کا دعویٰ کرے۔ (عاصی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہیں بلکہ) یہی فاسق اللہ اور اس کے رسول کا عاصی تھا اور وہ شخص جس نے اس سے دوستی کی یا اس کے کہے پر چلا اور دنیا اور آخرت میں ذلت اٹھانے والا یہی تھا اور وہ (یزید) جس نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابن زبیر ؓ کے خلاف گورنر مدینہ کی ہرزہ سرائی قابل قبول نہیں

اور شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں رقمطراز ہیں:

این دعوئی مجرد است و مردود بروے، زیر اچه عبد الله بن زبیر صحابی است متعبد جامع صفات حمیده، وکارے نکرده که بدان مستحق قتل باشد بیرون حرم و نه خروج کرده برامدے، ونه خواند مردم را به بیعت خود بودند از یزید اہل حرمین ومبادرت نکردند به بیعتدے جز اہل شام بنا بر آنکه ناخوش بودند از یزید اہل الحرمین ومبادرت نکردند بجز اہل شام بنا بر تولیه پدرش معاویه وامتناع آور وعبد الله وغیروے از بیعت آن نااہل که مصرف در معاصی ومرتکب کبائر بود و پناه گرفت از شروے در گوشه حرم پس تعیین کرد لشکر بالقتال ابن زبیر بمکه

(ج ۳ ص ۳۲۲، مطبع علوی لکھنو ۱۳۰۳ھ)

اور یہ (گورنر مدینہ عمرو بن سعید کا) خالی وخولی دعوئی ہے جو مردود ہے کیونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک عابد صحابی تھے، صفات حمیدہ کے جامع، انہوں نے کوئی کام ایسا نہ کیا تھا جس کی خروج کردہ بناء پر بیرون حرم وہ قتل کے مستحق ٹھہرتے اور نہ کسی کے خلاف انہوں نے خروج کیا تھا۔ آنکہ ناخوش لوگوں کو ابھی تک اپنی بیعت کی دعوت دی تھی۔ حالانکہ اہل حرمین یزید سے خوش نہ تھے اور یزید کی بیعت پر بجز اہل شام کے کسی نے جلد بازی سے کام نہ لیا تھا اور اہل شام نے اس لئے جھٹ پٹ بیعت کر لی کہ اس کے باپ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنا ولی عہد بنادیا تھا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرات نے اس نااہل کی بیعت کرنے سے اس لئے سختی سے انکار کر دیا کہ یہ معاصی میں حد سے بڑھ گیا تھا اور کبائر کا مرتکب تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے شر سے بچنے کے لئے حرم محترم کے گوشہ میں پناہ لے رکھی تھی۔ لہٰذا اس نے مکہ معظمہ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے فوجوں کو روانہ کیا۔

اور شیخ نور الحق محدث دہلوی تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں ارقام فرماتے ہیں:

کلام این مفسد حجت را نمی شاید از آنکه خلاف مقرر اہل دین

است در امام روایت احمد آمده که گفت ابو شریح گفتم عمرو را من حاضر و تو غائب بودی، و بموجب امر آنحضرت ترساندم ترا، و این مشترا است بانکه ابو شریح قبول گفته عمرو نکرد و او را بونے گزاشته از جهت عجز وعدم قدرت بجهت شوکت و غلبها و (ج ۲ ص ۱۵۷، طبع علوی لکھنو)

اس مفسد (عمرو) کی بات حجت کے لائق نہیں کیونکہ یہ اہل دین کے دستور کے خلاف ہے، مسند احمد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے عمرو کو جواب دیا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ میں اس وقت حاضر تھا اور تو غائب (اس لئے تو حدیث کا مطلب کیا جانے) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تجھے تبلیغ کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو کی اس بات کو نہیں مانا، مگر چونکہ عمرو کو شوکت اور غلبہ حاصل تھا اور آپ اس کے مقابلہ سے عاجز تھے اور اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے اس لئے (زبانی فہمائش کے بعد) آپ نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

مروان نے جو معاملہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کیا وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اکبر تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے نواسے ہیں۔ ان کے خلاف حرم محترم پر صرف اس لئے فوج کشی کی گئی کہ انہوں نے یزید پلید سے بیعت نہیں کی تھی۔

حضرت ابن زبیرؓ کے فضائل حضرت ابن عباسؓ کی زبانی

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جلالت شان کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہ الفاظ پڑھئے:

أما أبوه فحواري النبي صلى الله عليه وسلم الزبير. وأما جده

فصاحب الغار. یرید ابابکر. واما أمه فذات النطاق یرید أسماء. وأما خالته فام المؤمنین یرید عائشة و أما عمته فزوج النبی صلی الله علیه وسلم یرید خدیجه. و اما عمة النبی صلی الله علیه وسلم فجدته یرید صفیة. ثم عفیف فی الإسلام قاری للقرآن.

(صحیح بخاری باب قول ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ)

ان کے والد ماجد یعنی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیق غار تھے اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات النطاق کہ (جنہوں نے ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زاد سفر اپنے پٹکے سے باندھا تھا) اور ان کی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی پھوپھی (ان کے ابا کی پھوپھی مراد ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمہ محترمہ ہیں اور پھر وہ خود اسلام میں پاکباز اور قرآن پاک کے بکثرت پڑھنے والے ہیں۔

مصاحف عثمانی کی کتابت میں حضرت ابن زبیرؓ کی شرکت

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ قرآن کریم جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں ہے اور جس کو شب و روز ہم پڑھتے ہیں، اس کی نقلیں حضرت امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نگرانی میں کرا کر ممالک محروسہ میں روانہ کی تھیں۔ ان مصاحف کی کتابت کے لئے حضرت امیر المومنین نے جن چار حضرات کو نامزد فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی تھے[1]

---

[1] (ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب جمع القرآن بقیہ حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت زید بن ثابت (۲) حضرت سعید بن العاص (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت ابن زبیر کے فضائل احادیث کی روشنی میں

صحیح بخاری میں ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئیں تو ان دنوں یہ شکم مادر میں تھے اور وضع حمل کی مدت قریب تھی۔ چنانچہ قبا کے زمانہ قیام ہی میں ان کی ولادت ہوئی۔ فرماتی ہیں:

ثم اتیت به النبی صلی الله علیه وسلم فوضعه فی حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فیه فکان أول شئی دخ جوفه ریق رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم خنکه بتمرة ثم دعا له و برك علیه وکان اوّل مولود ولد فی الاسلام (باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ)

پھر میں بچہ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان کو اپنی گود میں لے لیا اور آپ نے ایک کھجور منگوائی اور اس کو چبا کر پھر ان کے منہ میں ڈال دی۔ چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو داخل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ پھر آپ نے کھجور کو ان کے تالو پر مل دیا اور ان کے لئے برکت کی دعا کی اور یہ پہلے بچے تھے جو اسلام میں (ہجرت کے بعد مہاجرین میں) پیدا ہوئے۔

اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ ہیں:

اوّل مولود ولد فی الاسلام عبدالله بن الزبیر اتوابه النبی صلی الله علیه وسلم فاخذ النبی صلی الله علیه وسلم تمرة فلاکها ثم ادخلها فی فیه فأول ما دخل فی بطنه ریق النبی صلی الله علیه وسلم

پہلا بچہ جو اسلام میں (ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں میں) پیدا ہوا وہ عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تھے، ان کو (ان کے گھر والے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے ایک کھجور منگوا کر پہلے اس

کو اپنے دہن مبارک میں چبایا اور پھر ان کے منہ میں اس کو انڈیل دیا۔ چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو پہنچی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لعاب دہن تھا۔

(صحیح بخاری باب مذکور)

اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں اتنا اضافہ اور آتا ہے۔

ثم مسحه وصلى عليه وسماه عبدالله ثم جاء وهو ابن سبع سنين او ثمان ليبايع رسول الله عليه وسلم وامره بذالك . الزبير فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رأه مقبلا اليه ثم بايعه.

(باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته)

پھر حضور علیہ السلام نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، ان کے لئے دعائے خیر کی اور ان کا نام عبداللہ رکھا، پھر جب وہ سات یا آٹھ برس کے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر ان سے بیعت لے لی۔

امام نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وفى هذا الحديث مناقب كثيرة لعبد الله بن الزبير رضى الله عنه منها ان النبى صلى الله عليه وسلم مسح عليه وبارك عليه ودعا له وأول شى دخل جوفه ريقه صلى الله عليه وسلم وانه أول من ولد فى الاسلام بالمدينة والله اعلم (شرح صحیح مسلم از امام نووی باب مذکور)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بہت سے مناقب ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ: (۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ (۲) ان کے لئے برکت طلب کی۔ (۳) ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ (۴) پہلی چیز جو ان کے پیٹ میں پہنچی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا لعاب دہن تھا۔ (۵) یہ اسلام میں پہلے بچے ہیں جو مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے۔

اور مستخرج اسماعیلی میں ''صحیح بخاری کی اس روایت میں فی الاسلام کے بعد یہ اضافہ بھی ہے:

ففرح المسلمون فرحاً شديداً لأن اليهود كانوا يقولون سحرناهم حتى لا يولد لهم (فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۴)

یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی ہی خوشی ہوئی کیونکہ یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے، اب ان کے یہاں اولاد نہیں ہوگی۔

عبرت کا مقام ہے مسلمانوں کو جس مبارک بچے کی ولادت پر بڑی خوشی ہوئی، یزید اور اس کا گورنر عمرو اشدق اس کے قتل کرنے کے درپے ہوں اور اسی کی موت میں اپنی خوشی سمجھیں:

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں واضح رہے کہ یہ یزیدی گورنر عمرو بن سعید اشدق وہی نابکار ہے جس کے بارے میں مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت آتی ہے:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ليرعفن على منبري جبار من جبابرة بني أمية حتى يسيل رعافه قال فاخبرني من رأى عمرو سعيد بن العاص وعف على منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى سال رعافه! (البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۳۱۱)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: ''یقیناً بنی امیہ کے ستم کاروں میں سے ایک ستم گار کی میرے منبر پر اس طرح نکسیر پھوٹ کر رہے گی کہ بہنے لگ جائے گی۔''

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ پھر مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس

نے عمرو بن سعید بن العاص کو اس حال میں دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر اس کی نکسیر اتنی پھوٹی کہ منبر پر بہنے لگی۔

کربلا کے دن بنی امیہ نے اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا

غرض! یزید کی ولی عہدی کی ابتداء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی اہانت سے ہوئی اور اس کی بادشاہی کا آغاز ان کے نواسے پر حرم الٰہی میں فوج کشی سے (اور اسی طرح اختتام بھی) اور سال جلوس ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ دودمان نبوی کے گل سرسبد کو مسل کر خاک میں ملا دیا اور اپنی دانست میں خاندان نبوت کا چراغ گل کر کے رکھ دیا۔ محرم ۶۱ ہجری کے یوم عاشورہ میں اہل بیت رسالت پر یزیدی لشکر کے ہاتھوں جو قیامت ٹوٹی اس کے بارے میں جس نے بھی یہ کہا سچ کہا کہ:

ضحی بنو امیة یوم کربلا بالدین

(تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، ترجمہ یزید بن عبدالملک بن مروان)

کربلا کے دن بنو امیہ نے اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس ولحاظ

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں:

''باب مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم'' یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے فضائل کا بیان اور پھر اس باب کے تحت حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کیا:

ارقبوا محمداً صلى الله عليه وسلم فى اهل بيته

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس ولحاظ رکھو۔

یعنی ''نہ تو کسی معاملہ میں ان کو اذیت پہنچے اور نہ ان حضرات کے ساتھ کسی قسم کا برا برتاؤ ہونے پائے اور اس باب میں حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ

الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

والذی نفسی بیدہ القرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أحب الیّ أن أصل من قرابتی

قسم اس ذات عالی کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا اس قدر پاس ولحاظ تھا کہ جب کبھی ان کے عہد میں قحط سالی ہوتی اور دعا استسقاء کی ضرورت پڑتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعا کرتے اور خود ان سے دعا کراتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا وسقنا قال فیسقون! (باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے توسل سے بارش کی دعا کرتے اور یوں عرض کرتے کہ الٰہا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ سلم کے توسل سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے پھر تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے توسل سے تجھ سے مانگتے ہیں تو ہم پر مینہ برسنے لگتا تھا۔

حدیث میں قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں شارحین صحیح بخاری لکھتے ہیں:

مراد از قرابت پیغمبر خدا کسے کہ منتسب است بعبد المطلب

ومومن است چنانکہ علی مرتضی وابنائے او رضی اللہ عنہم

(تیسیر القاری ج ۳ ص ۴۵۰ طبع علوی لکھنو ۱۳۰۲ھ)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے مراد وہ مومن حضرات ہیں کہ جن کا سلسلہ نسب خواجہ عبدالمطلب سے ملتا ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے صاحبزادگان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

شیخ نور الحق محدث دہلوی نے ''تیسیر القاری'' میں جو کچھ لکھا ہے، وہی علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

من ینسب لعبد المطلب مؤمناً کعلی وبنیہ

اور شارحین نے جو کچھ لکھا ہے وہی مطلب امام بخاری کا ہے، اسی لئے امام بخاری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر کو ''باب مناقب الحسن والحسین'' میں پھر دوبارہ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے تحت ان تمام حضرات کو نام بہ نام گنوایا ہے جو اس وقت خواجہ عبدالمطلب کی اولاد میں بقید حیات تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا شرف حاصل تھا۔ ان میں حضرت مسلم بن عقیل کا نام بھی ہے جو شکل وصورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عون اور محمد کا بھی۔

پھر یزید نے ''قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا جو پاس ولحاظ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔

عبید اللہ بن زیاد جس کو یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوفہ آنے کی خبر سن کر وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، اس کی سنگدلی اور قساوت قلبی کا اندازہ کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس شقی کے سامنے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو چھڑی سے آپ کے سر مبارک کو

چھیڑنے اور آپ کے حسن پر طعن کرنے لگا۔ اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تنبیہ کی کہ کیا کرتا ہے؟

کان اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم

(صحیح بخاری باب مناقب الحسن والحسین)

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی مشابہ تھے۔

اور مسند بزار میں ایک دوسری سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ:

فقلت له إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يلثم حيث تضع قضيبك قال فانقبض. (فتح الباری باب مذکور)

میں نے اس سے کہا جہاں تو اس وقت اپنی چھڑی رکھ رہا ہے وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ یہ سن کر وہ شقی گھٹ کر رہ گیا۔

اور معجم طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

فجعل يجعل قضيبا في يده في عينه وانفه. فقلت ارفع قضيبك فقد رايت فم رسول الله صلى الله عليه وسلم في موضعه. (فتح الباری ایضاً)

ابن زیاد بدنہاد کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس کو وہ شقی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چشم مبارک اور بینی مبارک میں داخل کرنے لگا تو میں نے اس سے کہا اپنی چھڑی ہٹا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کو اس جگہ رکھے ہوئے دیکھا ہے جس جگہ تیری چھڑی اس وقت ہے۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا پاس ولحاظ جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ: ''ارقبوا محمداً فی اهل بیته'' اور جس کا ترجمہ حضرت شیخ نور الحق بن عبدالحق محدث دہلوی نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:

کنت ابوبکر نگہدارید و محافظت کنید محمد را در اہل بیت

اور یعنی حفظ حرمت محمد و تعظیم او در گرامی داشتن اہل بیت او ست

(تیسیر القاری ج ۳ ص ۴۵۱)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے معاملہ ہو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر میں رکھو اور آپ کا پوری طرح خیال کرو، یعنی آپ کی حرمت و تعظیم آپ کے اہل بیت کے اعزاز میں ہے۔

اور دوسری جگہ ان الفاظ میں:

گفت ابو بکر صدیق نگہدارید عزت و شرف محمد را صلی اللہ علیہ وسلم در نگہداشت حرمت و تعظیم در حق اہل بیت آنحضرت

(تیسیر القاری ج ۳ ص ۴۶۴)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے حق میں ان کی حرمت و تعظیم کو مدنظر رکھ کر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عز و شرف کو ملحوظ رکھو۔

پھر یزیدی لشکر نے کربلا کے میدان میں جوانان اہل بیت پر جو ظلم و ستم ڈھایا اس کے بارے میں شیخ نور الحق محدث دہلوی نے تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

در شرح این قضیہ جانگز اجگر آب شدہ قلم از دست او فتاد. از حوصلہ طبع مسلمانے بیروں است کہ اشارتے بآں تواں نمود (ج ۳ ص ۴۶۴)

اس قضیہ جان گسل کو بیان کرنے میں جگر پانی پانی ہو گیا اور قلم ہاتھ سے گر پڑا کسی مسلمان کے حوصلہ سے یہ باہر ہے کہ اس کی طرف اشارہ بھی کر سکے۔

یزیدی شقاوت

علامہ عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی ''کتاب الاتحاف بحب الاشراف'' میں فرماتے ہیں:

لاریب ان اللہ سبحانہ قضی علی یزید بالشقاوۃ فاقدم علی آل البیت الشریف بالاذی فارسل جندہ لقتل الحسین وقتلہ وسبی حریمہ واولادہ وھم اکرم اھل الارض حینئذ علی اللہ سبحانہ!

لاریب حق تعالیٰ سبحانہ نے یزید پر شقاوت مسلط کی کہ اس نے آل بیت شریف (نبوی) کے ستانے پر کمر باندھی، قتل حسینؓ کے لئے اپنی سپاہ بھیجی، ان کو شہید کیا، ان کی حرم اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا۔ حالانکہ یہ حضرات اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک روئے زمین پر تمام بسنے والوں سے زیادہ معزز تھے۔

ابن زیاد کا طرز عمل صحابہؓ کے ساتھ

حضرت معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا

امام بخاری نے "الجامع الصحیح" میں ایک باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں: "باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح" یعنی جس کو رعیت کا والی بنایا جائے اور پھر وہ رعیت کی خیر خواہی نہ کرے اور پھر اس باب میں یہ دو حدیثیں بیان کی ہیں:

(۱) عن الحسن ان عبید اللہ بن زیاد عاد معقل بن یسار فی مرضہ الذی مات فیہ فقال لہ معقل انی محدثک حدیثاً سمعتہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ لم یجد رائحۃ الجنۃ.

(۱) حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لئے آیا (حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ یزید کے عہد حکومت کا واقعہ ہے) تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کسی رعیت کی نگرانی سپرد فرمائے اور پھر

وہ پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔

(۲) وعن الحسن أتينا معقل بن يسار نعوده فدخل عبيدالله بن زياد فقال له معقل أحدثك حديثاً سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما من وال يلي رعية من المسلمين فيموت وهو غاش الا حرم الله عليه الجنة.

(۲) نیز حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لئے ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اتنے میں عبیداللہ بن زیاد بھی آ گیا، حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''جو حکمران بھی مسلمانوں کی کسی رعیت کا حاکم ہو اور پھر اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دغابازی کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔''

صحیح مسلم میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں اتنا اضافہ اور ہے: ''لو علمت ان لی حیاۃ ما حدثتك به'' (ج ۲ ص ۱۳۲)

اگر میں سمجھتا کہ میری ابھی زندگی باقی ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان ہی نہ کرتا۔

لولا إني في الموت لم احدثك به

(باب فضيلة الامير العادل وعقوبة الجائر)

اور دوسری روایت میں ہے:

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے بیان بھی نہ کرتا۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں ''کتاب الایمان میں بھی ہے اور ''کتاب الامارہ میں بھی صحیح مسلم کے ایک طریق میں اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو سن کر ابن زیاد حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا: ''الا كنت حدثتني هذا قبل اليوم. قال ما حدثتك أو لم اكن لاحدثك''

یہ حدیث آپ نے مجھ کو آج سے پہلے کیوں بیان نہیں کی۔ فرمایا: بس میں نے تم سے بیان نہ کی یا میں تم سے بیان کرنے والا نہ تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں حدیث بیان نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے:

كان يخشى بطشه فلما نزل به الموت أراد ان يكف بذالك بعض شره عن المسلمين (ج ۱۳ ص ۱۱۳)

وہ ابن زیاد بدنہاد کی سخت گرفت سے ڈرتے تھے۔ جب موت کا وقت آ گیا تو چاہا کہ اس طرح ہی مسلمانوں پر سے اس کے شر کو کچھ دفع کیا جائے۔

ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے ساتھ بدتمیزی

یہ حضرت مغفل بن سیار مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں، یاد رہے کہ ان سے پہلے بھی اس قبیلے کے ایک دوسرے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ پیش آچکا ہے جس کی تفصیل امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے بایں الفاظ مروی ہے:

(۲) عن الحسن قال لما قدم علينا عبدالله بن زياد اميرا أمره علينا معاوية غلاماً سفيها يسفك الدماء سفكاً شديداً و فينا عبدالله بن مغفل المزنى فدخل عليه ذات يوم فقال له إنته عما اراك تصنع فقال له وما انت وذاك فقال ثم خرج الى المسجد فقلنا له ما كنت تصنع بكلام هذا السفيه على رؤس الناس؟ فقال انه كان عندى علما فاحببت أن لا أموت حتى اقول به على رؤس الناس، ثم قام فما لبث ان فيه فأتاه مرض الذى توفى فيه فأتاه عبيدالله بن زياد بعوده فذكر نحو حديث الباب (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۱۳)

حضرت حسن بصری کا بیان ہے کہ جب حضرت ہمارے پاس عبیداللہ بن

زیاد امیر بن کر آیا۔ اس کو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم پر والی بنا کر بھیجا تھا۔ یہ ایک بے وقوف چھوکرا تھا جو نہایت بے دردی سے لوگوں کا خون بہایا کرتا تھا۔ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں زندہ تھے، وہ ایک روز اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمانے لگے کہ جو کچھ میں تمہیں کرتے دیکھ رہا ہوں اس سے باز آجاؤ اس نے اس نصیحت پر حضرت ممدوح کو یہ جواب دیا کہ تم اس سے منع کرنے والے کون ہوتے ہو؟ پھر حضرت ممدوح مسجد میں تشریف لائے تو ہم نے ان سے عرض کیا آپ برسرعام اس بے وقوف کے منہ لگ کر کیا کریں گے؟ فرمایا میرے پاس علم تھا سو مجھے یہ پسند آیا کہ جب تک اس کو برسرعام بیان نہ کردوں موت کے منہ میں نہ جاؤں، پھر آپ جیسے ہی اٹھے مرض الموت نے آپ کو آلیا، اسی بیماری میں عبید اللہ بن زیاد بھی آپ کی عیادت کے لئے آیا اور آپ نے اس مضمون کی حدیث اس کو بیان کی جو اس باب میں مذکور ہے۔

ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمروؓ کے ساتھ بدتمیزی

(۳) اسی سلسلہ کا ایک واقعہ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ابن زیاد کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہا تو اس بدنہاد نے بجائے اس کے کہ ان کی نصیحت کا کچھ اثر لیتا، مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

یہ واقعہ حسب ذیل ہے: ''إن عائذ بن عمرو، وكان من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل على عبدالله بن زياد فقال اى بنى انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ان شر الرعاء الحطمة، فاياك ان تكون منهم، فقال له اجلس فانما انت من نخالة اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم : فقال وهل كانت لهم نخالة انما كانت النخالة بعدهم وفى غيرهم ''

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اصحاب میں سے تھے، عبیداللہ بن زیاد کے پاس آکر فرمایا بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے۔ حکمرانوں میں سب سے برا وہ ہے جو لوگوں کو پیس مارے تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے رہو، یہ سن کر وہ کہنے لگا (بڑے میاں) بیٹھ جاؤ، تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی بھوسی ہو! یہ جواب سن کر حضرت عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صحابہ میں بھی بھوسی تھی؟ بھوسی تو بعد میں آنے والوں میں ہے اور ان میں کہ جو صحابی نہیں ہیں۔

ابن زیاد کا حضرت ابو برزہؓ کا مذاق اڑانا

(۴) اور اسی نوع کا ایک اور واقعہ سنن ابوداؤد میں یہ منقول ہے:

حدثنا مسلم بن ابراهيم عبد السلام بن ابی حازم ابوطالوت قال شهدت ابا برزة دخل علی عبيد الله بن زياد فحدثنی فلان سماه مسلم. وكان فی السماط قال فلما راه عبيدالله قال ان محمديكم هذا الدحداح ففهمها الشيخ فقال "ما كنت أحسب أنی ابقی فی قوم يعيرونی بصحبة محمد صلی الله عليه وسلم. فقال له عبد الله "ان صحبة محمد صلی الله عليه وسلم لك زين غير شين" ثم قال إنما بعثت إليك الأسئلك عن الحوض سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يذكر فيه شيئاً قال ابوبرزة نعم لا مرة ولا ثنتين ولا ثلاثاً ولا أربعاً ولا خمسة فمن كذب به فلا سقاه الله منه ثم خرج مغضباً.

(کتاب السنۃ باب فی الحوض)

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا کہ ہمیں ابو طالوت عبدالسلام بن ابی حازم نے بتلایا کہ میں اس وقت موجود تھا جب حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ مجھے سے فلاں صاحب نے بیان کیا۔ (یاد رہے کہ مسند احمد میں ان کا نام عباس جریری آتا ہے) ابوداؤد

کہتے ہیں ہمارے استاد مسلم نے تو ان کا نام بھی بیان کیا تھا (مگر میرے ذہن سے اُتر گیا) جو اس وقت مجلس میں موجود تھے۔ ان صاحب کا بیان ہے کہ جیسے ہی عبید اللہ کی نظر حضرت پر پڑی کہنے لگا (لوبیہ) ''تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا'' (آ گیا)۔

شیخ (حضرت) نے اس کی بات سمجھی تو فرمانے لگے میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں اس قوم کے وجود میں آنے تک باقی رہوں گا کہ جو مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر عار دلائے گی۔ اب عبید اللہ نے بات بدل کر ان سے کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صحبت تو آپ کے لئے زینت ہے، باعث عیب نہیں پھر کہنے لگا میں نے آپ کی طرف اس لئے بھیجا تھا کہ آپ سے حوض کے بارے میں سوال کروں کہ کیا آپ نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے، حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں ہاں! ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں، چار دفعہ نہیں، پانچ دفعہ نہیں، جو حوض کا انکار کرے اللہ تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے۔ اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں اس کے پاس سے چلے آئے۔

مولانا خلیل احمد سہارپوری بذل المجہود فی حل ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ: عبیداللہ بن زیاد فساق میں سے تھا۔ اس لئے اس نے بطور تمسخر آپ کو دحداح یعنی ٹھگنا موٹا کہا تھا مگر آپ نے اپنے بارے میں تو اس کے اس طنز پر التفات نہ فرمایا، البتہ اس نے ''محمدی'' کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا اس پر آپ کو غصہ آ گیا۔ کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کی اہانت نکلتی ہے۔

(ج ۵ ص ۲۲۶ طبع دہلی)

یہ تھا ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کرامؓ کے ساتھ اور عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نے جو ظلم وستم ڈھایا وہ معلوم خاص وعام ہے۔

ابن زیاد بدنہاد تھا

ان سب باتوں کے ساتھ ابن زیاد کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا

باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا، بلکہ ولد الزنا تھا، جس کے یہاں پیدا ہوا اس کے بجائے دوسرے کو اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہؓ وتابعینؒ نے اس کے اس فعل پر نکیر بھی کی۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۶) ان میں خود زیاد کے ماں شریکی بھائی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت ہے:

لما ادعی زیاد لقیت ابا بکرۃ فقلت له ما هذا الذی صنعتم ؟ إنی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول سمع أذنای من رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یقول من ادعی ابا فی الاسلام غیر أبیه یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام فقال أبو بکرۃ وأنا سمعته من رسول الله علیه وسلم (ج ۱ ص ۵۷ کتاب الایمان باب بیان حال من رغب عن ابیه وهو یعلم)

جب زیاد کے بارے میں دعوی کیا گیا (کہ وہ ابوسفیان کی اولاد ہے) تو میں (اس کے ماں جائے بھائی) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر ملا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا (مطلب ان کے خاندان والوں سے تھا) میں نے تو (حضرت) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام میں جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کو باپ بتائے۔ حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا باپ یہ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ خود میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اس سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم کا نفاذ کرنے کے لئے کیسے کیسے بدسرشت لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا۔ یزید کو تجربہ ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچا زاد بھائی ولید بن عقبہ بن ابی سفیان، مروان کے ترغیب دلانے کے باوجود قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اس لئے اس نے اس کام کو

سرانجام دینے کے لئے اس شقی ازلی ابن زیاد بدنہاد کا انتخاب کیا اور آخر اس نے ایسا کر کے بتلا بھی دیا۔ علامہ بدرالدین عینی نے ابن زیاد کی ان ہی حرکات ناشائستہ کے سبب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس کو لعین کہا ہے۔ (ج ۷ ص ۶۵۶ طبع استنبول)

یزید کی مدینہ منورہ پر فوج کشی

پھر یزید نے ۶۳ ہجری میں حرم نبوی پر فوج بھیج کر مدینہ پاک کی حرمت کو جس طرح خاک میں ملایا اور اہل مدینہ پر جو ستم ڈھایا، وہ تاریخ اسلام کا ایک الگ خوں چکاں باب ہے، جس میں مدینہ طیبہ کے گلی کوچے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے خون سے رنگین نظر آتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوۃ'' میں لکھتے ہیں:

وواقعہ حرہ از اشنع شنائع است کہ در زمان یزید واقع شدہ وقد ذکرناہ فی تاریخ المدینۃ (ج ۱ ص ۲۰۶ طبع نول کشور لکھنو ۱۹۱۴ء)

اور حرہ کا واقعہ یزید کے زمانے کے بہت ہی برے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جس کو ہم نے تاریخ مدینہ میں بیان کیا ہے۔

بیرون مدینہ منورہ مشرقی جانب جو سنگستانی علاقہ ہے، جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام حرہ کہلاتا ہے۔ اس کو حرہ واقم بھی کہا جاتا ہے۔ واقم ایک شخص کا نام تھا جو زمانہ قدیم میں یہاں آکر رہ پڑا تھا۔ اسی مقام پر انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی تھی جو جنگ حرہ کہلاتی ہے۔

واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

أشرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی أطم من أطام المدینۃ فقال ھل ترون ما أری؟ إنی لاری مواقع الفتن خلال بیوتکم کمواقع القطر (باب أطام المدینۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار مدینہ میں جو گڑھیاں ہیں ان پر تشریف لے گئے اور وہاں ایک مقام بلند پر چڑھ کر آپ نے فرمایا: ''کیا تمہیں بھی وہ دکھائی دیتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے اترنے کی جگہوں کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے مقامات نظر آیا کرتے ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنوں کے نزول کو بارش کے نزول سے تشبیہ دی جس سے مراد فتنوں کا بکثرت عام ہونا ہے۔ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جو کہ حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وقد ظهر مصداق ذلك من قتل عثمان وهلم جرا ولا سيما يوم الحرّة. (فتح الباری باب مذکور)

چنانچہ اس پیشین گوئی کا مصداق حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ظاہر ہوا اور پھر سلسلہ چلتا ہی رہا اور بالخصوص حرّہ کا واقعہ تو اس کا صریح مصداق ہے۔

اس حدیث میں جو رویت کا ذکر ہے اس سے رویت علمی بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی آپ کے علم میں ان فتنوں کا وقوع لایا گیا تھا اور رویت عینی بھی کہ یہ تمام فتنے عالم مثال میں آپ کو دکھلا دیئے گئے ہوں۔ فتنہ حرّہ سے کیسی تباہی مچی؟ اس کے بارے میں حضرت سعید بن المسیب کا یہ بیان پڑھئے جو صحیح بخاری میں منقول ہے:

وقعت الفتنة الأولى يعني مقتل عثمان فلم تبق من أصحاب بدر أحداً ثم وقعت الفتنة الثانية يعني الحرّة فلم تبق من اصحاب الحديبية أحدا (ج ۲ ص ۵۷۳)

پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تو اس نے بدری صحابہ میں سے کسی کو باقی نہ رکھا (سب آخر ختم ہو گئے) پھر دوسرا فتنہ یعنی جنگ حرّہ جب واقع ہوئی تو اس نے اصحاب بیعت الرضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

حرّہ کے مظالم کی تفصیل

امام دارمی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں:

أخبرنا مروان بن محمد عن سعید بن عبد العزیز قال لما کان أیام الحرّة لم یؤذن فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم ثلاثا ولم یقم ولم یبرح سعید بن المسیب من المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوة الا بهمهمة یسمعها من قبر النبی صلی الله علیه وسلم.

(باب ما اکرم الله تعالی نبی صلی الله علیه وسلم بعد موته)

سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ جنگ حرّہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت البتہ حضرت سعید بن المسیب نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا (وہ وہیں چھپے رہے) اور وہ بھی نماز کا وقت صرف اس ہلکی سی آواز سے پہچانتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے وہ سنا کرتے تھے۔

جنگ حرّہ کا سبب یہ تھا کہ جب انصار مدینہ نے یزید کی مے خواری بدکرداری کے سبب اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک فوج کثیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تین دن تک مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لئے حلال کر دینا۔ ان دنوں فوج کے لئے کھلی چھٹی ہے، جو چاہیں وہاں کرتے پھریں۔ اس مدت میں کسی کی جان و مال کو امان نہیں۔

چنانچہ جیسا کہ امام طبری نے بسند نقل کیا ہے: ''فقتل جماعة صبراً منهم معقل بن سنان ومحمد بن أبی الجهم بن حذیفة ویزید بن عبدالله بن زمعة وبایع الباقین علی أنهم خول لیزید''

اس مسلم نے ایک جماعت کو زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دیا جس میں حضرت معقل بن سنان، محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبداللہ بن زمعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی تھے اور باقی لوگوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔

اور حافظ ابوبکر بن ابی خیمہ بسند صحیح جو یریہ بنت اسماء سے ناقل ہیں:

وقتل من قتل وبايع مسلم الناس على أنهم خول ليزيد يحكم فى دمائهم واموالهم واهلهم بما شاء

اور جن کو قتل ہونا تھا وہ قتل کر دیئے گئے تو مسلم نے لوگوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔ ان کی جان و مال، بیوی بچوں کے بارے میں یزید جو چاہے حکم کرے۔

اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بطریق محمد بن سعید بن رمانہ، اس بیعت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

فلما كان من خلافهم عليه. ما كان فوجهه فأباحها ثلاثاً ثم دعاهم إلى بيعة يزيد وأنهم أعبد له قن فى طاعة الله ومعصيته

پھر جب اہل مدینہ سے یزید کی جو مخالفت ظاہر ہونی تھی ظاہر ہوئی تو یزید نے مسلم کو ان کی طرف بھیجا، اس نے آکر تین دن تک مدینہ کو حلال کر دیا (کہ فوج کے لئے اہالیان مدینہ پر ہر قسم کے ظلم و ستم کی کھلی چھٹی تھی) پھر لوگوں کو یزید کی بیعت کے لئے اس شرط پر دعوت دی کہ وہ یزید کے زرخرید غلام ہیں اور اللہ کی اطاعت ہو یا معصیت دونوں صورتوں میں اس کا حکم بجالانا ضروری ہے۔

اور امام طبرانی ہی نے حضرت عروہ بن زبیر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ:

فوجه يزيد مسلم بن عقبة فى جيش أهل الشام وأمره أن يبدأ بقتال اهل المدينة لم يسير إلى ابن الزبير بمكة. قال فدخل مسلم بن عقبة المدينة و بها بقايا من الصحابة فاسرف فى القتل ثم سار إلى مكة فمات فى بعض الطريق!

پس یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامی فوجوں کے ساتھ روانہ کیا اور اس کو یہ حکم دیا کہ پہلے اہل مدینہ سے قتال کرنا پھر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لڑنے کے لئے مکہ معظمہ کا رخ کرنا۔ عروہ کا بیان ہے کہ مسلم بن عقبہ جب مدینہ طیبہ میں

داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس (مردود) نے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا اور پھر مکہ معظمہ کی طرف چل پڑا مگر راہ ہی میں اس کو پیک اجل نے آلیا۔ (ان سب حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۰، ۶۱)

یاد رہے کہ یہی مسلم بن عقبہ ہے جس کو تاریخ میں اس کے ظلم وستم کی وجہ سے ''مسرف'' یا ''مجرم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ''حرہ واقم'' کے تحت لکھا ہے کہ فتنہ حرہ میں لشکر شام کے ہاتھوں ''موالی میں سے ساڑھے تین ہزار، انصار میں سے چودہ سو اور بعض سترہ سو بتاتے ہیں اور قریش میں سے تیرہ سو حضرات تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر لوگوں کے اموال لوٹے اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا۔''

اور محذرات عصمت کی جو عصمت دری ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے قلم بھی شرماتا ہے۔

حرم کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری

پھر یزید کی ہدایت کے بموجب اس لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر حرم الٰہی کا محاصرہ کر لیا۔ مجرم خبیث تو راستہ ہی میں مر گیا تھا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی۔ چنانچہ اس کی زیر کمان منجنیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی۔ مجرم نے ذی الحجہ ۶۳ھ میں مدینہ میں داخل ہو کر اس کو تباہ و تاراج کیا تھا۔ حصین بن نمیر نے صفر ۶۴ھ میں کعبہ شریف پر گولہ باری کی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور چھت میں آگ لگ گئی اور حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنبہ کے وہ دونوں سینگ بھی جل کر خاکستر ہو گئے جو اب تک خانہ کعبہ میں محفوظ چلے آرہے تھے۔ یہ اسی دنبہ کے سینگ تھے جو آپ کی قربانی کے فدیہ میں جنت سے لایا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یزید کو مزید مہلت نہ ملی اور وہ بھی اس واقعہ کے کچھ دن بعد اسی سال ۱۵ ربیع الاوّل کو مر گیا۔

یزید کا انجام بد

امام بخاری نے ''الجامع الصحیح'' میں باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں:

باب إثم من کاد اهل المدینة یعنی جو شخص اہل مدینہ پر داؤ لگائے اس کے گناہ کا بیان اور پھر اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یکید اهل المدینة أحد إلا انماع کما ینماع الملح فی الماء

جو شخص بھی اہل مدینہ پر داؤ چلائے گا وہ اسی طرح گھل جائے گا جس طرح کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص وابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ الفاظ آتے ہیں:

من أراد أهل المدینة بسوء أذابه الله کما یذوب الملح فی الماء

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو اسی طرح پگھلا کر رکھ دے گا جس طرح کہ نمک پانی میں پگھل جایا کرتا ہے۔

محدث قاضی عیاض اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

کما انقضی شان من حاربها ایام بنی امیه مثل مسلم بن عقبة فانه هلك فی منصرفه عنها ثم هلك یزید بن معاویة مرسله علی اثر ذلك (شرح صحیح مسلم از امام نووی ج ۱ ص ۴۴۱)

جس طرح کہ ان لوگوں کی شان (وشوکت) ختم ہو کر رہ گئی جنہوں نے بنوامیہ کے عہد حکومت میں اہل مدینہ سے جنگ کی تھی جیسے مسلم بن عقبہ کہ وہ اس جنگ سے پلٹتے ہی ہلاک ہو گیا اور پھر اسی طرح اس مہم پر اس کو بھیجنے والا یزید بن معاویہ بھی اس کے پیچھے پیچھے موت کے منہ میں چلا گیا۔

امام نسائی نے حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت

کیا ہے: من أخاف أهل المدينة ظالماً لهم أخافه الله و كانت عليه لعنة الله جو ظالم اہل مدینہ کو خوف میں مبتلاء کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر خوف کو مسلط کردے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

صحیح ابن حبان میں بھی بروایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی مضمون کی روایت آتی ہے۔ (ان دونوں روایتوں کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۸ ص ۸۱)

خود فیصلہ کیجئے

ہم نے یزید پلید اور اس کے عمال بد اعمال کے اعمال بد کے سلسلہ میں صحیح بخاری کی احادیث میں جو کچھ آیا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب ان احادیث کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اس کے جنتی ہونے کی شہادت دینا ضروری ہے یا اس کے اعمال بد پر نفرین کرنا، واقعی اگر وہ غزوہ قسطنطنیہ میں شہید ہوجاتا تو یہ اس کی بڑی سعادت ہوتی، لیکن اس کی قسمت میں تو یہ شقاوت لکھی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے دن اس وقت تک پورے نہ کرے۔ جب تک کہ اس کے ہاتھوں حرمین محترمین زادھما اللہ شرفا وتعظیما کی حرمت پامال نہ ہو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین اور ان کا قتل عام نہ ہو اور عترت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نہ ہوں۔ سوچئے اور خوب سوچئے کہ اس کا آخری انجام اگر لعنتی کاموں پر ہوا تو وہ لعنت کا مستحق ٹھہرے گا یا جنت کا حقدار؟

امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا

اس لئے امام جلال الدین سیوطی جیسے محتاط بزرگ کے قلم سے ''تاریخ الخلفاء'' میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں:

لعن الله قاتله وابن زياد معه ويزيد ايضاً ! (ص ۲۰۷)

اللہ تعالیٰ قاتل حسین پر لعنت کرے اور اس کے ساتھ ابن زیاد اور یزید پر بھی۔

اور عالم ربانی علامہ سعد الدین تفتازانی ''شرح عقائد نسفیہ'' میں لکھتے ہیں:

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلك واهانته اهل بیت النبی علیه السلام مما تواتر معناہ و ان کان تفاصیلها احادا فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه و علیٰ انصارہ واعوانه. (ص ۱۴۷ طبع مصر)

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا، ان تمام امور کی تفصیلات گو بطریق احاد مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں۔ اس لئے ہمیں تو اس کے بارے میں کیا۔ اس کے ایمان کے بارے میں بھی کوئی تردد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو اور اس سلسلے میں اس کے اعوان وانصار پر بھی۔

ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب وعذاب سے بری ہیں

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح رافضی اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں۔ اسی طرح یہ ناصبی بھی اپنے خلفاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ روز قیامت حساب وکتاب سے بری ہیں اور ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی نے ''دول الاسلام'' میں اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب یہ متولی خلافت ہوا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر چلنا چاہئے۔ اس پر چالیس شیوخ مملکت نے اس کے سامنے آکر یہ شہادت دی کہ:

ان الخلفاء لا حساب علیهم ولا عذاب!

(حافظ سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے ص ۲۴۶)

خلفاء کا نہ حساب ہوگا، نہ ان پر عذاب ہوگا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے:

وطائفة من الجهال الشامیین یعتقدون ذلك. (ج ۲ ص ۵۵)

شام کے جاہلوں کی ایک جماعت کا یہی اعتقاد ہے۔

یزید بن عبدالملک کے بڑے بھائی ولید بن عبدالملک کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۲۲۳) میں ابراہیم بن ابی زرعہ سے روایت کیا ہے کہ ولید نے ان سے دریافت کیا:

أیحاسب الخلیفة ؟

کیا خلیفہ سے بھی قیامت کے دن حساب لیا جائے گا؟

ابراہیم نے جواب دیا امیر المومنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ زیادہ مکرم ہیں یا حضرت داؤد (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام)؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت وخلافت دونوں عطاء فرمانے کے بعد یہ وعید سنائی ہے کہ:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ. (ص ۲۶۰)

اے داؤد ہم نے تجھ کو ملک میں خلیفہ کیا، ہو تو لوگوں میں انصاف سے حکومت کر اور اپنے جی کی خواہش پر نہ چل کہ وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے ہٹادے، جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس بناء پر کہ انہوں نے حساب کا دن بھلا دیا۔

اور خود یزید بھی جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی تصریح سابق میں گزری۔ چونکہ مرجیہ کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس لئے اس کا بھی یہی عقیدہ ہوگا۔

موجود ناصبی جو روافض کی تقلید میں اپنے منہ پر تقیہ کا نقاب ڈال کر اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور مساجد میں ان کی امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ چونکہ اپنے بزرگوں کے اس عقیدہ کا برملا اظہار نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ طرح طرح کی ابلہ فریبیوں کے ذریعہ اپنے مزعومہ امام برحق اور خلیفہ راشد سیدنا یزید کے جنتی ہونے کی خود بھی شہادت دیتے اور دوسروں سے بھی شہادت دلوانا

چاہتے ہیں لیکن کوئی سنی جس کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم عطاء کی ہے۔ ان کے فریب میں آ کر جس طرح حضرات عشرہ مبشرہ اور سادات فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنتی مانتا ہے۔ یزید کو کیسے جنتی کہہ سکتا ہے؟ سچ پوچھئے تو اس بارے میں ناصبی رافضیوں سے بھی زیادہ کھوٹے نکلے کیونکہ یہ تو یزید جیسے فاسق وفاجر اور سفاک وظالم کو اپنا امام اور خلیفہ برحق مانتے اور اس کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور رافضی جن بارہ حضرات کو امام معصوم کہتے ہیں وہ تو سب اولیاء کبار اور اخیار امت ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک نہ رافضیوں کا غلو اپنے ائمہ کے بارے میں صحیح ہے اور نہ ناصبیوں کا، دونوں صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔ نہ ائمہ اثنا عشر معصوم ہیں نہ یزید کا شمار بھلے آدمیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے۔ آمین!

(۲) دوسرا شبہ اور اس کا جواب

دوسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ: ''بہت سے صحابہ کرامؓ نے یزید سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے۔ اگر یزید کافر یا فاسق وفاجر اور شرابی اور زانی اور دشمن دین ہوتا تو یہ حضرات اس کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر وفسق نوازی اور فجور وبد دیانتی کی سرپرستی وتعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یزید کی بیعت کی گئی، نہ وہ کافر تھا اور نہ اس کے فسق کی اتنی شہرت تھی کہ سب کو اس کا حال معلوم ہوتا۔ پھر ایک جماعت صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ سلطان اگر عدل کرے تو رعیت کو اس کا شکر گزار ہونا چاہئے اور ظلم کرے تو رعیت کو صبر سے کام لینا چاہئے کیونکہ اقتدار سے ٹکر لینا آسان کام نہیں۔ اس سے سخت خونریزی ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اقتدار کی منتقلی میں کامیابی نہ ہو اور مزید ظلم وتشدد بڑھ جائے۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ شرح سیر کبیر میں فرماتے ہیں:

وعن جماعة من الصحابة رضی الله تعالی عنهم قالوا: اذا

عدل السلطان فعلی الرعیة الشکر و للسطان الأجر وإذجار فعلی الرعیة الصبر وعلی السلطان الوزر (ج ا ص ۱۰۸ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب سلطان عدل کرے تو رعایا کو شکر کرنا چاہئے اور سلطان کو اس کا اجر ملے گا اور اگر وہ ظلم کرے تو رعایا صبر کرے اور سلطان پر اس کا گناہ ہوگا۔

صحابہ یزید کے درباری نہ تھے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یزید کے درباری تو تھے نہیں اور نہ ان کو یزید کے ساتھ خلوت وجلوت میں رہنے کا موقع ملا تھا جو یزید کے کرتوت ان کو معلوم ہوتے۔

چنانچہ علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے ہی شرح سیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

وقد روی انه لما ولی یزید بن معاویة قال ابن عمر إن یکن خیرا شکرنا وان یکن بلاء صبرنا. ثم قرأ قوله تعالی: ''فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ (الفرقان آیت نمبر ۵۴)''

(ج ا ص ۱۰۸ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

اور یہ بھی مروی ہے کہ: جب یزید بن معاویہ حکمران ہوا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''اگر یہ بھلا ہوا تو ہم شکر کریں گے اور اگر بلا ہوا تو ہم صبر سے کام لیں گے۔ پھر آپ نے یہ ارشاد باری نقل فرمایا: (پھر اگر تم نے منہ پھیرا تو اس کے ذمے ہے جو بوجھ اس پر رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا گیا)

کفر وفسق کی سرپرستی تو جب ہوتی کہ جب یہ صحابہ یزید کے ساتھ اس کی بری حرکات میں شریک ہوتے۔ خلیفہ فاسق کا حکم یہی ہے کہ اگر کسی طاعت کا حکم دے تو اس کی اطاعت کی جائے اور معصیت کا حکم دے تو اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو ہدایت فرمائی تھی وہ جامع ترمذی اور سنن نسائی میں بایں الفاظ:

وعن کعب بن عجرة قال قال لی رسول الله صلی الله علیه

وسلم. أعيذك بالله من امارة السفهاء قال وما ذاك يا رسول الله قال امراء سيكونون من بعدى من دخل عليهم فصدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فليسوا منى ولست منهم ولن يردوا على الحوض ومن لم يدخل عليهم ولهم يصدقهم بكذبهم ولم يعنهم على ظلمه فأولئك منى وأنا منهم واولئك يردون على الحوض (رواه الترمذى والنسائى) (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل ثانی ص ۳۲۲)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں امارت سفہاء سے تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ امارت سفہاء کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کچھ امراء میرے بعد عنقریب ہوں گے، جس نے ان کے دربار میں جا کر ان کے جھوٹ کو سچ بتایا اور ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی، نہ ان کا تعلق مجھ سے ہے اور نہ میرا تعلق ان سے اور نہ وہ کبھی حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے اور جو ان کے دربار میں داخل نہ ہوا اور نہ ان کے کذب کی اس نے تصدیق کی اور نہ ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی سو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور یہی لوگ ہیں جو خوش کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی۔ چنانچہ ان کا انتقال یزید کی امارت سے پہلے ہی ۵۰ھ کے بعد ہو گیا تھا اور سنن ابی داؤد میں:

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجهاد واجب عليكم مع كل امير برا كان او فاجرا وان عمل الكبائر والصلوٰة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان او فاجرا وان عمل الكبائر والصلوة واجبة على كل مسلم برا كان او فاجرا وان عمل الكبائر (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۰، باب الامامۃ فصل ثانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد تم پر ہر امیر کی معیت میں واجب ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد اور خواہ مرتکب کبائر ہی کیوں نہ ہو اور نماز بھی تم پر ہر مسلمان (امیر) کے پیچھے پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور کبائر ہی کا مرتکب کیوں نہ ہو جب بھی اور ہر مسلمان پر نماز کا پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور خواہ کبائر میں بتلاء ہی کیوں نہ ہو۔

یہ شبہ رافضیوں کے شبہ کی طرح ہے

یہ بالکل اسی طرح کا شبہ ہے جیسے کہ روافض کہا کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چونکہ صحابہ ناراض تھے، اس لئے کسی صحابی نے بھی ان کی طرف سے کوئی دفاع نہ کیا بلکہ سب صحابہ مسجد نبوی میں اس شخص کے پیچھے کہ جو ان باغیوں کا سرغنہ تھا اور اس فتنہ میں جمعہ و جماعت کا امام بن گیا تھا۔ بڑے اہتمام سے نمازیں پڑھتے رہے۔ حالانکہ اس کے پیچھے نماز کا ادا کرنا خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے بموجب تھا جو صحیح بخاری میں ہے:

وعن عبيد الله بن عدى بن الخيار أنه دخل على عثمان وهو محصور فقال انك امام عامة ونزل بك ما ترى ويصلى لنا امام فتنة ونتحرج فقال الصلوة أحسن ما يعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساؤ فاجتنب اساءتهم

(رواہ البخاری، مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ فصل ثالث ص ۶۲)

عبید اللہ بن عدی بن الخیار سے (جن کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرابت بھی تھی) مروی ہے کہ انہوں نے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے۔ ان کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ آپ عامۃ المسلمین کے امام ہیں اور اس وقت آپ کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ اب فتنہ پردازوں کا امام ہماری امامت کر رہا ہے جس سے ہم دل تنگ ہیں۔ آپ نے ارشاد

فرمایا: ''نماز ان تمام اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے جو لوگ انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا جب لوگ نیکی کا کام کریں تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے میں شریک ہو جاؤ اور جب برائی کے مرتکب ہوں تو ان کی برائی سے بچتے رہو۔''

کیا یزید کے ظلم وستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے؟

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا حادثہ کربلا واقعہ حرّہ اور حصار حرم مکہ ان تینوں معرکہ ہائے ظلم وستم میں کوئی صحابی یا کوئی قابل ذکر تابعی شریک ہوا ہے؟ یا اس کی بزم مے میں کبھی کسی بھلے مانس نے شرکت کی ہے؟ جو یزید کی فسق نوازی اور فجور و بد دینی کی سرپرستی کا ان پر الزام عائد کیا جائے۔ باقی رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمانا کہ:

انا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله ورسوله

ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے عہد پر بیعت کی ہے۔

تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ ورسول کے حکم کے مطابق ہم نے اس سے بیعت کی ہے[1] لہٰذا ہم کسی امیر کی اطاعت میں جادہ شریعت سے باہر نہیں ہوں گے۔ اس میں یزید کے تقویٰ اور طہارت کا بیان نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے ہیں تو ابھی ان کی تصریح گزر چکی ہے کہ:

إن یکن خیراً شکرنا وإن یکن بلاء صبرنا

اگر وہ بھلا ہوا تو شکر کریں گے اور اگر بلا ہوا تو صبر کریں گے۔

یہ بھی خیال رہے کہ کتاب وسنت پر بیعت کرنے کی پیش کش تو بعض حضرات نے جنگ حرّہ کے موقع پر بھی کی تھی۔ پھر یزیدی لشکر کے سپہ سالار مجرم بن

---

[1] چنانچہ علامہ احمد قسطلانی نے ''ارشاد الساری'' الشرح صحیح البخاری میں اس کے یہی معنی لکھے ہیں فرماتے ہیں: (علی بیع الله ورسوله) ای علی شرط ما امر به من بیعة الامام یعنی جس شرط کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خلیفہ کی بیعت کا حکم دیا ہے اس کے مطابق۔

عقبہ نے اس پیش کش کی جس طرح پذیرائی کی اس کی تفصیل حافظ ابن حزم کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات جب بھی موقع ملتا یزید اور اس کے کارندوں کے ظلم وستم پر نکیر کرنے سے چوکتے بھی نہیں تھے۔ چنانچہ پہلے شبہ کے جواب میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے دور پرفتن کی کس طرح نشاندہی کی اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے پر مروان کو برسرمنبر کس طرح ٹوکا اور حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو اشدق کو حرم الٰہی پر فوج کشی سے کس طرح روکا اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ مزنی نے کس حکمت سے عبید اللہ بن زیاد کو فہمائش کی اور حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس کو سرزنش کی اور حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس لطف سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس پر اپنے غصے کا اظہار فرمایا۔ اب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیانات پڑھئے، صحیح بخاری میں ہے:

سمعت عبدالله بن عمر و ساله رجل عن المحرم قال شعبة أحسبه يقتل الذباب فقال اهل العراق يسألون عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال النبى صلى الله عليه وسلم هما ريحانتاى من الدنيا

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ مناقب الحسن والحسین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ اگر احرام کی حالت میں کوئی شخص مکھی کو مار ڈالے تو اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا اہل عراق مکھی کے قتل کرنے کے متعلق دریافت کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر ڈالا جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا تھا کہ حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں۔

یاد رہے کہ یزید کا برادر عم زاد عبید اللہ بن زیاد (اگر زیاد کو واقعی ابوسفیان کا بیٹا تسلیم کیا جائے) یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اس کے حکم سے عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر جرار لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آیا تھا اور اسی عراقی لشکر نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا۔ (اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ ''شہداء کربلا پر افتراء'') ابن زیاد بدنہاد نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے ساتھ جو گستاخی کی تھی۔ اس پر حضرت انس وحضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جس طرح اس پر اظہار ناراضگی کیا تھا وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر نے دارقطنی کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت اس سلسلہ میں نقل کی ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

عن محمد وعبد الرحمٰن ابنی جابر بن عبداللہ قالا خرجنا مع ابینا یوم الحرّۃ وقد کف بصرہ فقال تعس من أخاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا یا أبت وھل أحد یخیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من أخاف أھل ھذا الحی من الأنصار فقد أخاف ما بین ھذین ووضع یدہ علی جنبیہ.. (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں بیٹوں محمد وعبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ حرہ کے دن ہم اپنے ابا کے ساتھ باہر نکلے۔ اس وقت آپ کی بینائی زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف میں مبتلاء کیا۔'' ہم نے عرض کیا ابا جان! کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرا سکتا ہے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اس قبیلہ انصار کو ڈرایا اس نے میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان

جو چیز ہے۔ (یعنی قلب نبوی) اس کو ڈرایا اور جس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ ارشاد ہو رہا تھا۔ آپ اپنے دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ ان حضرات کی بیعت کے باوجود جن کا مستفتی نے نام لیا ہے۔ یزیدی لشکر نے حرہ کی جنگ میں ان بزرگوں کے جگر کے ٹکڑوں کو قتل کرنے سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت قطعاً نہیں کی تھی اور پھر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا۔ تب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سب سے اخیر میں بیعت کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸)

غرض! یزید کے دور حکومت میں یا تو صحابہ کرام اس سے برسر پیکار نظر آتے ہیں جیسے حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور وہ صحابہ جو جنگ حرہ میں اس کے خلاف لڑے (رضی اللہ عنہم) اور یا پھر اس کو یا اس کے عمال کو ان کے ظلم وستم پر روکتے ٹوکتے۔ جیسے (۱) حضرت عبداللہ بن عباس، (۲) حضرت عبداللہ بن عمر، (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، (۴) حضرت جابر بن عبداللہ، (۵) حضرت ابوشریح خزاعی، (۶) حضرت معقل بن یسار مزنی، (۷) حضرت انس بن مالک، (۸) حضرت زید بن ارقم، (۹) حضرت عبداللہ بن مغفل، (۱۰) حضرت عائذ بن عمرو، (۱۱) حضرت ابوبرزہ اسلمی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کوئی صحابہ ہمیں یزید کا ثناء خواں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ملتا اور نہ اس کی حمایت میں کسی معرکہ میں لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

اور یہ ہوتا بھی کس طرح جب کہ یزید کے عہد نحوست مہد کا نقشہ انوری کے اس شعر کے بالکل مطابق تھا:

بر بزرگان زمانہ شدہ خردان سالار
بر کریمان جہان گشتہ لئیمان مہتر

(۳) تیسرا شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے یہ ہے کہ: ''حضرت محمد بن حنفیہ نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ اس پر عائد کردہ الزامات کی پرزور تردید بھی کی۔ الخ!''

''منتقی'' کا غلط حوالہ

مستفتی نے اس سلسلہ میں ''البدایہ والنہایہ'' کا حوالہ ''منتقی ص ۲۸۱'' سے نقل کیا ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ''منتقی'' حافظ ذہبی کی تصنیف ہے جن کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی ہے اور ''البدایہ والنہایہ'' ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کی اور ان کا سنہ وفات ۷۷۴ھ ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ: ''منتقی'' میں خود اس کے خلاف صاف تصریح ہے کہ:

لم نعتقد انه من الخلفاء الراشدين كما قاله بعض الجهلة من الاكراد (ص ۲۷۹)

ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یزید خلفاء راشدین میں سے تھا جیسا کہ بعض جاہل کردوں کا عقیدہ ہے۔

ونحن نقول خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم صارت ملكاً كما ورد في الحديث..... يزيد كان ملك وقته وصاحب السيف كامثاله من المروانية والعباسية (ص ۲۸۱)

اور ہم تو اس کے قائل ہیں کہ خلافت نبوت تیس سال ہی رہی۔ پھر بادشاہی ہوگئی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ یزید بھی مروانیوں اور عباسیوں کی طرح اپنے وقت میں ایک صاحب شمشیر (وعلم) بادشاہ تھا۔

یاد رہے کہ حافظ ذہبی یزید کو قطعاً اچھا آدمی نہیں سمجھتے اور وہ خود ان الزامات کو اپنی تصانیف میں اس پر عائد کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کی تصریحات آگے موقع بہ موقع آرہی ہیں۔

ائمہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع

اور حافظ ابن تیمیہ نے ''منہاج السنہ'' میں جس کا خلاصہ یہی ''منتقی'' ہے، صاف لکھا ہے کہ:

و کذلك کونه عادلاً فی کل امورہ مطیعاً لله فی جمیع أفعاله لیس هذا اعتقاد أحد من ائمة المسلمین و کذلك وجوب طاعته فی کل ما یأمر به وان کان معصیة لله تعالی لیس هو اعتقاد احد من ائمة المسلمین! (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۴۰)

اور اسی طرح یزید کا تمام معاملات میں عادل ہونا اور اپنے تمام افعال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہونا یہ بھی ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے اور اسی طرح یہ بات کہ یزید کی اطاعت اس کے ہر حکم میں واجب بھی خواہ معصیت الٰہی کا ہی حکم کیوں نہ دے یہ بھی ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے۔

ہاں! منتقی کے منشی محب الدین خطیب نے (جو کہ پکا ناصبی ہے) اس افسانہ کو البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی تردید محدث حرم محمد عربی بتانی نے افادۃ الاخیار بہراۃ الابرار میں بڑی تفصیل سے کی ہے۔

حافظ ابن کثیر کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ یزید کے فسق کی تصریح کی ہے۔ مثلاً:

(۱) ایک مقام پر امام طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

کان یزید فی حداثته صاحب شراب یأخذ مأخذ الاحداث

یزید اپنی نوعمری میں پینے پلانے کا شغل رکھتا تھا اور اس میں نوجوانوں کی سی آزادی تھی۔ (ج ۸ ص ۲۸۸)

(۲) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وکان فیه ایضاً اقبال علی الشهوات وترك بعض الصلوة فی بعض الأوقات وإماتتها فی غالب الاوقات وقد قال الامام احمد حدثنا ابوعبد الرحمٰن ثنا حیوة حدثنی بشیر بن عمرو الخولانی أن الولید بن قیس حدثه انه سمع أبا سعید الخدری یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یکون خلف من بعد ستین سنة أضاعوا الصَّلوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ یُلْقَوْنَ غَیًّا

(ج ۸ ص ۲۳۰ سورہ مریم آیت نمبر ۵۹)

اور یزید میں یہ بات تھی کہ وہ خواہشات نفسانی کا متوالا تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی چھوڑ دیا کرتا تھا اور اکثر ناوقت پڑھتا تھا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ساٹھ سال کے بعد ایسے ناخلف ہوں گے جو نمازیں چھوڑیں گے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے اور عنقریب غی جہنم میں (جو کہ جہنم کی بدترین وادی ہے) داخل ہوں گے۔ (الحدیث)

(۳) اور پھر وہ حدیثیں ذکر کر کے جن میں یزید کی مذمت وارد ہے لکھتے:

قلت: یزید بن معاویة اکثر ما نقم علیه فی عمله شرب الخمر واتیان بعض الفواحش

میں کہتا ہوں یزید بن معاویہ پر اس کی بدکرداری کے سلسلے میں سب سے زیادہ جو الزام عائد کیا گیا ہے وہ مے نوشی اور بعض فواحش کے ارتکاب کا ہے۔

یاد رہے یہ سب الزامات وہ ہیں جو صحابہ نے اس پر عائد کئے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے ان الزامات سے یزید کی کہیں برأت نہیں کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب حافظ ابن کثیر خود محمد بن حنفیہ کی اس روایت پر اعتماد نہیں کرتے اور جابجا اس کے خلاف اپنے فیصلے صادر کرتے جاتے ہیں تو پھر محمد بن حنفیہ کی نسبت اس قول کی صحت معلوم؟

اور یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن سے محمد بن حنفیہ کا یہ مکالمہ برأت یزید کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے) دونوں صحابی ہیں۔ اب اگر یہ مکالمہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونوں صحابیوں نے تو یزید پر جھوٹی تہمت جوڑی اور ابن حنفیہ جو کہ صحابی نہیں ہیں ان کی بات سچی نکلی۔ یہ بات مستفتی کا ذہن تو قبول کرسکتا ہے لیکن عام مسلمان کا نہیں۔

اس افسانہ کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اس افسانے کا ذکر صرف تاریخ ابن کثیر میں ملتا ہے اور انہوں نے بھی اس کی کوئی سند بیان نہیں کی کہ اس پر کوئی علمی بحث کی جاسکے۔ اس افسانہ کو نہ امام ابن جریر طبری نے ذکر کیا ہے نہ حافظ ابن الاثیر جزری نے اور نہ کسی اور معتبر مؤرخ نے۔ لہٰذا پہلے محمد بن حنفیہ سے اس مکالمہ کو بسند صحیح ثابت کیا جائے پھر شبہ ظاہر کیا جائے اور بالفرض اس افسانہ کو صحیح مان لیا جائے تب بھی یزید کے بارے میں ابن حنفیہ کی تعدیل وستائش تابعین کبار کی جرح کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتی، صحابہ کی جرح کا تو کیا ذکر ہے۔ کیونکہ اصول حدیث کا متفقہ قاعدہ ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ پھر صحابہ کی جرح کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی تعدیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

فن رجال کا متفقہ فیصلہ، یزید اس کا اہل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے

یاد رہے تاریخ وفن رجال کی تمام کتابوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یزید کی عدالت مجروح ومقدوح ہے اور وہ اس کا اہل نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی ''تقریب التہذیب'' میں فرماتے ہیں:

یزید بن معاویة بن ابی سفیان الاموی ابو خالد ولی الخلافة سنة ستین ومات سنة أربع وستین ولم یکمل الاربعین لیس بأهل أن یروی عنه

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی ابو خالد ۶۰ ہجری میں متولی خلافت ہوا اور ۶۴ ہجری میں مرگیا۔ پورے چالیس سال کا بھی نہ ہوسکا۔ یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے کوئی حدیث روایت کی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ محمد بن حنفیہ کی طرف اگر اس قول کا انتساب صحیح ہوتا یا کسی بھی صحابی و تابعی سے یزید کی ثناء وصفت منقول ہوتی اور وہ محدثین وائمہ رجال کے نزدیک عادل ہوتا تو فن رجال کا یہ فیصلہ ہرگز نہیں ہوسکتا تھا جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔

(۴) چوتھا شبہ اور اس کا جواب

چوتھا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو یزید کو ان کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کی بیعت واطاعت کا حکم دیا۔

اغانی کی روایت میں یہ بات مذکور نہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کا فسق تواتر سے ثابت ہے۔ اس لئے اس کے صالح ہونے کا ذکر اگر کسی روایت میں آئے تو وہ روایت شاذ اور نا قابل قبول ہوگی۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے ''الاغانی'' میں اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے:

ان ابن عباس أتاه نعي معاوية وولاية يزيد وهو بعشى أصحابه ويأكل معهم وقد رفع إلى فيه لقمة فألقاها وأطرق هنية ثم قال جبل تد كدك ثم مال بجميعه فى البحر واشتملت عليه الابحر الله در ابن هند ما كان اجمل وجهه واكرم خلقه واعظم حلمه فقطع عليه الكلام رجل وقال اتقول لهذا فيه فقال: ويحك إنك لا تدرى من مضى عنك ومن بقى عليك وستعلم ثم قطع الكلام

(ج ۱۶ ص ۷۳ طبع دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر مرگ اور یزید کے حاکم بننے کی اطلاع پہنچی تو وہ اپنے اصحاب کو شام کا کھانا کھلا رہے تھے اور خود بھی بنیۃ ان کے ساتھ کھا رہے تھے۔ اس وقت آپ اپنے منہ میں لقمہ ڈالنے ہی والے تھے کہ آپ نے لقمہ رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہے۔ پھر فرمانے لگے کہ ایک پہاڑ تھا جو ریزہ ریزہ ہو کر سارے کا سارا سمندر میں چلا گیا اور اس کے کئی سمندر بن گئے[1]۔ ابن ہند (معاویہ) کے کیا کہنے، اس کا چہرہ کتنا پیارا، اس کا اخلاق کتنا عمدہ اور اس کا حلم کتنا زیادہ تھا۔ اس پر ایک شخص ان کی بات کاٹ کر کہنے لگا آپ بھی ان کے بارے میں ایسا کہتے ہیں۔ فرمایا: تجھ پر افسوس ہے تجھے پتہ ہی نہیں کہ تجھے چھوڑ کر کون چلا گیا اور تجھ پر مسلط ہونے کے لئے کون باقی رہ گیا۔ سو اب تجھے معلوم ہو جائے گا۔ اتنا کہہ کر آپ نے گفتگو ختم کر دی۔

اور مستفتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کے لئے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک ''الامامہ والسیاسہ'' کا دوسرے بلاذری کا۔

الامامہ والسیاسہ قابل استناد نہیں

الامامہ والسیاسہ قابل استناد کتاب نہیں، معلوم نہیں اس کا مصنف کون ہے؟ مشہور ادیب ابن قتیبہ کی طرف اس کی نسبت جعلی ہے۔

بلاذری کی سند صحیح نہیں

رہا بلاذری تو اس کی سند میں صحت معلوم نہیں ہوتی۔ ایسی روایت ہر حال میں مردود ہے اور اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہو تو سند پیش کر کے اس کی صحت کا ثبوت دے۔ خود مؤرخ بلاذری کی ''انساب الاشراف'' میں یزید کا تذکرہ اس کے

---

[1] حضرت ابن عباسؓ نے اس موقع پر جو رائے ظاہر کی ہے آئندہ ہونے والے واقعات نے اس کی تصدیق کی۔ چنانچہ تقریباً چودہ پندرہ سال تک اموی حکومت کو استحکام نصیب نہیں ہو سکا اور اسلامی دنیا اسی عرصہ میں خانہ جنگی میں مبتلاء رہی۔

فسق و فجور کے ذکر سے پر ہے۔ تاہم اس میں بعض ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن کی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے ۱۹۴۰ء میں یروشلم سے اس کتاب کو شائع کیا تھا اور انہی یہودیوں کی اتباع میں محمود احمد عباسی جیسے ملحدین نے مسلمانوں میں انتشار فکر پیدا کرنے کے لئے اس قسم کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی۔

بالفرض یہ روایت صحیح ہو تو حضرت ابن عباسؓ کی آخری رائے کا اعتبار ہوگا

اور بالفرض تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے بارے میں یہی اظہار خیال فرمایا تھا جو اس روایت میں مذکور ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ یزید کا فسق ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی زندہ تھے اور وہ سب کے سامنے نیک بنا رہتا تھا۔ اس لئے ممکن ہے نظر بظاہر آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد معاً بعد اس کے بارے میں ایسا اظہار خیال فرمایا ہو۔ بعد کو جب اس کا فسق عالم آشکارا ہوا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت نے اس کے ظلم وعدوان پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خود یزید کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا اصل اعتبار اس کا ہوگا۔

یزید اور حضرت ابن عباسؓ کی خط و کتابت

چنانچہ یزید کے نام حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خط و کتابت جو کتب تواریخ میں درج ہے وہ دیکھ لی جائے۔ اس سے سب حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نظروں میں یزید کا کتنا احترام تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تھی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار سے یزید سمجھا کہ چونکہ یہ میری بیعت میں داخل ہیں اس لئے انہوں

نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت سے انکار کیا ہے۔ اس بات سے خوش ہو کر اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو خط لکھا ہے وہ یہ ہے:

یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام

اما بعد: فقد بلغني أن الملحد ابن الزبير دعاك إلى بيعته وانك اعتصمت ببيعتنا وفاء منك لنا فجزاك الله من ذي رحم خير ما يجزي المواصلين الارحامهم الموفين بعهودهم فما أنسى من الأشياء فلست بناس برك وتعجيل صلتك بالذي أنت له أهل فانظر من طلع عليك من الافاق ممن سحرهم ابن الزبير بلسانه فاعلمهم بحاله فانهم منك اسمع الناس ولك أطوع منهم للمحل

(الکامل از ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰)

امابعد! مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت کے لئے کہا تھا اور آپ ہماری وفاداری میں ہماری بیعت پر مستقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر سے بہتر جزائے خیر عطاء فرمائے جو وہ ان حضرات کو عطاء کرتا ہے جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ سو اب میں کچھ بھی بھولوں، پر آپ کے اس احسان کو نہیں بھولوں گا اور نہ آپ کی خدمت میں فوراً ایسے صلے کی روانگی کو جو آپ کے شایان شان ہو، اب آپ ذرا اتنا خیال اور رکھیں کہ جو بھی بیرونی آدمی آپ خدمت میں آئے اور ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے اسے متاثر کر لیا ہو تو آپ ابن زبیر کے حال سے اسے آگاہ فرمائیں۔ کیونکہ اس حرم کعبہ کی حرمت کے حلال (ابن زبیر مراد ہیں کہ یزید کی بیعت نہ کرنے کے سبب یزید خاک بدہن گستاخ ان کو ملحد اور حرمت کعبہ کے ختم کرنے والا کہتا تھا) کرنے والے کی نسبت لوگ آپ کی زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں۔

حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ یزید کے نام

یزید کے اس خط کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے:

أما بعد: فقد جاءنی کتابك فأما ترکی بیعة ابن الزبیر فوالله ما ارجو بذالك برك ولا حمدك ولکن الله بالذی أنوی علیم و زعمت انك لست بناس بری فاحبس أیها الانسان برك عنی فانی حابس عنك بری وسألت أن أحبب الناس إلیك و أبغضهم وأخذلهم لابن الزبیر فلا ولا سرور ولا کرامة کیف و قد قتلت حسیناً و فتیان عبدالمطلب مصابیح الهدی و نجوم الاعلام غادرتهم خیولك بأمرك فی صعید واحد مرملین بالدماء مسلوبین بالعراء مقتولین بالظماء لا مکفنین ولا موسدین[1] تسفی علیهم الریاح وتنتابهم عوج الضباع حتی أتاح الله بقوم لم یشرکوا فی دمائهم کفنوهم واجنوهم وبربی بهم تعززت وجلست مجلسك الذی جلست فما أنسی من الاشیاء فلست بناس اطرادك حسینا من حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم إلی حرم الله وتیسیرك الخیول إلیه فلما زلت بذلك حتی الشخصته إلی العراق فخرج خائفاً یترقب نزلت به خیلك عداوة منك لله ورسوله و لأهل بیته الذین اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا فطلب الیکم الموادعة وسالکم الرجعة

---

[1] (یاد رہے الکامل لابن اثیر کے مطبوعہ نسخہ میں یہاں "موسدین" کے بجائے "مسودین" اور تنتابہم کی جگہ "یفشابہم" اور "عوج الصباع" کی بجائے "عرج البطاح" غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس کی تصحیح "مجمع الزوائد" سے کردی ہے)

فاغتنمتم قلة انصاره واستيصال اهل بيته و تعاونتم عليه كانكم قتلتم اهل بيت من الشرك والكفر فلا شئى اعجب عندى من طلبتك ودى وقد قتلت ولد أبى وسيفك يقطر من دمى وأنت أحد ثارى ولا يعجبك إن ظفرت بنا اليوم فلنظفرن بك يوما والسلام

(کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰، ۵۱)

اما بعد! تمہارا خط مجھے ملا۔ میں نے جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری ثنا وصفت کا خواہاں نہیں، بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو اے انسان اپنے اس حسن سلوک کو اپنے پاس اٹھا رکھ۔ کیونکہ میں اپنے حسن سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا اور تم نے جو مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کروں اور ابن زبیرؓ سے ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں سو ایسا بالکل نہیں ہو سکتا۔ نہ تمہاری خوشی ہمیں منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا ہے؟ حالانکہ تم نے حسینؓ کو اور ان جوانان عبدالمطلب کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا۔ ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور بھوکے بجو باری باری سے ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے۔

تا آنکہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی قوم کو بھیجا جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہ تھے، ان لوگوں نے آ کر ان کو کفن دیا اور دفن کیا۔ حالانکہ بخدا ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جس جگہ اب بیٹھا

ہوا ہے، اب میں خواہ سب چیزیں فراموش کر دوں، پر اس بات کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تو نے ہی حسینؓ کو مجبور کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم سے حرم الٰہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا رہا اور مسلسل لگا رہا، تا آنکہ ان کو عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا۔ چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا اور پھر تیرے سواروں نے ان کو جالیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا، رسول اور ان اہل بیت کی عداوت میں کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک وصاف کر دیا تھا۔ حسینؓ نے تمہارے سامنے صلح کی بھی پیشکش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ وہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال کیا جاسکتا ہے۔ موقع کو غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف باہم تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو۔ پس میرے نزدیک اب اس سے زیادہ اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری دوستی کا طالب ہے۔ حالانکہ تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے اور اس خیال میں نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے۔ ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے۔ والسلام!

(تاریخ شاہد ہے کہ حضرت کی یہ پیشین گوئی پوری ہو کر رہی اور عباسیوں ہی کے ہاتھوں امویوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا)

یزید کا یہ خط اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ جواب مؤرخ بلاذری نے بھی (انساب الاشراف ج ۴ ص ۱۸، ۱۹ طبع یروشلم ۱۹۴۰ء) میں نقل کیا ہے۔ لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آخری فیصلہ یزید کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف ہے۔

(۵) پانچواں شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے العواصم من القواصم میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے ''کتاب الزہد'' میں امیر یزید کا ذکر زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں ذکر کیا ہے جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

اس کا جواب

ابن العربی کی رائے غزالی کے بارے میں

یہ صحیح ہے کہ حافظ ابوبکر بن العربی، امام غزالی کے شاگرد تھے لیکن خود ان کے دل میں استاد کی جو قدر تھی وہ بھی سن لیجئے۔

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں ۵۴۵ ہجری کے وفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وممن توفی فیھا من الاعیان الفقیہ ابو بکر بن العربی المالکی شارح الترمذی کان فقیھاً عالماً وزاھدا عابدا وسمع الحدیث بعد اشتغالہ فی الفقہ وصحب الغزالی وأخذ عنہ و کان یتھمہ برأی الفلاسفۃ ویقول دخل فی اجوافھم فلم یخرج منھا (ج ۱۲ ص ۲۲۸، ۲۲۹)

اور اس سنہ میں جن بڑے لوگوں کا انتقال ہوا ان میں فقیہ ابوبکر بن العربی مالکی شارح ترمذی بھی ہیں۔ یہ فقیہ و عالم اور زاہد و عابد تھے۔ انہوں نے حدیث کا سماع فقہ میں مشغول ہونے کے بعد کیا تھا۔ غزالی کی صحبت میں رہے، ان سے علم بھی حاصل کیا اور غزالی کو فلاسفہ کی رائے سے بھی متہم کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ فلسفہ ان لوگوں کے پیٹوں میں ایسا گھسا کہ پھر نکلا ہی نہیں۔

ابن العربی کا فتوی کہ حسینؓ کا قتل جائز تھا

بجا ہے بقول شاگرد، استاد تو فلسفہ کے چکر سے ساری عمر نہ نکل سکے مگر خود بدولت کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ یزید جیسا شقی تو آپ کو اولیاء کبار کی صف میں نظر آیا اور ریحانہ الرسول، سید شباب اہل جنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نظر میں ایسے مجرم ٹھہرے کہ جناب نے جھٹ سے یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ:

قتل الحسین بشرع جدہ

حسین کو ان کے نانا کی شرع کے مطابق قتل کر ڈالا گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''مقدمہ ابن خلدون'' ص ۵۲ طبع مطبوعہ مصر ''العواصم من القوم'' از ابن العربی ص ۲۳۲ طبع قاہرہ ۱۳۷۱ھ)

نازم برین فطانت، سمجھ بوجھ ہو تو ایسی ہو۔ غالی ناصبیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں:

غلوا الناصبیة الذین یزعمون ان الحسین کان خارجیاً وانه کان یجوز قتله. (ج ۲ ص ۲۵۶، طبع امیریہ مصر ۱۳۲۱ھ)

ناصبیوں کا غلو ہے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کیا اور (اس لئے) ان کو قتل کرنا جائز تھا۔

قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی ہیں۔ چنانچہ انہی کے لئے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فتاوی عزیزی میں لکھتے ہیں:

نواصب فرقہ جدا است ورائے خوارج در مغرب وشام بسیار بودہ اند ومتوکل عباسی ووزیر او وعلی بن مہنہ نیز از جملہ نواصب است خوارج جمیع مقاتلین را از صحابہ ہمچو ابوطلحہ وزبیر وامیر المومنین علی المرتضی ومعاویہ وعمرو بن العاص را تکفیر می کنند ونواصب محض عداوت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ وذریت طاہرہ او شعار خود دارند واز متاخرین حافظ مغربی نیز ناصبی است (ج ۱ ص ۱۰۷ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ)

''نواصب''، ''خوارج'' سے جدا فرقہ ہے یہ مغرب اور شام میں بہت تھے خلیفہ المتوکل عباسی اور اس کا وزیر علی بن جہم بھی نواصب میں سے تھے، خوارج ان تمام صحابہ کرام کو جن میں باہم جنگ ہوئی یعنی حضرت طلحہ، حضرت زبیر، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ان سب کو کافر بتاتے ہیں اور ''نواصب'' نے صرف امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی عداوت کو اپنا شعار بنایا ہے۔ متاخرین میں حافظ مغربی (ابوبکر ابن العربی) بھی ناصبی ہے۔

کتاب الزہد میں جن صاحب کا تذکرہ ہے

وہ امیر یزید نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ ہیں

اس ناصبیت کی شامت سے شاید قاضی جی کو وہم ہو گیا اور انہوں نے ''کتاب الزہد'' میں یزید بن معاویہ کا نام دیکھتے ہی اس کو اپنا ممدوح امیر یزید سمجھ لیا، یہ امیر یزید اموی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہیں جو مشہور عابد و زاہد گزرے ہیں، ان کا تذکرہ تہذیب التہذیب وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے۔ ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے حافظ جمال الدین مزی کی تہذیب الکمال سے ان کا پورا ترجمہ نقل کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے، وہ لکھتے ہیں:

یزید بن معاویة النخعی الکوفی ذکر ابوبکر بن أبی خیثمه انه معدود فی العباد هو و عمرو بن عتبة بن فرقد و ربیع بن خیثم و همام بن الحارث ومعصد الشیبانی و جندب بن عبدالله و کمیل بن زیاد النخعی و اویس القرنی وحکی عن عبد الرحمٰن بن یزید النخعی قال خرجنا فی جیش نحو فارس فیه علقمة ویزید بن معاویة فقتل یزید بن معاویة له ذکر فی الدعاء من صحیح البخاری فی ''باب الموعظة ساعة بعد ساعة'' فی حدیث شقیق بن سلمة قال: کنا ننتظر عبدالله اذجاء

یزید بن معاویة فقلنا الا تجلس الحدیث وذکرہ فی التاریخ و ذکرہ فی التاریخ و ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات وقال قتل غازیاً بفارس

(اس کتاب کا عکسی نسخہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں موجود ہے)

یزید بن معاویہ نخعی کوفی ابوبکر بن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اور عمرو بن عتبہ بن فرقد اور ربیع بن خیثم اور ہمام بن الحارث اور مصعد شیبانی اور جندب بن عبداللہ اور کمیل بن زیاد نخعی اور اویس قرنی ان سب کا شمار عابدوں میں ہے، اور عبدالرحمٰن بن یزید کوفی نخعی سے منقول ہے کہ فارس کی مہم پر ایک لشکر میں ہم بھی روانہ ہوئے تھے۔ اس لشکر میں علقمہ اور یزید بن معاویہ بھی تھے پھر یزید بن معاویہ اسی مہم میں شہید ہو گئے۔ صحیح بخاری، کتاب الدعاء کے ''باب الموعظة ساعة بعد ساعت'' میں بروایت شقیق بن سلمہ مذکور ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہر آنے کے منتظر تھے کہ اسی اثناء میں یزید بن معاویہ بھی آ گئے۔ ہم نے ان سے عرض کیا آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ابن حبان نے بھی ''کتاب الثقات'' میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اب یہ خدا ہی جانے کہ قاضی ابوبکر ابن العربی کو اپنی خوش فہمی کی بدولت یہ وہم ہوا ہے یا انہوں نے قصداً ہی مغالطہ دینے کے لئے لوگوں کا ذہن یزید بن معاویہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بجائے (جو طبقہ کبار تابعین میں بڑے عابد وزاہد بزرگ گزرے ہیں) اپنے ممدوح امیر یزید بن معاویہ اموی کی طرف منتقل کر دیا، تاکہ لوگ اس یزید پلید کو بھی حضرت یزید کوفی نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح زہد وعبادت میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمسر سمجھنے لگیں۔

ناصبیوں کا امام طبری کو رافضی بتانا

درحقیقت یہ ویسی ہی ناپاک جسارت ہے جیسی کہ آج کل کے ناصبی

حضرت امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کرتے ہیں جو مجتہدین اہل سنت میں بڑے نامور امام گزرے ہیں اور انہیں صرف اس لئے رافضی بتاتے ہیں کہ اس نام کا ایک دوسرا رافضی عالم بھی گزرا ہے۔ ان ناصبیوں کی یہ سعی نامحمود صرف اس لئے ہے کہ امام طبری کی تاریخ ''ناصبیت'' کا ساتھ نہیں دیتی[1]۔

مطبوعہ کتاب الزہد اصل نہیں اس کا انتخاب ہے

واضح رہے کہ حال میں جو کتاب الزہد امام احمد بن حنبل کے نام سے مطبع ام القریٰ مکہ سے شائع ہوئی ہے، وہ پوری کتاب نہیں بلکہ اس کا انتخاب ہے۔ پوری کتاب جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں تصریح کی ہے بڑی ضخیم کتاب ہے جو مسند احمد بن حنبل کی تقریباً ایک تہائی ہے۔ موجود نسخہ جو اصل کتاب کا انتخاب ہے اس میں ''دونوں یزیدوں'' کا تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا قاضی جی کی ''العواصم'' سے اس باری میں استدلال کرنا محض نادانی ہے۔

یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح

بہر حال حضرت امام احمد بن حنبل کی طرف اس خرافات کو منسوب کرنا کہ: ''وہ یزید کو عابد و زاہد مانتے تھے، بہت بڑی جہارت ہے۔ حافظ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں یزید کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

---

[1] ناصبیت کی طرف میلان کے سبب حافظ مغربی ابوبکر ابن العربی اگرچہ تمام مؤرخین اسلام سے نالاں ہیں مگر امام طبری سے ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ تمام مؤرخین اسلام میں اگر ان کو کسی مؤرخ پر اعتماد ہے تو وہ صرف امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ العواصم من القواصم میں نہایت دل سوزی کے ساتھ ان کی تاکید یہ ہے ولا تسمعوا المؤرخ کلاماً الا للطبری (ص ۲۴۸) طبری کے سوا کسی مؤرخ کی کوئی بات نہ سنو۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ رافضیوں کے بارے میں حافظ ابوبکر ابن العربی سے زیادہ کون حساس ہوگا۔ امام طبری کی تصانیف بالخصوص تاریخ میں اگر رفض کی ترجمانی ہوتی تو وہ اس رائے کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے۔

لا ینبغی أن یروی عنه اس سے روایت نہیں کرنا چاہئے۔

اور حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

قیل له أتکتب الحدیث عن یزید بن معاویة قال لا ولا کرامة أولیس هو الذی فعل بأهل المدینة ما فعل

(مجموع فتاوی ابن تیمیہ ج ۳ ص ۴۱۲ طبع ریاض)

حضرت امام احمد بن حنبل سے عرض کیا گیا کہ کیا یزید بن معاویہ سے حدیث آپ لکھیں گے؟ فرمایا نہیں، اس کی کچھ وقعت نہیں، کیا یہ وہی شخص نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے ساتھ وہ ظلم کیا جو بیان سے باہر ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''تعجیل المنفعہ'' میں امام احمد کی کتاب الزہد اور ان کی مسند کے ان تمام رجال کا ذکر کیا ہے جن سے ''صحاح ستہ'' میں روایتیں نہیں ہیں۔ اس میں یزید بن معاویہ کے بارے میں یہ مذکور ہے:

ولم یقع له فی المسند روایة وإنما له مجرد ذکر

مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور نہیں صرف اس کا ذکر آیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وقد وقع لیزید بن معاویة ذکر فی الصحیح وفی السنن ایضاً وظفرت له فی المراسیل لابی داود بروایة ذکرت له من أجلها تذکرة فی تهذیب التهذیب.

یزید بن معاویہ کا ''صحیح بخاری'' میں بھی ذکر آیا ہے اور سنن میں بھی، (ذکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے بلکہ سلسلہ کلام میں کہیں اس کا ذکر آ گیا ہے) مجھے اس کی ایک روایت مراسیل ابی داؤد میں ملی ہے جس کی بناء پر میں نے تہذیب التہذیب میں اس کا تذکرہ لکھا ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ ''تہذیب التہذیب'' میں یہ بھی تصریح کر دی ہے:

ولیست له روایة تعتمد (اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل اعتماد ہو) واضح

رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ، تہذیب التہذیب اور لسان المیزان ان تینوں کتابوں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''لسان المیزان'' سے یزید کا مکمل ترجمہ

ہم لسان المیزان سے یزید کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

یزید بن معاویة بن أبي سفیان الاموی روی عن أبیه. وعنه ابنه خالد و عبدالملك بن مروان. مقدوح فی عدالة ولیس بأهل أن یروی عنه وقال احمد بن حنبل لا ینبغی أن یروی عنه انتهی وقد وجدت له روایة فی مراسیل أبی داؤد و نبهت علیها فی النکت علی الاطراف واخباره مستوفاة فی تاریخ ابن عساکر وملخصها أنه ولد فی خلافة عثمان وقد أبطل من زعم أنه ولد فی عهد النبوی و کنیته أبو خالد ولما مات أبوه بویع له بالخلافة سنة ستین. وامتنع من بیعته الحسین بن علی و عبدالله بن عمر وعبدالله ابن الزبیر رضی الله تعالیٰ عنهم وعاذ بحرم مکة قسمی عائذ البیت وأما ابن عمر رضی الله عنهما فقال إذا اجتمع الناس بایعت ثم بایع و أما الحسین رضی الله تعالیٰ عنه فسار إلی مکة فوافق بیعته أهل الکوفة فسار إلیهم بعد أن أرسل ابن عمه مسلم بن عقیل لأخذ البیعة فظفر به عبید الله بن زیاد أمیرها فقتله و جهز الجیش الی الحسین فقتل فی یوم عاشوراء سنة إحدی وستین

ثم إن أهل المدینة خلعوا یزید فی سنة ثلاث وستین فجهز إلیهم مسلم بن عقبة المری فی الجیش حافل فقاتلهم فهزمهم وقتل منهم خلق کثیر من الصحابة و ابناءهم وسبق اکابر التابعین وفضلائهم و استباحها ثلاثة ایام نهبا وقتلاً ثم بایع من بقی علی

14

أنهم عبيد ليزيد ومن امتنع قتل ثم توجه إلى مكة لحرب ابن الزبير فمات في الطريق وعهد الى الحصين بن نمير فسار بالجيش إلى مكة فحاصر ابن الزبير و نصيبوا المنجنيق على الكعبة فوهت اركانها ثم احترقت وفي اثنا ذلك ورد الخبر بموت يزيد ثم مات ابنه معاوية بن يزيد بعد قليل وصفا الجولا بن الزبير فدعا إلى نفسه فبايعه اهل الافاق واكثر اهل الشام ثم خرج عليه مروان بن الحكم فكان ما كان. قال أبو يعلى في مسنده حدثنا حكم بن موسى قال حدثنا الوليد عن الاوزاعي عن مكحول عن أبي عبيدة بن الجراح رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يزال أمر أمتي قائماً بالسوى حتى يكون أول من يثلمه رجل من بني أميه يقال له يزيد وقال أبو زرعة الدمشقي حدثنا أبو زرعة الدمشقي حدثنا أبو نعيم حدثنا شيبان عن ابن المنكدر قال لما جائت بيعة يزيد قال ابن عمر رضى الله عنهما إن كان خيرا رضينا و ان كان بلاء "صبرنا وقال ابن شوذب سمعت ابراهيم بن أبي عبد يقول سمعت عمر بن عبدالعزيز يترحم على يزيد بن معاوية وقال يحيى بن عبدالملك بن أبي عتبة حدثنا نوفل بن ابي عقرب قال كنت عند عمر بن عبدالعزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية فقال امير المؤمنين يزيد، فقال له عمر تقول أمير المؤمنين؟ وأمر به فضرب به عشرين سوطاً

قال ابوبكر بن عياش بايع الناس له في رجب سنة ستين ومات في ربيع الأول سنة ثلاث وستين كذا قال. والصواب في نصف ربيع الأول سنة اربع وكان سنة يوم مات ثمانياً وثلاثين سنة

(لسان المیزان ص ۲۹۳،

۲۹۴ ج ۶ ترجمہ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی طبع حیدر آباد دکن، انڈیا، ۱۳۳۱ ہجری)

جلد نمبر 4

یزید بن معاویہ ابن ابی سفیان اموی اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبدالملک بن مروان نے، اس کی عدالت مجروح ہے اور یہ اس کا اہل نہیں کہ اس کی کوئی روایت لی جائے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے روایت نہ کرنا چاہئے (یہاں ذہبی کی عبارت جو میزان الاعتدال میں ہے تمام ہوئی) مجھے اس کی ایک روایت ''مراسیل ابی داؤد میں ملی جس پر میں نے ''النکت علی الاطراف'' میں تنبیہ کردی ہے۔ یزید کے حالات ''تاریخ ابن عساکر'' میں تمام وکمال مذکور ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوا اور اس نے غلطی کی جس نے یہ کہا کہ اس کی ولادت عہد نبوی میں ہوئی تھی۔ اس کی کنیت ابو خالد ہے۔

۶۰ ہجری میں اپنے والد کے انتقال پر اس سے بیعت خلافت ہوئی، حضرت حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے بیعت نہ کی اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو حرم مکہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور اس بناء پر ان کو عائذ البیت کہا جانے لگا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: ''جب سب لوگ اس کی بیعت پر مجتمع ہو جائیں گے تو میں بھی بیعت کرلوں گا بعد کو آپ نے بھی بیعت کر لی۔'' رہے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پھر اہل کوفہ کے بیعت کرنے پر آپ ان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سے پہلے آپ اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بیعت لینے کی غرض سے بجانب کوفہ روانہ کر چکے تھے۔ وہاں امیر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کا ان پر قابو چل گیا اور اس نے ان کو قتل کر ڈالا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف فوج بھیجی۔ چنانچہ آپ کو بروز عاشوراء ۶۱ ہجری کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد اہل مدینہ نے ۶۳ ہجری میں یزید کی بیعت توڑ دی تو یزید نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے مسلم بن عقبہ مری کی سرکردگی میں ایک بھاری لشکر روانہ کیا، جس نے اہل مدینہ سے جنگ کر کے ان کو ہزیمت دی، اس جنگ میں صحابہ،

اولاد صحابہ اور اکابر تابعین میں سر برآوردہ حضرات اور فضلاء کی ایک کثیر خلقت قتل کر دی گئی، مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ شریف کو لوٹ مار اور قتل وغارت کے لئے حلال کر دیا۔ پھر جو زندہ بچ گئے ان سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں اور جس نے بھی بیعت سے انکار کیا اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس کے بعد مسلم نے مکہ معظمہ کا رخ کیا تا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی جائے مگر اسے راہ میں ہی موت نے آلیا، مسلم نے حصین بن نمیر کو سالار لشکر کیا تھا۔

چنانچہ یہ لشکر لے کر یہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس لشکر نے کعبہ کے بالمقابل منجنیق نصب کر کے اس پر گولہ باری شروع کر دی، جس سے کعبہ کی بنیادیں کمزور ہوئیں اور پھر اس میں آگ لگ گئی۔ اسی اثناء میں یزید کے مرنے کی خبر آئی اور پھر تھوڑی ہی مدت میں اس کا بیٹا معاویہ بن یزید بھی مر گیا۔ اب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں فضا صاف ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی بیعت کی دعوت دی اور تمام آفاق اور اہل شام کی اکثریت نے آپ سے خلافت پر بیعت کر لی پھر مروان نے آپ کے خلاف خروج کیا اور جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ امام ابو یعلیٰ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حکم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ولید نے اوزاعی سے حدیث نقل کی اوزاعی مکحول سے راوی ہیں اور مکحول حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا تا آنکہ بنی امیہ میں سے ایک شخص جس کا نام یزید ہے سب سے پہلے اس میں رخنہ ڈالے گا۔ ابوزرعہ دمشقی کہتے کے ہیں کہ ہم سے ابونعیم نے بیان کیا کہ ہم سے شیبان نے ابن المنکدر سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس یزید کی بیعت کی اطلاع آئی تو آپ نے فرمایا اگر یزید بھلا ہوا تو ہم اسے پسند کریں گے اور برا ہوا تو صبر کریں گے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کو یزید پر رحم کھاتے ہوئے سنا۔ (یعنی اپنی رحمدلی کی بناء پر اس پر ترس آتا تھا کہ خدا جانے اپنے اعمال بد کی پاداش میں اس کا کیا حشر ہو) اور یحییٰ بن عبد الملک بن ابی عتبہ کا بیان ہے کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے امیر المومنین یزید کے الفاظ نکل گئے تو اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس کو امیر المومنین کہتا ہے! اور پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی ہے۔ (اس نے یزید کو احتراماً ایسا کہا ہوگا اس لئے اس کو یہ سزا دی گئی کیونکہ فاسق کی تعظیم اور اس کا احترام ممنوع ہے)

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ یزید سے لوگوں نے رجب ۶۰ ہجری میں بیعت کی اور ربیع الاوّل ۶۳ ہجری میں وہ مرگیا، ان کا یہی بیان ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یزید ۱۵ ربیع الاوّل ۶۴ ہجری کو مرا ہے، جس دن اسے موت آئی اس دن اس کی عمر اڑتالیس سال کی تھی۔

ام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے

ظاہر ہے کہ اگر یزید کا ذکر امام احمد کی ''کتاب الزہد'' میں ہوتا تو حافظ ابن حجر عسقلانی جنہوں نے ''کتاب الزہد'' کے تمام رسائل پر کام کیا ہے یزید کے ترجمے میں اس کا ضرور ذکر کرتے۔ یزید سے روایت کے بارے میں تو امام احمد رحمہ اللہ نے جو رائے ظاہر کی وہ آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ اب وہ مستحق لعنت تھا یا نہیں، اس کے بارے میں امام ممدوح کی یہ تصریح پڑھ لیتے۔

حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

قال صالح بن احمد بن حنبل قلت لأبی إن قوما یقولون: إنهم یحبون یزید قال: یابنی: وهل یحب یزید أحد یؤمن بالله والیوم الآخر

فقلت: یا أبت فلما ذا لا تلعنه؟ قال یا بنی ومتی رأیت أباك یلعن أحدا

(مجموع فتاوی ابن تیمیہ ج ۳ ص ۴۱۲)

صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ یزید سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: بیٹے کوئی شخص بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کر سکتا ہے؟ میں نے پھر عرض کیا ابا جان! پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں فرماتے، آپ نے جواب دیا بیٹا! تم نے اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے۔

اس روایت میں امام ممدوح نے یہ نہیں فرمایا کہ اس پر لعنت نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنے عمل کو بتلا دیا کہ میں کسی پر لعنت نہیں کیا کرتا۔ مگر دوسری روایت میں جس کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں نقل فرمایا ہے اس کے مستحق لعنت ہونے کی صاف تصریح فرمادی ہے۔ یہ روایت حسب ذیل ہے:

قال ابن الجوزی انه روی القاضی أبو یعلی فی کتابه العتمد فی الأصول" بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال: قلت لأبی یا أبت یزعم بعض الناس انا نحب یزید بن معاویة فقال احمد یا بنی هل یسوغ لمن یؤمن بالله أن یحب یزید ولم لا یلعن رجل لعنه الله فی کتابه، قلت یا ابت این لعن الله یزید فی کتابه، قال: حیث قال: فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئك الذین لعنهم الله فاصمهم واعمی ابصارهم

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۴۳۴ طبع دہلی ۱۳۹۶ ہجری سورہ محمد آیت: ۲۲، ۲۳)

ابن جوزی کہتے ہیں کہ قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب "المعتمد فی الاصول" میں بسند صالح بن احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ ابا جان! بعض لوگ اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بیٹا! بھلا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا

ہو۔ کیا اس کے لئے یہ روا ہو سکتا ہے کہ وہ یزید سے محبت رکھے اور ایسے شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے، جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ میں نے عرض کیا: ابا جان! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت فرمائی ہے۔ فرمایا: جہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے: ''پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں، ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے، پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔''

واضح رہے کہ علماء حنابلہ میں بہت سے اکابر ائمہ کا عمل بھی اسی قول پر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۲۲۳) میں جہاں واقعہ حرّہ کے سلسلہ میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ مضمون آتا ہے کہ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلماً خوف میں مبتلاء کریں۔ وہاں ان کو بیان کر کے فرماتے ہیں:

وقد استدل بهذا الحديث و امثاله من ذهب إلى الترخيص في لعنة يزيد بن معاوية وهو رواية عن احمد بن حنبل. اختارها الخلال وابوبكر عبد العزيز والقاضي أبو يعلى وابنه القاضي ابوالحسين وانتصر لذلك ابو الفرج ابن الجوزي في مصنف مفرد وجوز لعنته

اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت ہے، اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت میں یہی وارد ہے اور اس کو خلال، ابوبکر عبدالعزیز، قاضی ابویعلیٰ اور ان کے صاحبزادے قاضی ابوالحسین نے اختیار فرمایا ہے اور حافظ ابوالفرج ابن الجوزی نے ایک مستقل تصنیف اس بارے میں لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا ہے۔

اب سوچئے! امام احمد بن حنبل کی ''کتاب الزہد'' میں اگر اس خلیفہ فاسق یزید بن معاویہ کا ذکر زہّاد وعباد میں ہوتا تو اس سے ائمہ حنابلہ امام خلال، ابوبکر عبدالعزیز، قاضی ابویعلیٰ، ان کے فرزند قاضی ابوالحسین، حافظ ابن الجوزی اور علامہ

ابن تیمیہ جیسے اکابر ائمہ حنابلہ واقف ہوتے یا قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی؟

قاضی ابوبکر ابن العربی کی ہجو

قاضی ابن العربی کی اس حرکت پر ہمیں بے اختیار وہ اشعار یاد آ گئے جو ان کی شان میں خلف بن حراد یب نے کہے ہیں، فرماتے ہیں:

یا اهل حمص و من بها اوصیکم
بالبر والتقوی وصیة مشفق
فخذوا عن ابن العربی اسمار الدجی
و خذوا الروایة عن امام متقی

اے حمص کے رہنے والو اور جو بھی وہاں ہوں تم کو ایک مشفق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔

''اس ابوبکر ابن العربی سے افسانہائے شب تو سن لو مگر حدیث کی روایت کسی متقی امام سے ہی کرو۔''

ان الفتی حلوا الکلام مهذب
ان لم یجد خبراً صحیحاً یخلق

''یہ نوجوان بڑا شیریں کلام اور مہذب ہے، اسے اگر صحیح حدیث نہ ملے تو اپنی طرف سے گھڑ لیتا ہے۔''

خلف کو ان اشعار کے کہنے کی نوبت اس لئے پیش آئی کہ اشبیلیہ (واقع اندلس) میں فقہاء کی ایک مجلس جمی ہوئی تھی۔ ابوبکر ابن المرجی اور دوسرے حضرات بھی وہاں موجود تھے۔ ابن العربی بھی شریک مجلس تھے۔ مجلس میں علمی مذاکرہ جاری تھا۔ حدیث ''مغفر'' کا ذکر چھڑا تو ابن المرجی نے کہا کہ یہ حدیث صرف بروایت ''مالک عن الزہری'' معروف ہے۔ اس پر ہمارے قاضی جی ابن العربی فرمانے لگے:

قد رویت من ثلاثة عشر طریقاً غیر طریق مالك

میں نے امام مالک کے علاوہ تیرہ سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔
یہ دعوئی سن کر حاضرین دنگ رہ گئے اور انہوں نے ان کی خدمت میں درخواست کی کہ براہ کرم ہم کو اس سلسلے میں استفادہ کا موقعہ عنایت فرمایا جائے۔ چنانچہ ابن العربی نے حاضرین سے روایت کو بیان کرنے کا وعدہ تو کر لیا مگر بعد کو کچھ نہ بتا سکے۔ ادیب مذکور نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ان کی ہجو میں یہ اشعار نظم کر دیئے۔

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں اس سارے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت هذه حكاية ساذجة لا تدل على جرح صحيح و لعل القاضي وهم وسرى فكره الى حديث فظنه هذا و الشعراء يخلقون الافك (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۹)

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک سادہ سا واقعہ ہے جو صحیح جرح پر دلالت نہیں کرتا اور شاید قاضی جی کو وہم ہوا اور ان کا خیال کسی اور حدیث کی طرف چلا گیا جس کو وہ یہی حدیث گمان کر بیٹھے اور شعراء تو غلط بیانی کرتے ہی رہتے ہیں۔

ہمیں بھی حافظ ذہبی سے ان کے بارے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں، جس طرح اس واقعہ میں ان کا خیال اس حدیث میں دوسری حدیث کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ اسی حدیث کو تیرہ سندوں سے روایت کرنے کے مدعی بن بیٹھے، ایسے ہی ناصبیت کی نحوست نے حضرت یزید بن معاویہ نخعی کوفی کے نام کو دیکھ کر ان کے دماغ کو اپنے ممدوح یزید کی طرف جو ایک سفاک و ظالم بادشاہ تھا پھیر دیا اور یہ اسے اپنے خیال میں عابد و زاہد سمجھ بیٹھے۔

(۶) چھٹا شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی فرماتے ہیں: یزید نے نہ تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر رضا مند تھا اور یزید کو

''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔

یزید کے جرائم کی فہرست طویل ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر صرف قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا الزام نہیں بلکہ اس کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ وہ مے نوش بھی تھا اور تارک صلوٰۃ بھی۔ اُس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ مدینہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام کرایا، حرم نبوی کی بے حرمتی کی، بیت اللہ کی حرمت کو پامال کیا، منجنیق سے عین حرم کعبہ میں گولہ باری کی جس سے کعبہ شریف کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔

امام غزالی کے فتوئی کی تنقیح

امام غزالی نے اپنے فتوئی میں ان جرائم کے ارتکاب سے یزید کی برأت نہیں کی ہے، نہ اس کی اس سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کی ہے۔ بالفرض! مان لیا جائے کہ یزید نے قتل حسینؓ کا حکم نہیں دیا، نہ وہ ان کے قتل پر راضی تھا مگر یہ تو ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت اس کے ہاتھوں نہیں تو اس کے عمال بداعمال کے ہاتھوں یقیناً عمل میں آئی ہے۔ پھر جب اُس نے نہ ان کے قتل کا حکم دیا تھا نہ اس پر راضی تھا تو آخر اپنے عمال سے اس سلسلہ میں اُس نے کیا باز پرس کی؟ اس کے بارے میں بھی امام غزالیؒ خاموش ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ امر غور طلب ہے کہ تاریخ ابن خلکان اُٹھا کر ان کے اس فتوئی کو اوّل سے آخر تک پڑھ لیجئے۔ اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یزید متقی اور پرہیز گار آدمی تھا اور نہ یہ ذکر ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں حق بجانب تھا۔ اس فتوی میں تو صرف دو مسئلوں پر کلام ہے، ایک تو یہ کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں کیونکہ امام غزالی کسی شخص معین پر اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے روادار نہیں خواہ وہ کافر ہو یا فاسق، کچھ یزید ہی کی اس مسئلہ میں تخصیص نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حقیقت کا معلوم کرنا کہ فی الواقع یزید قتل حسینؓ سے راضی تھا سخت دشوار ہے۔ امام غزالی کے اس شبہ کا جواب حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی نے ''الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم'' میں اجمالی طور پر حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ولما حکی ابن خلکان کلام الحافظ عماد الدین هذا أورد بعده کلاماً رواه عن الغزالی و کلامه ذلك شاهد ببرأة الغزالی من القول بتصویب یزید فی قتل الحسین وانما تکلم فی مسئلتین غیر ذلك احدهما تحریم اللعن ولم یخص یزید فهو مذهبه فی کل فاسق و کافر. کما رواه عنه النووی فی الأذکار وقد ذکر النووی أن ظاهر الاخبار خلاف ذلك و قد " أفردت الکلام علی ذلك فی کراس. وثانیها القول بأن العلم برضا یزید بقتل الحسین متعذر ولیس فی هذا نزاع ولو أقر یزید بلفظ صریح وسمعنا ذلك منه لم یعلم أن باطنه کما أظهر وقد جهل رسول الله صلی الله علیه وسلم بواطن المنافقین ووکل علم ذلك إلی الله تعالی ولکن الحکم للظاهر و قد روی البخاری فی صحیحه عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انه قال إن أناسا کانوا یؤخذون بالوحی علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وان الوحی قد انقطع فمن أظهر لنا خیرا امناه وقربناه ولیس لنا من سریرته شئی ومن أظهر لنا سوء لم نأمنه ولم نصدقه وان قال ان سریرته حسنة!

(الروض الباسم ج ۲ ص ۴۲ طبع مصر)

''اور جب ابن خلکان نے حافظ عماد الدین کیا ہر اسی کے اس فتویٰ کو نقل کیا (کہ جس میں یزید پر لعنت کی اجازت دی گئی ہے) تو اس کے بعد غزالی کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا جو اس امر کا شاہد ہے کہ غزالی قتل حسینؓ کے حق بجانب ہونے میں یزید کی حمایت سے بری ہیں۔ انہوں نے تو صرف دو مسئلوں پر بحث کی ہے جن کا اس بات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ ایک یہ کہ کسی پر لعنت کرنا حرام ہے، اس میں یزید کی کوئی

تخصیص نہیں بلکہ ہر فاسق اور کافر کے بارے میں ان کی یہی رائے ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے بھی اپنی کتاب ''الاذکار'' میں ان کا یہی مذہب نقل کیا ہے اور امام نووی کا بیان ہے کہ ظاہر احادیث اس مذہب کے خلاف ہیں اور میں نے ایک مستقل جزء اس مسئلہ پر تحریر کیا ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس بات کا یقینی علم کہ واقعی یزید قتل حسینؓ سے راضی تھا، محال ہے اور ہمیں بھی اس میں نزاع نہیں۔ بالفرض! اگر یزید صاف اور صریح الفاظ میں بھی قتل حسینؓ کا مقر ہوتا اور خود بھی اس کی زبانی اس کے اس اقرار کو ہم سن لیتے، تب بھی اس کا یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے۔ (کیونکہ اس امر کا امکان بہر حال تھا کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا ہو) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے باطنی حالات سے بے خبر تھے اور آپ نے حقیقت حال کا علم حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ لیکن شرع کا حکم یہ ہے کہ فیصلہ ظاہر حالات پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی کی بناء پر لوگوں کی گرفت ہو جاتی تھی اور اب وحی ختم ہوگئی۔ لہٰذا جو شخص بھی ہمارے سامنے خیر کا اظہار کرے گا ہم اسے امین سمجھیں گے اور اپنے پاس رکھیں گے اور اس کے باطن کے ہم کچھ ذمہ دار نہیں اور جو ہمارے سامنے بدی کا اظہار کرے گا اس کو نہ ہم امین سمجھیں گے اور اس کی بات کی تصدیق کریں گے۔ اگر چہ وہ یہ کہے جائے کہ میرا باطن بالکل ٹھیک ہے۔''

امام غزالی بزرگ آدمی ہیں، وہ تو ابلیس پر بھی لعنت کرنے کو نہیں کہتے اور نہ کسی کافر معین پر لعنت کو روا کہتے ہیں۔ پھر یزید پر لعنت کرنے کو کیوں کہیں گے؟ ان کے نزدیک ہر حال میں مومن کا ذکر الٰہی میں مشغول ہونا اولیٰ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یزید پر لعنت کرنا کوئی کار ثواب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ آدمی اس کا نام لے کر اپنی زبان کو گندہ کرے۔ ظاہر ہے کہ اس پر لعنت کی بجائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو تو اس میں بالاتفاق ثواب زیادہ ہوگا، مگر یزید پر لعنت کرنے سے اس کا متقی ہونا اور صالح ہونا کہاں سے ثابت ہوگیا؟

میدان کربلا میں حضرت حسینؓ کا آخری خطبہ

خود امام غزالی نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری خطبہ جو میدان کربلا میں آپ نے دیا تھا نقل کیا ہے۔ اس سے صورت واقعہ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں:

لما نزل القوم بالحسین رضی اللہ عنہ وأیقن أنهم قاتلوه قام فی أصحابه خطیباً فحمد الله وأثنی علیه ثم قال نزل من الامر ما ترون وان الدنیا قد تغیرت وتنکرت وأدبر معروفها و انشمرت حتی لم یبق منها الا کصبابة الاناء الاخسیس[1] من عیش کالمرعی الوبیل ألا ترون أن الحق لا یعمل به والباطل لا یتناهی عنه لیرغب المؤمن فی لقاء الله تعالیٰ و إنی لا أری الموت إلا سعادة والحیاة مع الظالمین إلا جرماً (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۹۸ طبع مصر)

جب یزیدی فوج حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آکر اتری اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ آپ کو ضرور قتل کر کے رہے گی تو آپ نے اپنے اصحاب کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا: جو مصیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے، دنیا بدل گئی اور اجنبی بن گئی، اس کی خوبی نے پیٹھ پھیر لی اور جلدی سے کھسک گئی۔ اب تو اس میں سے بس صرف اتنا سا باقی رہا ہے، جتنا کہ برتن میں سے پی لینے کے بعد اس میں کچھ لگا رہ جاتا ہے اور بس اتنی سی نکمی زندگی جو اس چراگاہ کی طرح ہے کہ جس میں چرنے سے بدہضمی ہو جاتی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا۔ اب مومن کو چاہئے کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت کرے اور میں تو مرنے میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ جینے کو جرم۔

یہ ہے یزید کے دور حکومت کا نقشہ جس کی تصویر حضرت حسین رضی اللہ

---

[1] "حسبی" احیاء العلوم میں غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے مجمع الزوائد سے اس کی تصحیح کی ہے۔

تعالیٰ عنہ نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر میں کھینچ کر رکھ دی ہے۔ اب یہ گتھی غزالیؒ یا ان کے پرستار خود حل کریں کہ جس قوم نے حضرت حسینؓ کا محاصرہ کیا تھا وہ یزیدی فوج نہیں بلکہ جنات و شیاطین تھے اور ابن خلقان (ہمارے پاس جو استفتا آیا اس میں قاف سے ہی مرقوم ہے) کے قاف سے نہیں بلکہ کاف سے ''ابن خلکان'' ہے۔

امام کیاہرا سی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے

اسی تاریخ ابن خلکان میں امام غزالی کے فتویٰ کے ساتھ ان کے استاد بھائی شمس الاسلام امام ابوالحسن علی بن محمد طبری الملقب عماد الدین المعروف بالکیا ہراسی جن کے بارے میں خود مؤرخ ابن خلکان نے حافظ عبد الغافر فارسی سے نقل کیا ہے کہ وکان ثانی الغزالی (یہ غزالی ثانی تھے) کا یہ فتویٰ بھی نقل ہے کہ:

وسئل الکیا ایضًا عن یزید بن معاویة فقال انه لم یکن من الصحابة لأنه ولد فی أیام عمر بن الخطاب رضی الله عنه وأما قول السلف فی لعنته ففیه لاحمد قولان تلویح وتصریح ولمالك قولان تلویح وتصریح ولابی حنیفة قولان تلویح وتصریح لنا قول واحد التصریح دون التلویح و کیف لا یکون کذلك وهو اللاعب بالنرد والمتصید بالفهود ومدمن الخمر وشعره فی الخمر معلوم. ومنه قوله:

الکیا سے بھی یزید بن معاویہ کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ یزید صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عمرؓ بن خطاب[1] کے ایام خلافت میں پیدا ہوا تھا۔ رہا سلف کا قول اس پر لعنت کے بارے میں تو امام احمدؒ کے اس بارے

---

[1] تاریخ ابن خلکان اب تک چار بار طبع ہو چکی ہے۔ ایک دفعہ ایران میں اور تین دفعہ مصر میں۔ اس کے لئے تمام مطبوعہ نسخوں میں عمر بن خطاب ہی مذکور ہے۔ لیکن علامہ کمال الدین دمیری نے ''حیوۃ الحیوان'' میں زیر عنوان ''فہد'' مؤرخ ابو العباس کرمانی نے ''اخبار الدول'' (ص ۱۲۰) میں اس فتویٰ کے جو اقتباس ذکر کئے ہوان میں ''عمر بن خطاب'' کی بجائے عثمان بن عفانؓ مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔

میں دو قول ہیں۔ ایک میں اس کے ملعون ہونے کی طرف اشارہ ہے دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک کے بھی دو قول ہیں۔ ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ اور دوسرے میں تصریح ہے اور امام ابوحنیفہ کے بھی اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ ہے۔ دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور ہمارا تو بس ایک ہی قول ہے جس میں اس پر لعنت کی تصریح ہے۔ اشارہ کنایہ کی بات نہیں اور وہ کیوں ملعون نہ ہوگا۔ حالانکہ وہ نرد کھیلتا تھا، چیتوں سے شکار کرتا تھا، شراب کا رسیا تھا، شراب کے بارے میں اس کے اشعار سب کو معلوم ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اشعار بھی ہیں:

أقول لصحب ضمت الكاس شملهم
وداعي صبابات الهوى يترنم

میں اپنے ان ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ جن کو جام شراب نے یکجا کر دیا ہے اور شوق محبت کا داعی ترنم ریز ہے۔

خذوا بنصيب من نعيم ولذة
فكل وان طال المدى يتصرم

(وہی بات ہوئی ؎
بر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست)

''نعمت ولذت میں سے اپنا حصہ لے لو کیونکہ ہر ایک کو خواہ اس کی مدت کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو آخر ختم ہونا ہے۔''

ولا تتركوا يوم السرور إلى غد
فرب غد يأتي بما ليس يعلم

''اور آج کے یوم مسرت کو کل پر نہ ٹالو کیونکہ بہت سے آنے والے کل ایسی کیفیت لے کر آجاتے ہیں جس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔''

وكتب فصلاً طويلاً ثم قلب الورقة وكتب لو مددت ببياض لمددت العنان في مخازي هذا الرجل

(تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۷ طبع بولاق مصر)

اس کے بعد الکیا نے ایک طویل فصل اسی موضوع پر لکھ ڈالی اور پھر ورق الٹ کر اس پر یہ لکھ دیا کہ اگر مزید اوراق مجھے دیئے جاتے تو میں اس شخص کی رسوائیوں کے بیان میں عنان قلم کو مزید تیز کر دیتا۔

غزالی اور کیا ہراسی دونوں شافعی مذہب کے فقیہ ہیں۔ ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں۔ غزالی مؤرخ و محدث نہیں۔ کیا ہراسی محدث بھی ہیں اور تاریخ سے واقف بھی، پھر ان کا فتویٰ کیوں قابل قبول نہیں؟

حافظ ابن الوزیر یمانی نے غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے

حافظ محمد بن ابراہیم ابن الوزیر یمانی نے جن کو قاضی شوکانی ''البدر الطالع'' میں حافظ ابن تیمیہ کا ہمسر و ہم پلّہ بتاتے ہیں۔ اپنی مشہور و معروف تصنیف ''العواصم والقواصم فی الذب عن سنة ابی القاسم'' میں جو شیعہ زیدیہ کے رد میں ان کی بے نظیر کتاب ہے امام غزالی کے اس فتویٰ کی خوب پوست کندہ تردید کی ہے اور ان کے استدلال کے ایک ایک جزء کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

یزید پر لعنت کے بارے میں شیخ عبدالحق کی رائے

اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی ''تکمیل الایمان'' میں فرماتے ہیں:

ودر اصل عادت و شیمہ اہل سنت ترک سب و لعن است کہ: ''المؤمن لیس بلعان'' لعنت بر خصوص شخصے اگرچہ کافر بود، جائز ندانند چہ دانی کہ عاقبت کار او بہ ایمان و سعادت بود مگر آنکہ بہ یقین معلوم شد کہ موت وے بر کفر و شقاوت است تا آنکہ بعض در یزید شقی نیز توقف کنند و بعض براہ غلو و افراط در شان وے و موالات وے روند و گویند کہ وے بعد ازاں کہ بہ اتفاق مسلمانان امیر شد و اطاعت وے بر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واجب شد

نعوذ باللہ من ہذا القول و من ہذا الاعتقاد کہ وے با وجود امام حسین امام و امیر شود و اتفاق مسلمانان بر وے کے شد جمع از صحابہ کہ در زمان

اوبودند واولاد اصحاب بہ منکر وخارج از اطاعت او بودند. نعم جماعہ از مدینہ مطہرہ بشام نزد وے کرہا وجبرا رفتند واو جائزہائے سنی ومانده ہائے بنی نزد ایشان نہاد بعد ازاں کہ حال قباحت مال اورا دیدند بمدینہ باز آمدند وضلع بیعت او کردند وگفتند کہ وے عدو اللہ وشارب خمر وتارک صلوۃ وزانی وفاسق ومستحل محارم است وبعضی دیگر گویند کہ وے امر بقتل آنحضرت نکردہ وبدان راضی نہ بود وبعد از قتل وے واہل بیت وے مسرور ومستبشر نشدہ واین سخن نیز مردود وباطل است چہ عداوت آن بے سعادت با اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم واستبشار وے بقتل ایشان واذلال واہانت اورا ایشان را بدرجہ تواتر معنوی رسیدہ است وانکار آن تکلف ومکابرہ است وبعضی دیگر گویند کہ قتل امام حسین گناہ کبیرہ است چہ قتل نفس مومن بناحق کبیرہ است وکفر ولعنت مخصوص بکافران است ولیت شعری کہ ارباب این ما قاویل با احادیث نبوی کہ ناطق اند با نکہ بغض وعداوت وایذا واہانت فاطمہ واولاد او موجب بغض وایذاء واہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است چہ می گویند وآن سبب کفر وموجب لعن وخلود نار جہنم است بلاشک بموجب آیت:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (سورۃ الاحزاب آیت:۵۷)

وبعض دیگر گویند کہ خاتمہ وے معلوم نیست شاید کہ او بعد از ارتکاب آن کفر ومعصیت توبہ کردہ باشد ودر نفس اخیر بر توبہ کردہ باشد ودر نفس اخیر بر توبہ مرفتہ باشد ومیل امام محمد غزالی در احیاء العلوم بہ این حکایت است وبعض از علماء سلف واعلام امت مثل امام احمد بن حنبل وامثال اورا وے لعنت کردہ اند وابن جوزی کہ کمال شدت وعصبیت در حفظ سنت وشریعت دارد در کتاب خود لعنت وے را از

سلفہ نقل کردہ است و بعضے منع کردہ اند و بعضے متوقف ماندہ اند

(تکمیل الایمان ص ۷۰، ۷۱، طبع حجازی دہلی)

دراصل اہل سنت کا وطیرہ اور عادت یہ ہے کہ وہ لعنت اور سب وشتم سے بچتے ہیں" کیونکہ مومن کا کام لعنت کرنا نہیں" وہ کسی بھی مخصوص شخص پر اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کو روا نہیں رکھتے۔ کیا پتہ کہ اس کا انجام ایمان وسعادت پر ہو، الّا یہ کہ یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ اس کی موت کفر وشقاوت ہی پر ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض حضرات یزید شقی کے بارے میں بھی توقف کرتے ہیں اور بعضے اس کی شان میں غلو اور افراط کرتے ہیں اور اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ چونکہ مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہوا تھا۔ لہٰذا اس کی اطاعت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی۔

ہم ایسی بات اور ایسے اعتقاد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ امام حسینؓ کے ہوتے ہوئے وہ امام اور امیر ہو۔ اس کے امیر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟ صحابہ کی ایک جماعت جو اس کے زمانہ میں تھی اور صحابہ زادے بھی اس کی اطاعت سے خارج اور اس کی خلافت سے منکر تھے۔ ہاں! مدینہ مطہرہ کی ایک جماعت جبراً وکرہاً اس کے پاس شام گئی تھی اور یزید نے ان کو بڑے بڑے انعام اور لذیذ دعوتوں سے نوازا بھی، لیکن یہ حضرات جب اس کا حال قباحت مال دیکھ کر مدینہ منورہ واپس ہوئے تو اس کی بیعت توڑ دی اور صاف بتادیا کہ وہ دشمن خدا تو مے نوش، تارک صلوٰۃ، زانی، فاسق اور محرمات الٰہی کا حلال کرنے والا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے آنحضرت کے قتل کا حکم ہی نہیں دیا اور نہ وہ آپ کے قتل پر راضی تھا اور نہ آپ کی اور اہل بیت کی شہادت پر خوش ہوا اور نہ اس پر اس نے کچھ خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات بھی مردود باطل ہے کیونکہ اہل بیت نبوی سے اس بدبخت کی عداوت اور ان حضرات کے قتل پر اس کا خوشیاں منانا اور خاص طور پر ان حضرات کی تذلیل واہانت کرنا تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچ چکا ہے اور ان امور کا انکار محض بناوٹ اور زبردستی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کا قتل گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ کسی مومن کا

ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہی ہے اور کفر ولعنت تو کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور کاش! مجھے پتہ چلتا کہ یہ سب باتیں بتانے والے ان احادیث نبوی کے بارے میں کہ جو اس امر پر ناطق ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کی ایذاء واہانت اور ان سے بغض وعداوت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء واہانت اور آپ سے بغض کا موجب ہے، کیا کہتے ہیں؟ حالانکہ ایسا کرنا تو بموجب آیت:

إِنَّ الَّذِينَ... الخ (بے شک جو لوگ ستاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے)

بلا شک سبب کفر ہے جس کی بناء پر لعنت اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہو جاتا ہے اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یزید کے خاتمہ کا پتہ نہیں شاید اس نے کفر ومعصیت کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لی ہو اور آخری سانس میں تو بہ ہی کی حالت میں گیا ہو۔ احیاء العلوم میں امام غزالی کا میلان بھی اسی حکایت کی طرف ہے اور بعض علمائے سلف واعلام امت نے جن میں امام احمد بن حنبل اور ان جیسے حضرات شامل ہیں یزید پر لعنت کی ہے اور محدث ابن جوزی کہ جو سنت وشریعت کی پاسداری میں پوری شدت وسرگرمی دکھاتے ہیں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کرنے کو سلف سے نقل کرتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں اور بعض اس سلسلہ میں توقف سے کام لیتے ہیں۔

لعن یزید میں اختلاف علماء کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تحقیق

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے کے بارے میں علماء میں جو اختلاف ہے، اُس کی وجہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''فتاویٰ عزیزی'' میں یہ بیان فرمائی ہے:

ودر لعن یزید توقف از ان جہت است کہ روایات متعارضہ ومتخالفہ از ان پلید در مقدمہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ وارد شدہ از

بعض روایات رضا واستبشار وابانت اہل بیت وخاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ مفہوم میگردد و کسانیکہ این روایات در نظر آنہا مرجح واقع شدہ حکم بہ لعن او نمودند چنانچہ احمد بن حنبل وکیا ہراسی از فقہائے شافعیہ ودیگر علمائے کثیر واز بعضی روایات کراہت این امر وعتاب بر ابن زیاد واعوان او وندامت برین کار کہ از دست نواب او بوقوع آمد، معلوم می شود. کسانیکہ این روایات نزد ایشان مرجح شد از لعن او منع نمودند چنانچہ امام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر علمائے شافعیہ واکثر علمائے حنفیہ، وجماعتی از علماء کہ نزد آنہا ہر دو روایت متعارض شدند وترجیح یک طرف بر دیگر حاصل نشد بنا بر احتیاط توقف نمودند ہمین است واجب بر علماء عند التعارض وہو قول ابی حنیفہ آمرے در لعن شمر وابن زیاد کہ مرضا واستبشار آنہا باین فعل شنیع قطعی است من غیر التعارض ہیچکس را در ان توقف نیست (ج ۱ ص ۱۰۰ طبع مجتبائی دہلی)

یزید پر لعنت میں توقف کی وجہ یہ ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بارے میں اس پلید کے متعلق متضاد ومخالفت روایتیں آئی ہیں۔ بعض روایات سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آپ کے اہل بیت کی اہانت پر شاداں وفرحاں تھا، جن حضرات کی نظر میں یہ روایات راجح قرار پائیں۔ انہوں نے اس پر لعنت کا حکم دیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل اور فقہائے شافعیہ میں سے کیا۔ ہراسی اور دوسرے بہت سے علماء کی یہی رائے ہے اور بعض روایات سے اس امر کی کراہت اور ابن زیاد اور اس کے اعوان وانصار پر عتاب اور اس کام پر ندامت کہ جو اس کے نائبوں کے ہاتھوں وقوع میں آیا معلوم ہوتا ہے۔ سو جن لوگوں کے نزدیک یہ روایتیں قابل ترجیح ہوئیں انہوں نے اس پر لعنت کرنے سے منع کیا۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے علماء شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ ہیں (کہ ان کی رائے یہی ہے)

اور علماء کی ایک جماعت کہ جن کے نزدیک دونوں روایتوں میں تعارض تھا اور ایک طرف کی روایت کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ تھی انہوں نے احتیاط کی بناء پر توقف کیا اور تعارض کے وقت علماء پر یہی واجب بھی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے[1] ہاں! شمر اور ابن زیاد پر لعنت کرنے میں کہ ان کا اس فعل شنیع کے ارتکاب پر راضی اور خوش ہونا روایات میں کسی قسم کے تعارض کے بغیر قطعی طور پر معلوم ہے، کسی شخص کو توقف نہیں ہے۔

یزید پر جب لوگوں نے پھٹکار کی تو قتل حسینؓ پر اظہار ندامت کیا

اگرچہ ہمارے نزدیک یزید کے بارے میں ان روایات میں جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں، سرے سے کوئی تعارض ہے ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ پہلے یزید قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت خوش تھا، بعد کو جب مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر لعنت اور پھٹکار شروع کی اور اہل اسلام کی نظر میں وہ حقیر ہونے لگا تو پھر اس نے اظہار ندامت شروع کر دیا۔ چنانچہ حافظ سیوطی ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھتے ہیں:

ولما قتل الحسين و بنو أبيه بعث ابن زياد برؤسهم إلى يزيد فسر بقتلهم أولاً ثم ندم لما مقته المسلمون على ذلك و أبغضه الناس وحق لهم أن يبغضوه (تاریخ الخلفاء ص ۸۱)

جب حضرت حسینؓ اور ان کے بھائی شہید کر دیئے گئے تو ابن زیاد نے ان شہداء کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا۔ وہ اوّل تو اس پر بہت خوش ہوا پھر جب مسلمانوں نے اس وجہ سے اس پر پھٹکار شروع کی اور اس سے نفرت کرنے لگے تو اس نے اظہار ندامت کیا اور مسلمانوں کو تو اس سے نفرت کرنا ہی چاہئے تھی۔

---

[1] غلط فہمی نہ ہو امام ابوحنیفہ سے یزید پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت نہیں بلکہ ان سے جو کچھ منقول ہے، وہ تعارض روایات کے وقت توقف کا قول ہے۔ یزید کے بارے میں خود ان کی تصریح آگے آرہی ہے کہ اس پر لعن جائز ہے۔

خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں بھی یزید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے۔ چنانچہ "تحفہ اثناء عشریہ" میں فرماتے ہیں:

وبعضے قتل انبیاء وپیغمبر زادہا میتمایند مثل یزید واخوان او

(ص ۳۰ طبع لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

اور بعض انبیاء اور پیغمبر زادوں تک کو قتل کر دیتے ہیں جیسے کہ یزید اور اس کے مقتوی بھائی ہوئے ہیں۔

یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا فیصلہ

اور یزید پر لعنت کے بارے میں بھی خود حضرت شاہ صاحب ممدوح کی جو رائے ہے، وہ ان کے مشہور شاگرد مولانا سلامت اللہ کشفی نے "تحریر الشہادتین" میں نقل کر دی ہے۔ فرماتے ہیں:

در این شکی نیست کہ یزید پلید آمر و راضی و مستبشر از قتل حسین رضی اللہ عنہ بود و ہمین است مذہب مختار جمہور اہل سنت و جماعت چنانچہ در کتب معتمدہ مثل مفتاح النجا مرزا محمد بدخشی و "مناقب السادات" ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی "وشرح عقائد نسفی" ملا سعد الدین تفتازانی و "تکمیل الایمان" شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیر آن از اسفار معتبرہ باشواہد و دلائل مذکور و مسطور است ولہذا لعن آن ملعون بہ حجج قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کردہ اند۔ و مختار راقم الحروف واساتذہ صوری و معنوی ماہمین است کہ یزید آمر و راضی و مستبشر بقتل حسین بود و مستحق لعنت ابدی و وبال و نکال سرمدی است واگر تأمل بکار رود قصر بہ مجرد لعنت در حق آن ملعون قصور ہست کہ مقصود بر آن نباید بود چنانچہ استاذ البریہ صاحب "تحفہ اثناء عشریہ" علیہ الرحمۃ ورسالہ "حسن العقیدہ" در حاشیہ کہ بر کلمہ علیہ مایستحقہ تعلیق فرمودہ اند افادہ مینمایند کہ علیہ مایستحقہ کنایہ است از لعنت والکنایہ

ابلغ من التصریح از قواعد مشہورہ عربیت است مع ہذا در ابہام مایستحقہ تفخیم تشنیعی است کہ در تصریح بلفظ لعنت فوت میگردد، چنانچہ در تفسیر فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ مذکور می شود وحق اینست کہ اکتفا بر محض لعنت در حق یزید قصور است زیرا کہ این قدر اجزاء مطلق قتل مؤمن مقرر کردہ اند قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (سورۃ النساء آیت: ۹۳)

ویزید را در این عمل زیادتیست کہ غیر او دست نداده وآن زیارت را جزبر استحقاق او حواله تواں کرد کہ علم بشر از معرفت خصوصیت آن عاجز است۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم اتنی کلامہ الشریف (تحریر الشہادتین ص ۹۶، ۹۷، مطبوعہ محلہ خیالی گنج آغا جان لکھنو ۱۲۵۶ھ)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید پلید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا پسندیدہ مذہب ہے۔ چنانچہ معتمد علیہ کتابوں میں جیسے کہ مرزا محمد بدخشی کی ''مفتاح النجا'' اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی ''مناقب السادات'' اور ملا سعد الدین تفتازانی کی ''شرح عقائد نسفیہ'' اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ''یکمیل الایمان'' اوران کے علاوہ دوسری معتبر کتابوں میں مع دلائل وشواہد مذکور ومرقوم ہے اور اسی لئے اس ملعون پر لعنت کے روا ہونے کو قطعی دلائل اور روشن براہین سے ثابت کر چکے ہیں اور راقم الحروف اور ہمارے اساتذہ صوری ومعنوی نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے، وہ بھی یہی ہے کہ یزید ہی قتل حسینؓ کا حکم دینے والا اوراس پر راضی اور خوش تھا اور وہ لعنت ابدی اور وبال ونکال سرمدی کا مستحق ہے اور اگر سوچا جائے تو اس ملعون کے حق میں صرف لعنت ہی پر اکتفاء کرنا بھی ایسی کوتاہی ہے کہ اس پر بس نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ استاذ البریہ صاحب ''تحفہ اثناء عشریہ'' (شاہ

عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ نے رسالہ ''حسن العقیدہ'' کے حاشیہ میں جملہ ''علیہ مایستحقہ'' پر جو تعلیق (نوٹ) سپرد قلم فرمایا ہے، اس میں افادہ فرماتے ہیں کہ ''علیہ مایستحقہ'' لعنت سے کنایہ ہے اور یہ بات کہ کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے، عربیت کا مشہور قاعدہ ہے۔ اس کے ساتھ مایستحقہ (یعنی جس کا وہ مستحق ہے) کے ابہام میں اس پر تشنیع اور اس کی حد درجہ خرابی جو پنہاں ہے، وہ صراحۃ لعنت کے لفظ کے استعمال سے فوت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آیۃ: ''فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ كه ما غَشِيَهُمْ'' کی تفسیر میں اس کا بیان آتا ہے اور حق یہ ہے کہ یزید کے حق میں محض لعنت پر اکتفاء کرنا کوتاہی ہے۔ اس لئے کہ اس قدر تو مطلق مومن کے قتل کی سزا مقرر کر چکے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: (اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے، پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب)

اور یزید نے تو اس عمل کے ارتکاب میں وہ زیادتی کی ہے کہ جو دوسرے کو میسر ہی نہ ہو سکی، اس لئے اس زیادتی کو بجز اس کے استحقاق کے اور کسی امر پر حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ انسان کا علم اس کے خصوصی استحقاق کی معرفت سے عاجز ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم! (یہاں حضرت شاہ صاحب کا ارشاد ختم ہوا)

معلوم ہوا کربلا میں جو مظالم کئے گئے، ان کی بناء پر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک یزید حق تعالیٰ کے اس قدر قہر و غضب کا سزاوار ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اس پر لعنت کرنا تو کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے بارے میں یوں کہنا چاہئے ''علیہ مایستحقہ'' کیونکہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ وہ اس کے کس قدر غضب کا مستحق ہے۔

بعض لعنت کرنے سے اس لئے رکتے ہیں کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں

اور بعض حضرات یزید پر اس لئے لعنت کرنا مناسب خیال نہیں کرتے کہ اس طرح اس کے گناہ اور کم ہوں گے۔ چنانچہ مولانا غلام ربانی ''ازالۃ الخطاء فی

رد کشف الغطاء" میں لکھتے ہیں:

وظاہر راست کہ گفتن لعن و طعن موجب سقوط وزر از مطعون میگردد لہذا از زبان بطعن او آلودہ نمی کند و روح یزید پلید تخفیف وزر شادمان نمی سازند بلکہ می خواہند بہ چنان حامل وزر گراں بود متصف المتن باشد

(ص ۴۵، ۴۶، طبع مطبع محب کشور ہند میرٹھ ۱۲۸۱ ہجری)

اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے وبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن کیا جاتا ہے۔ لہٰذا زبان کو لعنت سے آلودہ نہیں کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب یزید پلید کی روح کو شاد نہیں کرتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح گناہ کا بھاری بوجھ لادے لادے ہی کمر شکستہ رہے۔

بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے

اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے "شرح مقاصد" میں تصریح کی ہے کہ جو حضرات یزید پر لعنت کرنے سے منع کرتے ہیں، ان کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہے کہ کہیں عوام یزید پر لعنت کرتے کرتے بزرگوں تک نہ پہنچ جائیں، جیسا کہ رافضیوں کا شعار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فان قیل فمن علماء المذہب من لم یجوز اللعن علی یزید مع علمہم بانہ یستحق مایربو علی ذلک ویزید، قلنا تحامیاً عن ان یرتقی الی الاعلی فالاعلی کما ہو شعار الروافض (ص ۳۰۷ ج ۲ طبع قسطنطنیہ)

پھر اگر یہ کہا جائے کہ بعض علماء مذہب شافعی میں ایسے بھی ہیں کہ جو یزید پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ ان کو یہ علم ہے کہ وہ لعنت سے بھی بڑھ کر اور زیادہ وبال کا مستحق ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ منع کرنا اس احتیاط کی بناء پر ہے کہ کہیں یہ سلسلہ ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ تک نہ پہنچ جائے۔ جیسا کہ روافض کا شعار ہے۔

مگر جیسا کہ ہم نے سابق میں تحریر کیا ہے یزید کی فرد جرم میں صرف قتل حسینؓ ہی کا اندراج نہیں بلکہ اس کے گناہوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ آخر اس

کے کس کس جرم کا انکار کیا جائے گا۔ پہلے شبہ کے جواب میں جو کچھ لکھا جاچکا ہے، اسے ایک بار پھر پڑھ لیجئے۔ معلوم ہوجائے گا کہ اس امت کے ہلاکوؤں میں اس کا نام سرفہرست ہے۔

قریب ہے یارو روز محشر
چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر
لہو پکارے گا آستیں کا

یہ تو بات ہوئی اس کے جرائم اور قبائح کی۔ رہا! اس پر لعن کا مسئلہ تو اس تفصیلی بحث سے آپ نے بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ جن علماء نے بھی یزید پر لعن سے روکا ہے وہ اس لئے نہیں کہ یزید کوئی بھلا آدمی تھا بلکہ دوسرے مصالح کے پیش نظر اس کو مناسب نہیں سمجھا۔

یزید پر لعن کے بارے میں امام احمدؒ کی تصریح

ائمہ اہل سنت میں امام احمد بن حنبل کا جو مقام ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اسلامی دنیا میں جن چار اماموں کی فقہ کو قبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی اور جن کے مذہب پر آج تک عمل درآمد چلا آتا ہے ان میں ایک یہ بھی ہیں۔ یزید کے بارے میں ان کی تصریحات آپ پانچویں شبہ کے جواب میں پڑھ چکے ہیں:

(۱) لا ینبغی أن یروی عنه

اس سے کوئی روایت نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) وهل یحب یزید احد یومن باللہ والیوم الآخر

کوئی بھی شخص جس کا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے بھلا وہ یزید سے محبت کرسکتا ہے؟

(۳) لم لا یلعن رجل لعنه اللہ فی کتابه

آخر اس شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے کہ جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟

پھر یزید کے ملعون ہونے کی دو وجہیں بیان کیں:

(۱) ایک فساد فی الارض، (۲) دوسرے قطع رحمی، پھر فساد فی الارض کی تفصیل میں فرمایا:

اولیس ھو الذی فعل باھل المدینۃ ما فعل

کیا یہ وہی نابکار نہیں جس نے اہل مدینہ پر وہ ظلم توڑا جو بیان سے باہر ہے اور قطع رحمی کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے کہ میدان کربلا میں اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیا بیتی، ذرا بھی قرابت کا پاس ولحاظ نہیں کیا گیا۔

یزید پر لعن کے بارے میں امام اعظمؒ اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات

یزید پر لعن کے سلسلہ میں امام احمد کی جو رائے ہے وہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ''مطالب المومنین'' میں منقول ہے۔ (ملاحظہ ہو ''زجر الشبان والشبیہ عن ارتکاب الغیبہ'' مولانا عبدالحئی فرنگی محلی ص ۲۰ طبع ۱۳۹۸ ہجری، شائع کردہ مکتبہ عارفین کراچی)

اکابر حنفیہ میں امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی رحمہ اللہ المتوفی ۳۷۰ ہجری نے احکام القرآن میں یزید کو لعین ہی لکھا ہے۔ چنانچہ ان کی تصریح پہلے شبہ کے جواب میں گزر چکی ہے۔

امام جصاص

امام جصاص کا شمار مجتہدین فقہاء حنفیہ میں ہے۔ صاحب ہدایہ ان کی تخریجات کو اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں اور صاحب ''الاختیار تعلیل المختار'' نے ''کتاب الشہادات'' میں امام ممدوح کے متعلق لکھا ہے:

ولقد تصفحت کثیرا من کتب ابی بکر الرازی فما رأیتہ رجح علی قول ابی حنیفۃ قول غیرہ إلا فی ھذہ المسئلۃ (الاختیار ج ۲ ص ۱۴۲)

میں نے ابوبکر رازی کی کتابوں کو بہت کھنگالا ہے مگر سوائے اس ایک مسئلہ کے میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے قول پر دوسرے کے قول کو ترجیح دی ہو۔

(یعنی یہاں صاحبین کے قول پر فتویٰ دے دیا کہ شہود کا تزکیہ تمام حقوق میں ہونا چاہئے۔ حالانکہ امام صاحب کے مذہب میں صرف حدود قصاص میں تزکیہ ضروری ہے)

ائمہ بخارا کا فتویٰ

بعد کے اکابر علماء حنفیہ میں امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری المتوفی ۵۴۲ ہجری ''خلاصۃ الفتاوی'' میں رقمطراز ہیں:

اللعن علی یزید بن معاویة لا ینبغی ان یفعل و کذا علی الحجاج قال رحمه الله سمعت عن الشیخ الامام الزاهد قوام الدین الصفاری انه کان یحکی عن أبیه أنه یجوز ذلك و یقول... لا بأس باللعن علی یزید (ج ۴ ص ۳۹۰ طبع نول کشور)

یزید بن معاویہ اور اسی طرح حجاج پر لعن نہ کرنا چاہئے (مصنف کتاب) امام طاہر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ امام زاہد قوام الدین صفاری سے سنا ہے وہ اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ فرماتے تھے: یزید پر لعنت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

امام قوام الدین صفاری کا تعارف علامہ کفوی نے ان لفظوں میں کیا ہے:

''شیخ الاسلام و امام الائمة أوحد عصره فی العلوم الدینیة أصولا و فروعا مجتهد زمانه'' شیخ الاسلام، امام الائمہ اپنے زمانہ میں علوم دینیہ میں خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے یکتا اور مجتہد عصر تھے۔

(ملاحظہ ہو ''الفوائد البهیه فی طبقات الحنفیه'' از مولانا عبدالحئی لکھنوی فرنگی محلی)

اور ان کے والد ماجد رکن الاسلام ابراہیم بن اسماعیل زاہد صفار امام غزنوی کے معاصر ہیں۔ ان کے بارے میں حافظ سمعانی نے "کتاب الانساب" (کتاب الانساب، نسبت صفار) میں لکھا ہے کہ: "کان اماما ورعا زاهدا" یہ امام تھے اور زہد و ورع سے موصوف۔ فقہ میں امامت کے ساتھ ساتھ بڑے پایہ کے محدث بھی تھے۔ قاضی خان کے استاد ہیں۔ انہوں نے فقہ کی تعلیم انہی سے حاصل کی۔ ان کی وفات ۵۳۴ ہجری میں ہوئی۔ نسلاً انصاری وائلی ہیں۔ ان کا پورا خاندان اہل علم وفضل کا خاندان ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشی نے "الجوهر المضيئه" میں ان کے ترجمہ میں لکھا ہے: أهل بيت علماء وفضلا

چونکہ صاحب خلاصہ نے ان کے فتویٰ کو آخر میں نقل کیا ہے اور اس سے اپنے اختلاف کا اظہار نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں ائمہ بخارا (۱) امام طاہر افتخار الدین بخاری صاحب خلاصہ، المتوفی ۵۴۲ ہجری (۲) امام قوام الدین حماد بن ابراہیم صفار بخاری المتوفی ۵۷۶ ہجری (۳) امام رکن الدین ابراہیم صفار بخاری المتوفی ۵۳۴ ہجری کے نزدیک یزید پر لعنت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، بالکل جائز ہے لیکن چاہئے نہیں کیونکہ ایسا کرنا فرض، واجب یا مستحب نہیں محض مباح ہے۔

امام کردری کا فتویٰ

اور امام حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز کردری حنفی المتوفی ۸۲۷ ہجری "فتاویٰ بزازیہ" میں رقمطراز ہیں:

اللعن على يزيد يجوز ولكن ينبغي ان لا يفعل وكذا على الحجاج ويحكى عن الامام قوام الدين الصفاري انه قال لا بأس باللعن على يزيد... والحق أن يلعن يزيد بناء على اشتهار وتواتر فظاعة شره على ما عرف تفاصيله

(ج ۶ ص ۳۴۴، طبع میریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ ہجری بر حاشیہ فتاویٰ ہندیہ)

یزید اور اسی طرح حجاج پر لعنت کرنا جائز ہے مگر کرنا نہ چاہئے اور امام قوام الدین صفاری سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یزید پر لعنت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کردری کہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ یزید پر اس کے کفر کی شہرت نیز اس کی گمناؤنی شرارت کی متواتر خبروں کی بناء پر جس کی تفصیلات معلوم ہیں لعنت ہی کی جائے گی۔

خلاصۃ الفتاویٰ اور فتاویٰ بزازیہ کا شمار فقہ حنفیہ کی معتبر کتابوں میں ہے

یاد رہے کہ: ''فتاویٰ بزازیہ'' کا بھی ''خلاصۃ الفتاویٰ'' کی طرح فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں شمار ہے۔ ''صاحب کشف الظنون'' نے لکھا ہے کہ علامہ ابوالسعود مفتی روم سے جب یہ فرمائش کی گئی کہ مہم مسائل کے بارے میں آپ کوئی کتاب کیوں تالیف نہیں فرماتے؟ تو جواب دیا کہ:

انا استحیی من صاحب البزازیۃ مع وجود کتابہ لانہ مجموعۃ شریفۃ جامعۃ للمہمات کما ینبغی

مجھے ''فتاوی بزازیہ'' کے مصنف سے شرم آتی ہے کہ ان کی کتاب کے ہوتے ہوئے یہ جرأت کروں۔ کیونکہ یہ فتاوی کا بڑا قابل قدر مجموعہ ہے جس میں مہمات مسائل کو جیسا کہ چاہئے تھا جمع کر دیا ہے۔

لعن کے باب میں کتاب ''العالم والمتعلم'' کی عبارت

متاخرین علمائے حنفیہ میں سے جن حضرات نے بھی لعن یزید سے روکا ہے وہ امام غزالی کی رائے سے متاثر ہیں ورنہ اصل مذہب میں مرتکب کبیرہ کے حق میں اگرچہ استغفار افضل ہے مگر اس پر بددعا اور لعنت کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ امام اعظم کتاب ''العالم والمتعلم'' میں فرماتے ہیں۔ معلم سوال کرتا ہے:

أخبرنی عن الاستغفار لصاحب الکبیرۃ افضل أو الدعاء علیہ أوانت بالخیار فیما بین الدعاء علیہ باللعنۃ والاستغفار فبین لی ھذا کلہ

یہ تو فرمایئے کہ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا افضل ہے یا اس کے حق میں بددعا کرنا یا اختیار ہے خواہ اس کے حق میں استغفار کرے خواہ لعنت یہ سب مجھے صاف بتایئے۔

امام صاحب جواب دیتے ہیں

الذنب على منزلتين غير الاشراك بالله تعالى فأي الذنبين ركب هذا العبد فان الدعاء له بالاستغفار أفضل وإن دعوت عليه باللعنة لم تأثم وذلك بانه إذا ركب ذنباً منك وعفوت عنه ولم تدع عليه كان أفضل و ان ركب ذنبا فيما بينه وبين خالقه بعد أن كان لم يشرك بالله فرحمته ودعوت له بالمغفرة لحرمة الشهادة كان هذا أفضل وإن دعوت عليه بالهلاك لم تأثم وذلك بانك تقول يارب خذه بذنبه وإنما تكون آثما إذا أنت قلت يارب خذه بغير ذنب (ص ۱۷، مصر ۱۳۶۸ھ)

شرک کے علاوہ گناہ کے دو درجے ہیں جس درجہ کے گناہ کا بھی یہ بندہ مرتکب ہوگا اس کے حق میں استغفار کرنا افضل ہے اور اگر اس پر لعنت کی بددعا کرو جب بھی تمہیں گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر اس نے تمہارے ساتھ گناہ کا معاملہ کیا اور تم نے اس کو معاف کر دیا اور اس پر بددعا نہ کی تو یہ افضل ہے اور اگر اس نے اللہ میاں کا گناہ کیا مگر شرک کا مرتکب نہیں ہوا اور پھر تم نے اس کے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں رحمت ومغفرت کی دعا کی تو یہ بھی افضل ہے اور اگر اس کے لئے بربادی وہلاکت کی دعا کی تب بھی گنہگار نہ ہوگے۔ کیونکہ اس صورت میں تو تم یوں کہہ رہے ہو کہ یا اللہ تو اس کو اس گناہ کی سزا دے۔ گنہگار تو تم جب ہوتے جب کہ گناہ کئے بغیر اس کے حق میں بددعا کرتے اور یوں کہتے ہیں یا اللہ بغیر گناہ ہی اس کو پکڑ لے۔

مسلمان کے حق میں لعنت کرنے کا مطلب

جو مسلمان مرتکب کبیرہ ہو، اس کے حق میں لعنت کرنے کا یہی مطلب ہے جو امام صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ امام نوویؒ نے بھی شرح صحیح مسلم میں حدیث۔

من أحدث فيها حدثاً فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين

جو مدینہ منورہ میں گناہ کا ارتکاب کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

کے تحت یہی لکھا ہے:

قالوا ان المراد باللعن هنا العذاب الذی یستحقه علی ذنبه والطرد عن الجنة أول المرة ولیس هی کلعنة الکفار الذین یبعدون من رحمة الله کل الابعاد (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۱، طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۹ھ)

علماء نے بیان کیا ہے کہ لعنت سے مراد یہاں وہ عذاب ہے جس کا وہ اس گناہ کے سبب مستحق ہے اور ابتداء میں جنت سے محرومی ہے۔ یہ لعنت کفار پر لعنت کی طرح نہیں کہ جو بالکلیہ حق تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے ہیں کہ کبھی جنت میں جائیں گے ہی نہیں۔

یزید پر بھی لعنت کرنے کے یہی معنی ہیں کہ حق تعالیٰ اس کے ان برے کرتوتوں پر اس کو سزا دے جس کا وہ مستحق ہے اور اس کے حق میں ایسا کہنا خواہ افضل نہ ہو لیکن اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ یزید کا صالح اور متقی ہونا تو کجا اس کی جو حیثیت علماء کی نظر میں ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ ان میں باہم اس امر پر اختلاف ہے کہ اس کی موت اسلام پر ہوئی یا کفر پر اور آیا اس پر لعنت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بس اتنی ہی بات اس کی شخصیت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔

(۷) ساتواں اور (۸) آٹھواں شبہ

یہ ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تایا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ام محمد اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی ام مسکین سے نکاح کیا تھا۔

ان شبہوں کا منشاء کیا ہے؟

کیا یہ کہ ان دونوں بیبیوں کا نکاح یزید سے کیوں ہوا؟ تو یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ام محمد اور ام مسکین سے یزید نے کب نکاح کیا تھا؟ اس کے فسق و فجور کے الم نشرح ہو جانے کے بعد یا اپنی ابتدائی عمر میں جب کہ اس کا فسق ظاہر نہ ہوا تھا، اس لئے پہلے تاریخ سے یہ ثابت کیا جائے کہ یہ دونوں خواتین شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد یزید کے حبالہ عقد میں آئیں تب کچھ بات بنے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یزید نے ان سے نکاح اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں اس وقت کیا جب کہ اس کی بری شہرت نہ تھی اور اس وقت تک اس سے ان مظالم کا ظہور بھی نہ ہوا تھا کہ جس پر امت اس کو آج تک لعنت ملامت کرتی چلی آتی ہے تو پھر اس سے نکاح میں کیا قباحت تھی؟ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یزید اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ہی کھل کھیلا ہے ورنہ اگر ان کی زندگی ہی میں اس کا فسق اس طرح عالم آشکارا ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ وہ اس کو ولی عہد ہی کیوں بناتے؟

اور اگر شبہ کا منشاء یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تایا زاد بھائی کی لڑکی چونکہ اس کے حبالہ عقد میں تھی اس لئے وہ بھتیجی داماد ہونے کی بناء پر اپنے سسر کو کس طرح قتل کر سکتا تھا؟ تو اس شبہ کا پوچ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ آئے دن اخبارات میں سسر اور داماد کے قتل کے واقعات آتے رہتے ہیں اور یزید تو حضرت حسینؓ کا حقیقی داماد بھی نہ تھا۔ برادران یوسف علیہ السلام کا قصہ تو ہر شخص کو معلوم ہی ہے۔

(۹) نواں شبہ

یہ ہے کہ حضرت زین العابدینؒ نے یزید سے بیعت کی اور واقعہ حرہ کے موقع پر اس کا حسن سلوک دیکھ کر اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔

اس شبہ کا جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی بن حسین المعروف بہ زین العابدینؒ دمشق اپنی خوشی سے نہیں گئے، ان کو تو پا بہ زنجیر اسیران کربلا کے ساتھ عبید اللہ بن زیاد نے دمشق بھیجا تھا۔ وہاں یزید نے ان سے سخت کلامی کی اور انہوں نے بھی اس کو ویسے ہی سخت جواب دیئے۔ یزید سے بطوع ورغبت ان کا بیعت کرنا اور اس کے حق میں دعائے خیر کرنا، خصوصاً واقعہ حرہ کے بعد ان سے ثابت نہیں۔ طبقات ابن سعد میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ صرف (مسرف بن عقبہ) نے حضرت زین العابدین سے یہ کہا تھا کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ (إن أمير المؤمنين أوصاني بك خيرا) اور اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ وصل الله أمير المؤمنين (اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اس کا صلہ دے) لیکن اس کی اسناد یہ ہے: أخبرنا محمد بن عمر قال حدثني أبو بكر بن عبد الله بن أبي سبرة عن يحيى بن شبل عن ابي جعفر (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۵)

اس کا پہلا راوی محمد بن عمر واقدی ہے جو مشہور ضعیف الروایہ ہے۔ دوسرا ابی بکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ہے جو وضع حدیث میں متہم ہے۔ یزید کی منقبت ایسے ہی ناکارہ لوگوں کی روایت سے ثابت کی جاسکتی ہے۔ صحیح روایت کہاں مل سکتی ہے اور اتنی بات کسی کافر کے بارے میں کہی جائے تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ یزید کے اس سلوک کا یہی بہتر جواب ہوسکتا تھا اور یہ کن الفاظ کا ترجمہ ہے کہ للہ تعالیٰ امیر المومنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔ ''بلاذری'' اور ''طبقات ابن سعد'' کی اصل عبارت پیش کی جائے، کسی کتاب کا غلط حوالہ دینا باعث شرم ہے۔

یزید کے کمانڈر کی حضرت زین العابدینؒ کے ساتھ بدتمیزی

واقعہ حرہ میں حضرت زین العابدینؒ اگرچہ بالکل الگ رہے کیونکہ کربلا میں خاندان اہل بیت پر یزیدی لشکر نے جو قیامت ڈھائی تھی وہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے مگر پھر بھی یزیدی فوج کے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے (جس کو مؤرخین سلف

مجرم یا مسرف بن عقبہ) کے برے نام سے یاد کرتے ہیں؟ ان کے ساتھ جس بے ہودگی کا مظاہرہ کیا، اس کی تفصیل حافظ ابن کثیر کی زبانی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں:

واستدعی بعلی بن الحسین فجاء یمشی بین مروان بن الحکم وابنه عبدالملك لیاخذله بهما عنده أماناولم یشعر أن یزید أوصی به فلما جلس بین یدیه استدعی مروان بشراب وقد کان مسلم بن عقبة حمل معه من الشام ثلجاً الی المدینة فکان یشاب له بشرابه فلما جئی بالشراب شرب مروان قلیلاً ثم اعطی الباقی لعلی بن الحسین لیأخذله بذلك أماناوکان مروان موادا لعلی بن الحسین فلما نظر الیه مسلم بن عقبة قد أخذ الاناء فی یده قال له: لا تشرب من شرابنا ثم قال له: إنما جئت مع هذین لتأمن بهما فارتعدت ید علی بن الحسین وجعل لا یضع الاناء من یده ولا یشرب به ثم قال له: لولا أمیر المؤمنین اوصانی بك لضربت عنقك ثم قال له: إن شئت أن تشرب فاشرب وإن شئت دعونالك بغیرها فقال: هذه الذی فی کفی أرید فشرب ثم قال له مسلم بن عقبة: قم إلی ههنا فاجلس فاجلسه معه علی السریر وقال له: ان أمیر المومنین أوصانی بك وان هؤلاء شغلونی عنك ثم قال لعلی بن الحسین لعل أهلك فزعوا فقال إی والله. فأمر بدابته فاسرجت ثم حمله علیها حتی ردہ إلی منزله مکرما

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۰)

مسلم بن عقبہ نے حضرت علی بن حسین زین العابدینؒ کو طلب کیا۔ وہ مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کے درمیان پا پیادہ چل کر اس کے پاس پہنچے تا کہ ان دونوں کے ذریعے اس سے امان لے سکیں۔ ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ یزید نے ان کا خیال رکھنے کے بارے میں مسلم کو تاکید سے کہہ دیا تھا۔ چنانچہ جب آپ اس کے سامنے آکر بیٹھ گئے تو مروان نے کچھ پینے کے لئے مانگا۔ مسلم بن عقبہ جب شام سے مدینہ کی طرف چلا تھا تو اپنے ساتھ وہاں سے برف لے کر آیا تھا اور وہ

برف اس کے مشروب میں ڈال دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب پینے کے لئے لایا گیا تو مروان نے اس میں سے تھوڑا سا پی کر باقی حضرت علی بن الحسینؓ کو دے دیا تا کہ اس ذریعہ سے ان کے لئے امان حاصل کر لی جائے۔ مروان حضرت علی بن حسینؓ کا دوست بنا ہوا تھا۔ مسلم بن عقبہ کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی کہ حضرت زین العابدینؒ نے برتن اپنے ہاتھ میں اٹھالیا تو کہنے لگا ہمارا پانی نہ پینا اور پھر کہا: تو ان دونوں کے ساتھ اس لئے آیا ہے کہ ان کے ذریعہ امان حاصل کر سکے۔ یہ سن کر آپ کا ہاتھ کانپنے لگا اور نہ برتن ہی ہاتھ سے رکھا جاسکتا تھا اور نہ ہی اسے پی سکتے تھے۔ تب اس شقی نے آپ کو بتلایا کہ اگر امیر المومنین تمہارا خیال رکھنے کی مجھے تاکید نہ کرتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا اس کے بعد کہنے لگا: اچھا اب تم پینا چاہتے ہو تو پی لو اور چاہو تو ہم تمہارے لئے اور منگا دیں۔ حضرت نے فرمایا: بس جو میرے ہاتھ میں ہے وہی پینا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ نے وہ پی لیا۔ پھر مسلم بن عقبہ ان سے کہنے لگا ادھر اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور آپ کو اپنے پاس تخت پر بٹھالیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین نے تو مجھے تمہارے بارے میں تاکید کر دی تھی مگر ان لوگوں نے مجھے اتنا مشغول رکھا کہ تمہاری طرف توجہ ہی نہ ہو سکی۔ پھر حضرت سے کہنے لگا شاید تمہارے گھر والے تمہاری طرف سے پریشان ہوں۔ حضرت نے فرمایا: بخدا ایسا ہی ہے۔ چنانچہ مسلم نے اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیا اور پھر اس پر سوار کر کے باعزت طور پر ان کو اپنے گھر پہنچا دیا۔

اہل شام کا حضرت زین العابدینؒ کو ستانا

اور طبقات ابن سعد میں ہے:

أخبرنا الفضل بن دكين قال: أخبرنا حفص عن جعفر عن أبيه عن علي بن حسين كان يمشي إلى الجمار وكان له منزل بمنى وكان أهل الشام يؤذونه فتحول إلى قرين الثعالب أو قريب من قرين الثعالب وكان يركب فإذا أتى منزله مشى إلى الجمار

(ج ۵ ص ۲۱۹، مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ)

حضرت علی بن حسینؓ کنکریاں مارنے کے لئے پیدل جایا کرتے۔ منیٰ میں آپ کا ایک مکان تھا۔ اہل شام آپ کو ستایا کرتے تھے اس لئے آپ اپنے مکان سے قرین الثعالب یا اس کے قریب اٹھ کر آ گئے۔ اب آپ سواری پر آنے لگے اور جب اپنے گھر پہنچتے تو پھر کنکریاں مارنے کے لئے پاپیادہ جایا کرتے۔

اہل بیت کی حق تلفی

اور اسی میں ہے:

أخبرنا مالك بن اسمعيل قال: حدثنا سهل بن شعيب التهمي وكان نازلا فيهم يؤمهم عن أبيه عن المنهال على على بن حسين فقلت يعني ابن عمرو قال دخلت كيف أصبحت اصلحك الله فقال ما كنت أرى شيخاً من اهل المصر مثلك لا يدرى كيف أصبحنا فأما إذ لم تدرا وتعلم فسأخبرك أصبحنا فى قومنا بمنزلة بنى اسرائيل فى آل فرعون إذ كانوا يذبحون ابناءهم ويستحيون نسائهم وأصبح شيخنا وسيدنا يتقريب الى عدونا بشتمه سبه على المنابر و أصبحت قريش تعد أن لها على العرب لأن صلى الله عليه وسلم لا يعد لها فضل إلا به واصبحت العرب مقرة بذلك واصبحت العرب تعد أن لها الفضل العجم لأن محمدا صلى الله عليه وسلم منها لا يعد لها فضل إلا به وأصبحت العجم مقرة لهم بذلك فلئن كانت العرب صدقت أن لها الفضل على العجم صدقت قريش أن لها الفضل على العرب لأن محمداً صلى الله عليه وسلم منها أن لنا أهل البيت الفضل على قريش لان محمدا صلى الله عليه وسلم منا فأصبحوا يأخذون بحقنا ولا يعرفون لنا حقا فهكذا أصبحنا إذ لم تعلم كيف أصبحنا قال فظننت أنه أراد أن يسمع من فى البيت (ج ۵ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

سہل بن شعیب کبھی جو بنی نہم میں امامت کرنے کی وجہ سے رہا کرتے تھے اپنے باپ شعیب سے اور شعیب منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے صبح کس حال میں ہوئی، فرمایا میں نہ سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی یہ نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی اور جب آپ یہ نہیں جانتے یا اس کا علم آپ کو نہیں تو پھر میں بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں صبح کی جس طرح بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے ساتھ کی تھی کہ وہ ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو جینے دیتے تھے۔

اور ہمارے شیخ اور ہمارے سردار (حضرت علی کرم اللہ وجہ) کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ پر سب وشتم کر کے ہمارے دشمن کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اور قریش نے اس حال میں صبح کی کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو عرب پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی ہیں اور الفضل ان کے بغیر ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اہل عرب نے اس حال میں صبح کی کہ وہ بھی قریش کی اس فضیلت کے معترف ہیں۔ نیز اہل عرب نے اس حال میں صبح کی کہ وہ بھی اہل نہم پر اپنی فضیلت کو اسی لئے شمار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے اور آپ کے بغیر عرب کی فضیلت شمار نہیں ہو سکتی اور اہل عجم نے اس حالت میں صبح کی کہ انہیں بھی عرب کی اس فضیلت کا اعتراف ہے۔ پس اگر عرب اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے اور قریش بھی سچے ہیں کہ ان کو عرب پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب بھی تھے اور قریشی بھی، تو ہم اہل بیت کو بھی قریش پر اسی لئے فضیلت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے تھے۔ اب قریش (وقت کے حکمران بنی امیہ مراد ہیں) نے اس حال میں صبح کی ہے کہ خود تو ہمارا حق لے چکے ہیں، مگر اپنے اوپر ہمارا کوئی حق نہیں سمجھتے۔ اب سنو جب تمہیں یہ علم ہے ہی نہیں کہ ہمیں صبح کس حال میں آئی تو اس حال میں آئی ہے۔ منہال کا بیان ہے کہ مجھے خیال یہ پڑتا ہے کہ حضرت ان لوگوں کو سنا رہے تھے جو اس وقت گھر میں آئے ہوئے تھے۔

(۱۰) دسواں شبہ

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات سے ہوتی رہی ہیں۔

اس شبہ کا جواب

واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہؓ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ نہیں ہوا

واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد کے درمیان کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا، کتب تواریخ وانساب کا پر ہونا تو بڑی بات ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قرابت کا ذکر بھی کتب تاریخ وانساب سے ثابت نہیں۔ محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کی بہت سی قرابتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک نظیر بھی پیش نہ کر سکے اور امویوں کو سادات میں شامل کرنا ناصبیت ہے، امویہ کا شمار اہل بیت میں نہیں ہے۔

عبدالملک کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

یہ بھی واضح رہے کہ بنوامیہ اوو بنی ہاشم کے بہت سے خاندان تھے۔ عبدالملک مروانی جب تخت حکومت پر براجمان ہوا تو اس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کردی تھی کہ بنو ہاشم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ کیونکہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیادتی کی تو ان پر زوال آ گیا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فان الحجاج مع كونه مبيرا سفاكاً للدماء قتل كثيرا لم يقتل من بني هاشم أحدا قط سلطانه عبدالملك بن مروان نهاه عن التعرض هاشم و هم الاشراف ذكر انه أتى إلى بني الحرب لما تعرضوا لهم يعني قتل الحسين (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۵۰۴)

بلاشبہ حجاج نے باوجودیکہ وہ بڑا ہلاکو اور سخت خلقاً خون ریز تھا اور اس نے ایک خلق کثیر کو قتل اُشراف کر دیا تھا تاہم اشراف بنی ہاشم میں سے کبھی کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اس کو اس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے جو اشراف کہلاتے ہیں کسی قسم کا بھی تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بنو حرب نے جب ان سے تعرض کیا تو ان کی شامت آ گئی۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب قتل کیا تو ان پر ادبار آ گیا۔

اس لئے بنو ہاشم اور بنو مروان میں اگر تعلقات قرابت بعد میں بھی قائم رہے اور ایک دوسرے سے رشتہ مناکحت کا سلسلہ چلتا رہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یزید کے مظالم کے مروانی بھی اقراری تھے۔

(۱۱) گیارہواں شبہ

یہ ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ کے شریر النفس لوگوں نے سیدنا حسینؓ کو یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا اور جب آپ نے یہ جان لیا کہ یزید کی بیعت پر تمام امت متفق ہے تو آپ اپنے ارادہ سے دستبردار ہو گئے۔

اس کا جواب

یہ ہے کہ یہ محض ہرزہ سرائی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ، ابن الاثیر، الاصابہ لابن حجر اور تاریخ الخلفاء یہ سب کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ان میں کہیں یہ مذکور نہیں جو مستفتی نے سوال میں ذکر کیا ہے۔

کہ العیاذ باللہ! حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض ننھے نادان، عقل سے کورے، احکام شرع سے بالکل ناواقف اور دین تقاضوں سے سرے سے نا آشنا تھے کہ سائل کو تو اس حقیقت کا پتہ چل گیا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور ان شریر النفس لوگوں کے بہکانے میں آ کر جن کے ''نامبارک عزائم و مقاصد کبھی سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے اور کبھی جنگ جمل و صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی

المرتضیٰؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی توہین وتحقیر سے بھی انہیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دامن داغدار ہیں۔"

آپ نے یہ باور کرلیا کہ امیر یزید امت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں اور پھر ان کے خلاف خروج پر آمادہ ہو گئے۔ سبحان اللہ! اس سے زیادہ اور کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحمیق وتجہیل میں کہا جاسکتا ہے اور پھر اس پر طرّہ یہ ہے کہ نہ صرف حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے بعد ساری امت اسلامیہ پر آج تک یہ حقیقت منکشف ہی نہ ہوسکی جو مستفتی پر واضح ہوئی ہے۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافات! جھوٹ بولنے کی حد ہوگئی۔

فاروق اعظمؓ کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا، یہ محض جھوٹ ہے، نہ ان کی شہادت کسی سازش کے تحت عمل میں آئی۔ ان کی شہادت کے بارے میں "سازش کا افسانہ" موجودہ دور کے ملحد ناصبیوں کے ذہن کا ساختہ و پرداختہ ہے۔

بقیہ غلط باتوں پر تنبیہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین میں بھی کسی کوفی کا نام نہیں لیا جاتا۔ محاصرین میں بھی اکثریت اہل مصر کی تھی۔ جنگ جمل وصفین میں کیا طرفین سے سارے صحابہ کرام (نعوذ باللہ) دیوانے ہو گئے تھے کہ وہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان شریر النفس لوگوں کی شرارت کو بالکل نہ سمجھ سکے اور قتل وقتال کا ہنگامہ کارزار جاری رکھا۔ ایک ملحد تو ایسی بات سوچ سکتا ہے لیکن کسی مسلمان کا ذہن اس خرافات کو باور نہیں کرسکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی پکا خارجی تھا، خارجیوں کا گڑھ کوفہ نہیں نہروان تھا۔ ابن ملجم قاتل علی کوفی نہیں مصری تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین وتحقیر میں خوارج اور نواصب پیش پیش رہے ہیں۔

یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام للہ فی اللہ تھا

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف اس کی نااہلی کی بناء پر دوسروں کے کہنے سے نہیں بلکہ دینی بصیرت کے مطابق محض للہ فی اللہ بغرض اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

قسم خرجوا غضباً للذین من أجل جور الولاۃ و ترک عملهم بالسنة النبویة فهؤلاء أهل الحق ومنهم الحسین بن علی وأهل المدینة فی الحرّة والقراء الذین خرجوا علی الحجاج (فتح الباری ص ۲۴۰ ج ۱۲ طبع مصر)

ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم وستم اور سنت نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت وحمیت میں نکلے، یہ سب اہل حق ہیں اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرّہ میں جو جہاد کیا اور وہ تمام علماء وحجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان ہی اہل حق میں ہے۔

جن حضرات نے یزید وحجاج کے خلاف اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا

شرعی نقطہ نظر سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحاب حرّہ سے یزید کا جنگ کرنا کسی طرح بھی قطعاً جائز نہیں تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں رقمطراز ہیں:

من خرج عن طاعة امام جائر أراد الغلبة علی ماله أو نفسه أو أهله فهو معذور ولا یحل قتاله وله ان یدفع عن نفسه وماله واهله بقدر طاقته. وقد أخرج الطبری بسند صحیح عن عبدالله بن الحارث عن رجل من بنی مضر عن علی، وقد ذکر الخوارج فقال إن خالفوا إمامًا عدلا فقاتلوهم وإن خالفوا إماماً جائرا فلا تقاتلوهم فان لهم مقالا.

جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے کہ جو ظالم ہو اور اس شخص کے جان یا مال یا اہل وعیال پر تغلب کرنا چاہتا ہو تو ایسا شخص معذور ہے اور اس سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان مال اور اپنی اہل وعیال کی

طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ امام طبری نے بسند صحیح عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل وقتال نہ کرو۔ کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے (اس لئے معذور ہیں)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و علی ذلك یحمل ما وقع للحسین بن علی ثم لأهل المدینة فی الحرة ثم لعبد الله بن الزبیر ثم للقراء الذین خرجوا علی الحجاج فی قصة عبد الرحمٰن بن محمد بن الأشعث والله أعلم (ج ۱۲ ص ۲۵۳، ۲۵۴)

اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ کہ جنہوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا۔ واللہ اعلم!

حرمین میں یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسینؓ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا

چوتھے شبہ کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ خط جو یزید کے نام لکھا گیا تھا درج کیا جا چکا ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے عمال نے حرمین میں چین سے بیٹھنے ہی نہ دیا۔ مدینہ میں تھے تو بیعت یزید پر اصرار تھا۔ مکہ معظمہ آ گئے تو وہاں بھی یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام خط لکھ کر اپنے قطعہ اشعار میں حضرت حسینؓ کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۶۴)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے حرم مکہ میں خونریزی ہو اور حرم کی عزت خاک میں ملے۔ (ایضاً ص ۱۶۱، ۱۶۵) سے

اس لئے آپ نے کوفہ کا رخ کیا کہ وہاں آپ کے اعوان وانصار تھے۔

جن حضرات نے کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکا بر بنائے شفقت روکا

اور جن حضرات نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا وہ بھی بر بنائے شفقت تھا نہ اس بناء پر کہ آپ کا یہ اقدام نعوذ باللہ! خلاف شرع تھا۔ ورنہ روکنے والے آپ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ آپ مرتکب معصیت ہو رہے ہیں۔ یزید جیسے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کرنے سے آپ شرع کی رو سے باغی، مباح الدم اور واجب القتل ہوں گے۔ اس لئے خلیفہ برحق سے بغاوت کرنا آپ کے شایان شان نہیں۔ غور فرمایئے یہ حضرات کوفیوں کی بے وفائی کا اندیشہ تو ظاہر کرتے ہیں مگر آپ کے اس اقدام کو گناہ قرار نہیں دیتے۔

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے، ان میں مخلصین کی کثیر جماعت تھی۔ حضرت حسینؓ کو مرتبہ شہادت پر فائز ہونا تھا، اس لئے لاکھ جتن کئے جاتے۔ ہونا یہی تھا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت میں ازل سے شہادت مقدر تھی۔ بہت سے صحابہ کرامؓ نے آپ کی نصرت میں اپنی خدمات پیش کیں اور محاصرین سے جنگ کی اجازت مانگی۔ بظاہر خیال ہوتا ہے کہ اگر محاصرین سے جنگ کی جاتی تو ان کا فرار پر قرار ضروری تھا لیکن آپ نے اسے پسند ہی نہ فرمایا اور آخر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انجام سے ناواقف نہ تھے۔ راہ حق میں شہادت مطلوب مومن ہے اس لئے آپ نے جو قرین مصلحت سمجھا اس پر عمل کیا۔

کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر اور حضرت حسینؓ کی شہادت

کوفہ کے گورنر اس وقت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے، یزید کو جیسے ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عازم کوفہ ہونے کی اطلاع ملی، اُس نے فوراً حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

وہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو جسے یزید اپنا چچازاد بھائی بتاتا تھا، کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا۔ اس نے آتے ہی جو ظلم وستم ڈھایا۔ اس سے تاریخ کے اوراق پر ہیں۔ بڑے بڑے سرکردہ لوگوں کو داد و دہش سے سر کیا اور عوام کو جبر وقہر سے کوفہ کی چاروں سے ناکہ بند کر دی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہو اور کوئی کہیں نہ جا سکے۔ صورتحال میں اس اچانک تبدیلی سے مخلصین کو آپ کی نقل وحرکت کی خبر نہ ملنے کے سبب مدد کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت حسینؓ ابھی کوفہ سے پچیس میل دور ہی تھے کہ ابن زیاد کے حکم سے راہ ہی میں حر بن یزید تمیمی کے دستہ فوج نے جو ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا، آپ کا محاصرہ کر لیا۔ پھر عمر بن سعد کی سرکردگی میں مزید چار ہزار سپاہ روانہ کر کے پہلے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارواں کا پانی بند کیا، پھر ان سب حضرات پر حملہ کر کے ان کو شہید کر ڈالا۔ چنانچہ امام بخاری ''تاریخ صغیر'' میں لکھتے ہیں:

حدثنا موسیٰ ثنا سلیمان مسلم ابو المعلّٰی العجلی قال سمعت أن الحسین لما نزل کربلا فأول من طعن فی سرادقه عمر بن سعد فرأیت عمر بن سعد و ابنیه قد ضربت أعناقهم و علقوا علی الخشب ثم ألهبت فیهم النار (تاریخ صغیر ص ۷۵)

ہم سے موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو سلیمان بن مسلم ابو معلّٰی عجلی نے بتایا کہ میں نے ابھی اپنے والد سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت حسینؓ جب کربلا میں فروکش ہوئے تو سب سے پہلے جس شخص نے ان کے سراپردہ میں نیزہ مارا وہ عمر بن سعد تھا پھر میں نے (کچھ عرصہ بعد یہ منظر بھی دیکھا کہ) عمر بن سعد اور اس کے دونوں بیٹوں کی گردنیں ماری گئیں اور انہیں شہتیر پر لٹکا کر نذر آتش کر دیا گیا اور ان سب شہداء کربلا کے سر کاٹ کر ان کو کوفہ روانہ کر دیا گیا۔

حضرت حسینؓ کے سر مبارک کے ساتھ ابن زیاد کی گستاخی

حضرت حسینؓ کا سر مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے سامنے طشت میں

رکھ کر پیش کیا گیا تو اس ابن زیاد بدنہاد نے آپ کے سر مبارک کے ساتھ جو گستاخی کی اس کی تفصیل ''صحیح بخاری'' میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

حدثنا محمد بن الحسین بن ابراهیم ثنا حسین بن محمد ثنا جریر عن محمد عن انس بن مالك قال أتی عبیدالله بن زیاد برأس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنه. شیئاً فقال أنس کان أشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم وکان مخضوباً بالوسمة.

(صحیح بخاری ج۱ ص ۵۳۰)

محمد بن سیرین حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو وہ مردود چھڑی سے اس کو چھیڑتا رہا اور آپ کے حسن کے بارے میں بد زبانی کی۔ اس پر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک پر اس وقت وسمہ کا خضاب تھا۔

اور جامع ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے:

حدثنا خلاد بن اسلم البغدادی نا النضر بن شمیل نا هشام بن حسان عن حفصة بنت سیرین قالت ثنی انس بن مالك قال کنت عند ابن زیاد فجئی برأس الحسین فجعل یقول بقضیب فی أنفه ویقول ما رأیت مثل هذا حسنا لم یذکر قال قلت اما أنه کان اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم. هذا حدیث حسن صحیح غریب (ج ۲ ص ۲۱۹)

حفصہ بنت سیرین کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا۔ اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے لایا گیا تو وہ چھڑی سے آپ کی ناک کو چھیڑ کر (بطور طنز) کہنے لگا میں نے تو ایسا حسین ہی نہیں دیکھا پھر اس کے حسن کا کیوں

چہ چاہے؟ میں نے کہا خبردار! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی مشابہ تھے۔

عمر بن سعد کا حشر

عمر بن سعد کا جو حشر ہوا وہ ابھی تاریخ بخاری کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے کہ وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد ہی قتل کر دیا گیا اور پھر اس کے لاشے کو آگ میں جلا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۶۶ ہجری کا ہے۔

ابن زیاد کے سر کے ساتھ کیا عبرتناک معاملہ ہوا

اور ۶۷ ہجری میں بروز عاشوراء ہی ابن زیاد بدنہاد بھی ابراہیم بن الاشتر کے ہاتھ سے مارا گیا اور اسی قصر میں جہاں ۶۱ ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس کا سر نا مبارک بھی رکھا گیا۔ پھر اُس کے سر پر جو بیتی وہ سننے کے لائق ہے۔

امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں:

عن عمارة بن عمير قال لما جئ برأس عبيد الله بن زياد واصحابه نضدت فى المسجد فى الرحبة فانتهيت إليهم وهم يقولون قد جاءت قد جاءت فاذا حية قد جاءت تخلل الرؤس حتى دخلت فى منحرى عبيدالله بن زياد فمكثت هنيئة ثم خرجت فذهبت حتى تغيبت ثم قالوا قد جاءت قد جاءت ففعلت ذلك مرتين أو ثلاثاً هذا حديث حسن صحيح (ج ۲ ص ۲۱۹)

عمارہ بن عمیر کا بیان ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر چوک کی مسجد میں بالترتیب رکھے گئے تو میں بھی وہاں پہنچا۔ اس وقت لوگوں کی زبان پر تھا وہ آیا، وہ آیا۔ دیکھا تو ایک سانپ سروں میں سے گھستا ہوا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا پھر ذرا دیر رہ کر باہر غائب ہو گیا۔ اب پھر لوگوں نے کہنا شروع کیا وہ آیا وہ آیا۔ غرض اس سانپ نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔

یزید کا دنیا سے ناکام و نامراد جانا

اور یزید کا جو حشر ہوا وہ حافظ ابن کثیر کے الفاظ میں یہ ہے:

وقد أخطأ يزيد خطاء فاحشاً في قوله لمسلم بن عقبة أن تبيح المدينة ثلاثة أيام وهذا خطأ كبير فاحش مع ما انضم إلى ذلك من قتل خلق من الصحابة و ابناءهم و قد أنه قتل الحسين وأصحابه على يدى عبيد الله بن زياد وقد وقع في هذه الثلاثة أيام من المفاسد العظيمة في المدينة النبوية ما لا يحد ولا يوصف مما لا يعلمه إلا الله عزوجل و قد اراد بارسال مسلم بن عقبة توطيد سلطانه وملكه ودوام أيامه من غير منازع فعاقبه الله بنقيض قصده وحال بينه وبين مايشتهيه فقصمه الله قاصم الجبابرة واخذه اخذ عزيز مقتدر و كذلك أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ (ج ۸ ص ۲۲۲ سورہ ہود آیت نمبر ۱۰۲)

یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر کہ وہ تین دن تک مدینہ نبوی میں قتل وغارت گری جاری رکھے، بڑی خطاء فاحش کی۔ یہ بڑی سخت اور فحش غلطی ہے اور اس کے ساتھ صحابہ اور صحابہ زادوں کی ایک خلقت کا قتل عام اور شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ حضرت حسینؓ اور ان کے اصحاب عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل کر ڈالے گئے۔ مدینہ منورہ میں ان تین دنوں میں وہ وہ مفاسد عظیم واقع ہوئے کہ جو حد وحساب سے باہر ہیں اور بیان کئے ہی نہیں جاسکتے۔ بس اللہ عزوجل ہی کو ان کا علم ہے۔ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر یہ چاہا تھا کہ اس کی سلطنت واقتدار کی جڑیں مضبوط ہوں اور اس کے ایام حکمرانی کو بلانزاع دوام حاصل ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف مراد اس کو سزا دی اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان آڑے آ گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو سب ظالموں کی کمر توڑ دیتا ہے، اس کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی اور اسے اس طرح دھر پکڑا جس طرح کہ غالب اور با اقتدار

پکڑا کرتا ہے۔ (اور اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ جب کہ وہ پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی)

اس کی نسل کا منقطع ہو جانا

اور خواجہ محمد پارسا محدث نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ "فصل الخطاب" میں فرماتے ہیں:

ہروز طف باقی نماند از اولاد وے مگر زین العابدین، پس حق تعالی از صلب وے آنقدر کہ خواست از اہل بیت نبوت بیرون آورد و در شرق وغرب منتشر گردانید چنانچہ ہیچ ناحیہ وہیچ شہرے از وجود شان خالی نیست و نباشد و از یزید واخلافش یک تن نگذاشت کہ خانہ آبادان کند و آتش افروزد واللہ تعالی راست ترین گویندگان است بہ حبیب خود کہ فرمود: "ان شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ"

(ملاحظہ ہو "الفرع النامی من الاصل السامی" از نواب صدیق حسن خان ص ۵۷ طبع نظامی کانپور)

کربلا کے دن حضرت حسینؓ کی اولاد نرینہ میں بجز حضرت زین العابدینؒ کے کوئی مرد باقی نہ بچا۔ پھر حق تعالیٰ نے آپ کی پشت سے خاندان نبوت کے جتنے افراد کو بھی پیدا کرنا چاہا پیدا فرمایا اور ان کو شرق وغرب میں پھیلا دیا۔ چنانچہ کوئی نواح اور کوئی شہر ایسا نہیں کہ جو ان حضرات کے وجود سے خالی ہو اور نہ کبھی خالی ہوگا اور یزید اور اس کی نسل سے ایک شخص کو بھی تو باقی نہ چھوڑا کہ جو گھر کو آباد رکھے اور اس میں دیا جلا سکے۔ (نہ کوئی نام لیوا رہا نہ پانی دیوا) اور اللہ تعالیٰ سب سے سچا ہے کہ جس نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمادیا تھا کہ بے شک جو دشمن ہے تیرا، وہی رہ گیا دم کٹا۔

یہ صحیح نہیں کہ اخیر وقت میں حضرت حسینؓ یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے

اور ہمارے نزدیک یہ بات بھی محل نظر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اخیر وقت میں عمر بن سعد کے سامنے جو تین شرطیں رکھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے دمشق بھیج دیا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم (چچازاد بھائی امیر یزید) کے

ہاتھ میں ہاتھ دے کر معاملہ اس طرح طے کرلوں جس طرح میرے بھائی حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے ساتھ کیا تھا۔ سائل نے فاضع یدی فی یدہ کے الفاظ تو نقل کئے بقیہ الفاظ تاریخ کی کسی کتاب میں منقول ہیں۔

اس پر درایت کے اعتبار سے تفصیلی بحث

یہاں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے کسی دور میں بھی یزید کی خلافت منعقد ہونے پر اپنی رضامندی ظاہر کی؟

سب سے پہلے جب یزید کی ولی عہدی کی تقریب عمل میں آئی تو کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ولی عہدی کی بیعت کی اور اس کو درست بتایا؟ پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر یزید کے عامل مدینہ ولید بن عتبہ نے آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو کیا آپ نے اس مطالبہ کو منظور فرمایا؟ کیا آپ نے مدینہ طیبہ کو صرف اسی بناء پر خیر باد نہیں کہا کہ یزید کے مقرر کردہ عامل مدینہ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر ناجائز دباؤ ڈالا جارہا تھا؟ کیا آپ اسی وجہ سے وہاں سے چل کر حرم مکہ میں نہیں آگئے تھے؟ حرم مکہ میں بھی آپ نے یزید کی بیعت پر کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اظہار رضامندی کیا تھا؟ پھر اخیر وقت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر کس طرح راضی ہو سکتے تھے جب کہ وہ اس بیعت کو بیعت ضلالت بھی سمجھتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حزم ظاہری ''الفصل فی الملل والاہواء والنحل'' میں رقمطراز ہیں:

إذ رأى أنها بيعة ضلالة (ج ۴ ص ۱۰۵)

حضرت کی رائے یہ تھی کہ اس کی بیعت بیعت ضلالت ہے۔

آپ کا اخیر خطبہ جو آپ نے میدان کربلا میں دیا، آپ کے موقف کو صاف صاف بتا رہا ہے۔ یہ خطبہ احیاء العلوم امام غزالی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا

ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا وہ خط بھی پڑھ لیجئے جو آپ نے یزید کے نام لکھا تھا اور جو سابق میں تاریخ الکامل ابن اثیر کے حوالہ سے ہم نقل کر چکے ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف سے رجوع کر کے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے راضی ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ دونوں مواقع ایسے تھے کہ جہاں ایسی اہم بات کا ذکر ضروری تھا۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء یا حضرات انصار مدینہ میں سے کی ایک فرد نے بھی جب سے وہ یزید کے خلاف کھڑے ہوئے کبھی اپنے موقف سے رجوع کیا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے؟ حضرت تو عزم و ہمت اور عزیمت کے اعتبار سے ان سب حضرات سے برتر اور بڑھ کر تھے، اور کمالات وفضائل کے اعتبار سے اپنے تمام معاصرین میں اس وقت کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، وہ بھلا کس طرح اپنے صحیح موقف سے رجوع فرما سکتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ وتابعین کے نزدیک یزید کی شخصیت ناپسندیدہ تھی۔

چنانچہ حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں:

إنما أنكر من أنكر من الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم و من التابعين بيعة يزيد بن معاوية والوليد وسليمان لانهم كانوا غير مرضيين (الفصل ج ۴ ص ۱۶۹ طبع مصر ۱۳۲۱ ہجری)

صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار فرمایا وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہ ناپسندیدہ شخصیتیں تھیں۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ یزید نے اپنی حرکات سے توبہ کی، نہ ان حضرات میں سے کسی نے اس سے بیعت کا ارادہ فرمایا، بہر حال اگر اہل سنت کی کتابوں میں یہ روایت حاضرین واقعہ سے بسند صحیح مذکور ہو تو ضرور پیش کی جائے، ہم بصد شکر یہ اس تحقیق کو قبول کریں گے۔

حضرت حسینؓ کا شمار نجباء صحابہ میں ہے

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار صحابہ کرام کے اس اعلیٰ طبقے میں ہے جن کو حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے نجباء (خاص برگزیدہ اصحاب) اور رقباء (جو آپ کے احوال کے نگراں ہوں) میں داخل فرمایا ہے۔ چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : إن لکل نبی سبعة نجباء ورقباء وأعطیت أنا أربعة عشر قلنا من هم؟ قال أنا و ابنای و جعفر و حمزة و أبوبکر و عمر و مصعب بن عمیر و بلال وسلمان و عمار و عبداللہ بن مسعود و أبوذر و المقداد

(رواہ الترمذی، مشکوۃ ص ۵۸۰ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے سات نجباء اور رقباء ہوئے ہیں اور مجھے حق تعالیٰ نے چودہ عنایت فرمائے ہیں۔ ہم نے عرض کیا یہ کون کون حضرات ہیں؟ آپ نے فرمایا میں (یعنی حضرت علی) اور میرے دونوں بیٹے (حسن و حسین) جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، عبداللہ بن مسعود، ابوذر اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین!

''نجیب'' کے معنی برگزیدہ اور ''رقیب'' کے معنی نگران احوال کے ہیں، شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی ''اشعۃ اللمعات'' میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ازیں معلوم میشود کہ درین چہاردہ بحسب نجابت و رقابت خصوصیتی است کہ در دیگران نیست

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چودہ کے چودہ بزرگوں کو نجابت ورقابت کے اعتبار سے وہ امتیاز وخصوصیت حاصل ہے جو اوروں کو نہیں ہے۔

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ علیؓ و حسینؓ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے

اب غور فرمایئے کہ جو حضرات شرف نجابت سے ممتاز ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کے نگراں ہوں، ان کے مزاج شناس نبوت ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کا جو اقدام بھی ایسے مواقع پر ہوگا وہ جادہ شریعت سے ذرا بھی ادھر اُدھر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے وقت میں مخالفین کے ساتھ جنگ وصلح کا جو اقدام بھی کیا وہ امت کے عین مفاد میں تھا اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف بالکل صحیح تھا۔ چنانچہ علامہ عبدالحیٔ بن عماد حنبلی رحمہ اللہ ''شذرات الذہب'' میں لکھتے ہیں:

و العلماء مجمعون علی تصویب قتال علی لمخالفیه لانه الامام الحق والاتفاق أیضاً علی تحسین خروج الحسین علی یزید وخروج ابن الزبیر واهل الحرمین علی بنی امیه وخروج ابن الاشعث ومن معه من کبار التابعین وخیار المسلمین علی الحجاج ثم الجمهور رأو جواز الخروج علی من کان مثل یزید والحجاج ومنهم من جوز الخروج علی کل ظالم (ج ۱ ص ۶۸ طبع مصر ۱۳۵۰ ہجری)

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مخالفین سے قتال نقل کرنے میں حق پر تھے، کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے۔ نیز اس پر بھی اتفاق منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خروج یزید کے خلاف اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل حرمین کا بنی امیہ کے خلاف اور ابن الاشعث اور ان کے ساتھ کبار تابعین اور بزرگان مسلمین کا خروج حجاج کے خلاف مستحسن تھا۔ پھر جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یزید اور حجاج جیسے ظالم اور فاسق حکمرانوں کے خلاف

اٹھ کھڑا ہونا جائز ہے اور بعض حضرات کا مذہب تو یہ ہے کہ ہر ظالم کے خلاف خروج کیا جا سکتا ہے۔

حسینؓ اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر آخر وقت میں راضی ہو گئے تھے تو پھر ان کو عمر بن سعد یا عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لینے سے آخر کون سا امر مانع تھا؟ کیا وہ بھی (نعوذ باللہ) حب جاہ میں گرفتار تھے کہ صرف بادشاہ وقت ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، اس کے عمال کے ہاتھ پر بیعت کرنا ان کی کسر شان ہے۔ اسی طرح ایسی صورت میں خود یزیدی عمال کو انہیں دمشق پہنچانے میں آخر کیا عذر تھا؟ اور جب یہ اطاعت کے لئے تیار تھے تو پھر انہیں ناحق قتل کرنے سے کیا فائدہ تھا؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بیعت پر آمادہ تھے مگر عبید اللہ بن زیاد نے زبردستی آپ کو قتل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو آخر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی کون سی ذاتی عداوت تھی جس نے ان لوگوں کو آپ کے قتل پر مجبور کیا تھا؟

اور اگر یہ لوگ اس قدر خود سر تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر آمادہ تھے مگر پھر بھی وہ ان کے قتل سے باز نہ رہے تو یزید کیا برائے نام خلیفہ تھا کہ جو عضو معطل بنا بیٹھا تھا اور جو کچھ کرتے تھے اس کے عمال بد اعمال ہی کرتے تھے اور اگر واقع میں یزید با اقتدار خلیفہ تھا اور اس کے منشاء کے بغیر شہدائے کربلا کو قتل کیا گیا تو پھر اس کے بارے میں اپنے عمال بد سے باز پرس کیوں نہ کی؟

اتنی بحث درایت کے اعتبار سے اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کے لئے کافی ہے جو مستفتی نے نقل کی ہے کہ ''فاضع بدی فی یدہ'' اور یہ کسی قابل وثوق سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔

مزید یہ کہ اس کے برخلاف عقبہ بن سمعان کی صاف تصریح کتب تواریخ میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ عزالدین ابن الاثیر جزری اپنی ''تاریخ الکامل'' میں فرماتے ہیں:

وقد روی عن عقبة بن سمعان انه قال صحبت الحسین من المدینة الی مکة ومن مکة إلی العراق ولم أفارقه حتی قتل وسمعت جمیع مخاطباته الناس إلی یوم مقتله فو الله ما أعطاهم ما یتذاکر به الناس من انه یضع یده فی ید یزید (ج ۴ ص ۲۲، طبع مصر)

اور بلاشبہ عقبہ بن سمعان سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر ساتھ رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک ان سے کہیں جدا نہ ہوا۔ میں نے یوم شہادت تک آپ کی وہ تمام گفتگو میں سنی ہیں جو آپ نے لوگوں سے فرمائی ہیں۔ سو بخدا یہ بات آپ نے لوگوں کے سامنے رکھی ہی نہیں جس کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے اور اس سے بیعت کرلیں گے۔

یہ عقبہ بن سمعان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ رباب کے غلام تھے۔ عمر بن سعد نے غلام ہونے کے باعث ان کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔

(ملاحظہ ہو الکامل ج ۴ ص ۳۳)

خضری کی تحقیق

''محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ'' کے مصنف محمد خضری کی تحقیق بھی یہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و لیس بصحیح أنه عرض علیهم أن یضع یده فی ید یزید فلم یقبلوا منه تلك العودة وعرضوا علیه ان ینزل علی حکم ابن زیاد

(ج ۲ ص ۱۲۸ طبع مصر)

یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزیدی لشکر کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ بیعت کے لئے یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں مگر ان لوگوں نے آپ کی یہ پیشکش قبول نہ کی اور آپ کے سامنے یہ بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کریں۔

غرض! یہ دعویٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخیر وقت میں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے، نہ درایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ روایت کے اعتبار سے اور جو اس امر کی صحت کا مدعی ہو اس کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت پیش کرے تا کہ اس کا مدعا ثابت ہو۔

(۱۲) بارہواں شبہ

یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کا یہ خروج بغاوت نہیں بلکہ ایک اجتہادی سیاسی خطاء تھی جس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا۔

اس شبہ کا جواب

یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ نے بلوائیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر کے سیاسی غلطی کی تھی اور یہ خطا آپ کی اجتہادی تھی۔ بہرحال بغاوت ہو یا اجتہادی سیاسی خطا جب بقول مستفتی حضرت نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمالیا تھا تو اب اُن کو شہید کرنے کا کیا جواز تھا؟ اور خیر حضرت کو تو خاک بدہن گستاخ بقول مستفتی شریر النفس لوگوں نے امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا تھا اور اس کا سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا مگر ان ناصبی قاتلان حسین کو خاندان نبوت کا چراغ گل کرنے کے لئے کس شیطان نے کہا تھا اور انہوں نے اپنے دین وایمان کس خبیث کے کہنے میں آکر برباد کیا؟ اس پر مستفتی نے کچھ روشنی نہ ڈالی۔

سبائی کون تھے؟

اور یہ ایچ بھی خوب ہے کہ اس کا اصل سبب سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی ہے سبائیوں کو تو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلایا تھا۔

صحیح بخاری میں آتا ہے کہ:

أتی علی رضی اللہ عنہ بزنادقۃ فأحرقھم (ج ۲ ص ۱۰۲۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ زنادقہ لائے گئے آپ نے ان کو تہ در آتش کر دیا۔

یہ زنادقہ کون تھے؟ ان کے بارے میں علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ "الکوکب الدراری شرح بخاری" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابوالمظفر الاسفرائنی کی کتاب "التبصرہ" سے نا قال ہیں:

ھم طائفۃ من الروافض تدعی السبائیۃ ادعوا ان علیاً الہ وکان رئیسھم عبداللہ بن سبا وکان أصلہ یھودیا (ج ۲۴ ص ۴۵ طبع مصر)

یہ روافض کا وہ گروہ تھا جس کو سبائی کہا جاتا ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت علی خدا ہیں۔ ان کا سربراہ عبداللہ بن سبا تھا جو اصل میں یہودی تھا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی "لسان المیزان" میں لکھتے ہیں:

وأخبار عبداللہ بن سبا شھیرۃ فی التواریخ ولیست لہ روایۃ وللہ الحمد ولہ أتباع یقال لھم السبائیۃ یعتقدون إلاھیۃ علی بن أبی طالب وقد أحرقھم علی رضی اللہ عنہ بالنار فی خلافتہ (ج ۳ ص ۲۹۰،۲۸۹)

عبداللہ بن سبا کے واقعات تواریخ میں مشہور ہیں۔ بحمد اللہ! اس سے کوئی روایت نہیں ہے۔ اس کے متبعین کو "سبائیہ" کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے۔ ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلا دیا تھا۔

اب ذرا غور فرمائیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سبائیوں کے ساتھ جو عبرت انگیز معاملہ کیا وہ سب کچھ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ہوا پھر یہ کیسی لغو بات ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی ان سے دھوکہ کھانے کے لئے خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو تجویز کیا جائے۔ اس سے زیادہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کیا غلط بیانی ہوسکتی ہے؟ ناصبی اور رافضی دونوں کا شمار خلق خدا میں بدترین جھوٹ بولنے والوں میں ہے۔

یہ افتراء ہے کہ کوفی سبائیوں نے لڑائی میں پہل کر کے صلح نہ ہونے دی

اور یہ قطعاً افتراء ہے کہ یہ ''کوفی سبائیوں کی محض سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا جائے۔'' جنگ میں پہل کرنے والے ناصبی تھے سبائی نہیں۔ مستفتی نے ابن زیاد اور ابن سعد کے سبائی ہونے پر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ہاں! اس دور کے ناصبی ملحدوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اب یہ جھوٹا من گھڑت افسانہ تیار کیا ہے کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یزید کی بیعت پر بالکل تیار ہو گئے تھے بلکہ اس سے بیعت کرنے کے لئے دمشق کی طرف بھی چل پڑے تھے اور عمر بن سعد، حر بن یزید اور شمر ذی الجوشن اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ قافلہ حسینی کی نگرانی کے لئے ان کے ساتھ تھے جو مخدرات حرم کے احترام کی وجہ سے قافلہ سے پیچھے رہتے تھے کہ اسی اثناء میں ان ساٹھ کوفیوں نے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے کربلا تک ساتھ رہے تھے ایک روز عصر کی نماز کے بعد موقع پا کر جھٹپٹے کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیمپ پر حملہ کر کے ان کو مع ان کے رفقاء کے اچانک شہید کر ڈالا اور پھر شمر اور عمر بن سعد کے دستہ فوج نے ان قاتلوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا۔''

یہ وہ فسانہ ہے جو ''مجلس عثمان غنی'' کے اراکین نے اپنے دل سے گڑھ کر داستان کربلا اور حادثہ کربلا نامی دو کتابچوں میں لکھ کر شائع کیا ہے اور پھر ان کو بار بار

طبع کرا کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے۔ حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس کا ذکر صحیح تو درکنار کسی جھوٹی اور موضوع روایت میں بھی موجود نہیں۔ اسے پہلے محمود احمد عباسی نے اس سلسلہ میں یہ داستان لکھی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر بن سعد کے درمیان صلح کی گفتگو جاری تھی اور معاملہ باہمی طے ہونے کو تھا کہ جب مزید احتیاط کی غرض سے قافلہ حسینی سے ہتھیار لینے کا مطالبہ کیا گیا تو ان کوفیوں نے اور مسلم بن عقیل کی اولاد نے اچانک عمر بن سعد کی فوج پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کی بناء پر عمر بن سعد کی فوج کو حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پڑا یہ دونوں باتیں محض جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ خدا تعالیٰ ان جھوٹوں کا منہ کالا کرے۔ اس جھوٹ کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو ہمارے رسالہ ''شہداء کربلا پر افتراء'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

صحابہ کی جماعت حضرت حسینؓ کے موقف کی حامی تھی

اور یہ کہنا کہ: ''کسی صحابی نے اس خروج میں آپ کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ اس وقت خاصی تعداد صحابہ کرامؓ کی موجود تھی'' بالکل غلط ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جو تھوڑی بہت تعداد اس وقت باقی رہ گئی تھی، وہ آپ کے موقف کی حامی تھی۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ ''سیر اعلام النبلاء'' میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرزدق شاعر کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت کے لئے ترغیب دے کر روانہ کیا تھا۔''

وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں:

قلت: هذا يدل على تصويب عبدالله بن عمر لحسين في مسيره وهو رأي ابن الزبير وجماعة من الصحابة شهدوا الحرّة

میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حضرت حسینؓ کے کوفہ کی مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی رائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور صحابہ کرامؓ کی اس جماعت کی تھی جو واقعہ حرّہ میں شریک ہوئے۔ (ج ۳ ص ۱۹۷ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن حزم ظاہری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصریحات اس بارے میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں اور حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں:

بل الناس إنما میلهم إلى الحسین لانه السید الکبیر و ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فلیس علی وجه الأرض یومئذ أحد یسامیه ولا یساویه ولکن الدولة الیزیدیة کانت کلها تناویه

(ج ۸ ص ۱۵۱)

بلکہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہ سید کبیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے اور ان دنوں روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو ان کے مماثل ومساوی ہو لیکن یزیدی حکومت سب کی سب آپ کی عداوت پر تلی ہوئی تھی۔

یہاں "الناس" کا لفظ قابل غور ہے کہ جس میں یزیدی ارکان سلطنت کے علاوہ اس عہد کے سارے ہی حضرات آجاتے ہیں اس لئے یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ رافضی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پیش کیا کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اس وقت صحابہ کرام سے بھرا ہوا تھا مگر کسی ایک صحابی نے بھی اس وقت ان کا ساتھ نہ دیا۔ آخر نہایت بے کسی کی حالت میں عین حرم نبوی میں گھر کے اندر گھس کر ان کو قتل کر ڈالا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ معظمہ سے نکلتے وقت یہ کس کو معلوم تھا کہ اسی سفر میں آپ کو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں شہید کر ڈالا جائے گا۔

صحابی رسول کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا

پھر بھی حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ ہی کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری "التاریخ الکبیر" میں فرماتے ہیں:

انس بن الحارث قتل مع الحسین بن علی سمع النبی صلی الله علیه وسلم (قسم ثانی ج ۱ ص ۳۰ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

انس بن الحارث یہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ شہید ہوئے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے۔

احادیث کی رو سے حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت

حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس کا متن یہ ہے:

ان ابنی یعنی الحسین یقتل بارض یقال لھا کربلا فمن شھد منکم ذلک فلینصرہ

میرا بیٹا حسین مقام کربلا میں قتل کیا جائے گا تم میں سے جو کوئی اس موقع پر موجود ہو اس کی مدد کرے۔

اسی حدیث کی بناء پر یہ صحابی معرکہ کربلا میں آپ کے ساتھ رہے۔ اس روایت کو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں امام بغوی کی معجم الصحابہ کے حوالہ سے بسند نقل کیا ہے۔ (ج ۸ ص ۱۹۹)

اس روایت سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی صحت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی اور جیسا کہ سابق میں بھی گزرا، حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس امت کے ''نجباء ورقباء'' میں سے تھے اور اس منصب کی ذمہ داری تھی کہ امت میں جب بھی کوئی خرابی پیدا ہو یہ اس کا بروقت تدارک کریں خواہ اس سلسلہ میں جاہ کی قربانی دینی پڑے یا جان کی یا جان و مال دونوں کی۔ اس لئے ان تینوں بزرگوں نے اپنے اپنے وقت میں اصلاح امت کے سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا وہ عین رضائے الٰہی اور شریعت کے مطابق تھا اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ ان ہر سہ حضرات کا جنگ وصلح کے بارے میں جو اقدام بھی ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے عین مطابق ہوگا۔

چنانچہ ''جامع ترمذی'' میں ہے:

عن زید بن أرقم أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لعلی وفاطمة والحسن والحسین أنا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی وفاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں فرمایا: ''جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح ہے۔'' (رواہ الترمذی مشکوۃ ج ۲ ص ۵۷۰)

اور ''سنن ابن ماجہ'' میں یہ روایت حضرت زید بن ارقم سے ''باب فضائل الحسن والحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' کے تحت ان الفاظ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعلی وفاطمة والحسن والحسین أنا سلم لمن سالمتم وحرب لمن حاربتم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی، فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا جن سے تم صلح کرو میری ان سے صلح ہے اور جن سے تمہاری لڑائی ہو ان سے میری لڑائی ہے۔

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحیح ابن حبان میں بھی حضرت زید بن ارقمؓ کی یہ روایت موجود ہے۔

(ملاحظہ ہو 'موارد الضمآن الی زوائد ابن حبان'' باب فضل اہل البیت)

اور مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں آئی ہے:

عن ابی هریرة قال نظر النبی صلی الله علیه وسلم إلی علی والحسن و الحسین و فاطمة فقال أنا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم. (مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی وحسن وحسین و فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''جو تم سے جنگ کرے ان سے میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے ان سے میری صلح ہے۔''

اس لئے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو خطاء کہنا بہت بڑی خطا ہے۔

اہل بیتؓ سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم ہے

اہل بیتؓ سے جنگ کرنا ایسی مذموم حرکت ہے کہ جس کی مذمت پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔

چنانچہ محدث ملا علی قاریؒ مشکوٰۃ کی شرح ''مرقاۃ'' میں لکھتے ہیں:

ففضل أهل البيت و ذم من حاربهم أمر مجمع عليه عند علماء أهل السنة وأكابر ائمة الامة (ج ۱۱ ص ۳۸۷)

اہل بیت کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مذمت علماء اہل سنت اور اکابر ائمہ امت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

یزید کے بارے میں اُس کے بیٹے کی شہادت

یزید کے بارے میں سب سے بڑی شہادت خود اُس کے گھر والوں کی موجود ہے۔ حقیقی بیٹے سے زیادہ باپ کے حالات سے اور کون واقف ہوسکتا ہے اور پھر بیٹا بھی وہ جو نہایت صالح ہو۔ اب دیکھئے معاویہ بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے یہ سعادت مند بیٹے جب متولی خلافت ہوئے تو انہوں نے برسر منبر اپنے باپ یزید کے بارے میں جو اظہار خیال کیا وہ یہ ہے:

قلد أبي الامر وكان غير أهله ونازع ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقصف عمره وابنتر عقبه وصار في قبره رهينا بذنوبه ثم بكى و قال ان من أعظم الأمور علينا علمنا لسوء مصرعه وبئس منقلبه وقد قتل عترة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأباح الخمر وخرب الكعبة ولم أذق حلاوة الخلافة فلا أنقلد مرارتها فشانكم وأمركم والله لئن كانت الدنيا خيرا فقد نلنا منها حظاً ولئن كانت

شر افکفی ذریۃ أبی سفیان ما أصابوا منھا (الصواعق المحرقہ ص ۱۳۴ مطبوعہ مصر)

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کی۔ آخر اسکی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہوگئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہوگیا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جب کہ) اس نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کو قتل کیا، شراب کو مباح کیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟ اس لئے اب تم جانو اور تمہارا کام، خدا کی قسم اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا حصہ حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو کچھ ابوسفیان کی اولاد نے دنیا میں کمالیا وہ کافی ہے۔

یزید کے بارے میں ابن زیاد کی شہادت

اور یزید کے خاص الخاص شریک کار اس کے برادر عم زاد (بشرطیکہ استلحاق زیادہ صحیح ہو) عبید اللہ بن زیاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام اہل السنہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسند ذیل نقل فرمایا ہے:

حدثنا ابن حمید قال :حدثنا جریر عن مغیرۃ قال: کتب یزید الی ابن مرجانۃ ان ابن الزبیر فقال: لا أجمعھا للفاسق أبدا أقتل ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اغزو البیت. وقال وکانت أمہ مرجانۃ امرأۃ صدق فقالت لعبید اللہ حین قتل الحسین علیہ السلام ویلک ماذا صنعت وماذا رکبت (طبری ج ۵ ص ۴۸۳، ۴۸۴)

یزید نے ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) کو لکھا کہ جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کرو تو ابن زیاد نے کہا کہ میں اس فاسق (یزید) کی خاطر دونوں برائیاں اپنے نامہ اعمال میں بھی جمع نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نواسے کو قتل کر چکا اب خانہ کعبہ پر بھی چڑھائی کر دوں، مغیرہ کا بیان ہے

کہ مرجانہ اس کی ماں بھلی عورت تھی۔ جب عبید اللہ نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا تھا تو اس نے اس سے کہا تھا کہ تجھ پر افسوس، تو نے یہ کیا کیا اور کیا کر ڈالا۔

یزید کا فسق اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے

اس لئے علماء اہل سنت والجماعہ میں جو حضرات اکابر یزید علیہ مایستحقہ پر لعن طعن یا اس کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں وہ بلا وجہ نہیں کرتے۔ یزید کا فسق تمام اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہیں اور کسی ناصبی کی بات اس سلسلہ میں درخور اعتناء نہیں۔ البتہ اس کی تکفیر کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف ہے۔ امام صدر الاسلام ابوالیسر بزدوی نے کیا خوب لکھا ہے:

وأما یزید بن معاویة کان ظالماً ولکن هل کان کافراً تکلم الناس فیه بعضهم کفروه لما حکی عنه من اسباب الکفر و بعضهم لم یکفروه وقالوا لم یصح منه تلك الاسباب ولا حاجة بأحد إلی معرفة حاله فان الله تعالی أغنانا عن ذلك (اصول الدین ص ۱۹۸، طبع مصر)

رہا یزید بن معاویہ، وہ ظالم تھا لیکن آیا کافر بھی تھا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء میں گفتگو ہے۔ بعض اس کو کافر بتاتے ہیں کیونکہ اس کے بارے میں وہ باتیں کہی جاتی ہیں جو کفر کا سبب بن سکتی ہیں اور بعض اس کی تکفیر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں یہ باتیں صحیح نہیں اور کسی کو اس کا حال معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے مستغنی فرما دیا۔

بہرحال اگرچہ احتیاط اس میں ہے کہ حتیٰ الوسع اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے، مگر بہرصورت اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں، جس کو علامہ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقہ میں بصراحت لکھا ہے:

وعلی القول بانه مسلم فهو فاسق شریر سکیر جائر (ص ۱۳۲)

اور اس کو مسلمان کہنے کے باوجود (یہ حقیقت ہے) کہ وہ فاسق تھا، شریر تھا، نشہ کا متوالا تھا، ظالم تھا۔

یزید کی حمایت میں سرگرم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخفاف کرنا، ان کی شہادت کی اہمیت کو نظر انداز کرنا اور اس کی وقعت گرانا ایسی بیہودہ حرکت ہے کہ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

شہادت حسینؓ پر حضور علیہ السلام کا قلق

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام اور ملک القطر (بارش کا فرشتہ) کے ذریعہ اپنی حیات مبارکہ ہی میں ہو چکی تھی جس سے آپ کو سخت رنج و اضطراب ہوا تھا اور بعد وفات بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر آپ کے رنج و قلق اور سخت پریشانی و اضطراب کا ذکر احادیث میں وارد ہے:

عن ام الفضل بنت الحارث أنها دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله إني رأيت حلماً منكرا الليلة قال وما هو ؟ قالت إنه شديد قال وما هو ؟قالت رأيت كان قطعة من جسدك قطعت ووضعت في حجري فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت خيرا تلد فاطمة ان شاء الله غلاماً يكون في حجرك فولدت فاطمة الحسين فكان في حجري كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعته في حجره ثم كانت مني التفاتة فاذا عينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تهريقان الدموع قالت فقلت يا نبي الله بأبي أنت وأمي ما لك قال أتاني جبريل عليه السلام فأخبرني ان أمتي ستقتل ابني هذا فقلت هذا، قال نعم واتاني بتربة من تربته حمراء

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آج رات ایک برا خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا؟ عرض کیا بہت ہی

سخت ہے (بیان سے باہر ہے) آپ نے پھر فرمایا کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا میں نے دیکھا کہ گویا کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے تو بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو فاطمہؓ کے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ بچہ تمہاری گود میں رہے گا۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا) حضرت فاطمہؓ کے یہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی اور وہ جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا: میری گود میں آئے پھر ایک روز میں ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئی اور ان کو آپ کی آغوش میں دے دیا۔ اس اثناء میں میری توجہ ذرا دیر کے لئے دوسری طرف ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک سے آنسو رواں تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر نثار، آپ کو کیا ہوگیا؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت میرے اس بیٹے کو عنقریب قتل کر دے گی۔ میں نے عرض کیا، ان کو؟ فرمایا: ہاں! اور مجھے ان کے مقتل کی سرخ ریت بھی لا کر دی ہے۔

واضح رہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ اور بڑی قدیم الاسلام صحابیہ ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے ''اسماء الرجال مشکوٰۃ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد یہ مشرف باسلام ہوگئی تھیں۔

وعن ابن عباس انه قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم فيما يرى النائم ذات يوم بنصف النهار أشعث أغبر قارورة بيده فيها دم فقلت بأبي انت وأمي ما هذا؟ قال هذا دم الحسين و اصحابه ولم أزل التقطه منذ اليوم فاحصى ذلك الوقت فاجد قتل ذلك الوقت رواهما البيهقي في دلائل النبوة واحمد الاخير (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ہیں چہرہ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے دست مبارک میں ایک شیشے کی بوتل ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کیا حالت ہے؟ یہ بوتل کیسی ہے؟ فرمایا یہ حسینؓ اور ان کے رفقاء کا خون ہے جس کو آج دن نکلے سے سمیٹ رہا ہوں۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس وقت کا میں حساب لگاتا ہوں تو یہ وہی وقت تھا جس وقت ان کو شہید کیا تھا۔ ام الفضلؓ اور ابن عباسؓ دونوں کی روایتوں کو بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں روایت کیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں اخیر کی روایت نقل کی ہے۔

وعن سلمی قالت دخلت علی أم سلمة وهی تبکی فقلت ما یبکیك؟ قالت رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم تعنی فی المنام وعلی رأسه ولحیته التراب فقلت ما لك یا رسول الله ؟ قال شهدت قتل الحسین انفاً رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰)

اور حضرت سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا وہ رو رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا آپ کیوں روتی ہیں؟ فرمانے لگیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ کی ریش اور سر مبارک پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کیا ہو گیا؟ فرمایا میں نے ابھی ابھی حسینؓ کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔ اس روایت کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے۔

اب غور فرمائیں کہ احادیث کیا بتاتی ہیں مگر ناصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر خوش اور مسرور ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز و طعن اور ان کا استخفاف ان کا شیوہ ہے۔

شہادت حسینؓ کے بارے میں ابن تیمیہ کا بیان

حافظ ابن تیمیہ نے خوب لکھا ہے:

والحسین رضی اللہ عنہ اکرمہ اللہ تعالی بالشہادۃ فی ھذا الیوم وأھان بذلک من قتلہ أو اعان علی قتلہ او رضی بقتلہ ولہ أسوۃ حسنۃ بمن سبقہ من الشہداء فانہ وأخوہ سید اشباب أھل الجنۃ وکان قد تربیا فی عز الاسلام لم ینالا من الھجرۃ والجہاد والصبر علی الأذی فی اللہ ما نالہ أھل بیتہ. فاکرمھما اللہ تعالی بالشہادۃ تکمیلا لکرامتھما ورفعا لدرجاتھما وقتلہ مصیبۃ عظیمۃ

(مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۵۱۱ مطبوعہ ریاض ۱۳۸۱ ہجری)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق تعالی نے اس دن شہادت سے معزز ومکرم فرمایا اور اس لئے جس نے بھی ان کے قتل میں اعانت کی یا ان کے قتل سے راضی ہوا اس کی اہانت فرمائی۔ حضرت تو اگلے شہداء کا اچھا نمونہ تھے کیونکہ بلا شبہ حضرت حسینؓ اور ان کے بھائی حضرت حسنؓ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔ ان دونوں حضرات کی نشوونما چونکہ اس عہد میں ہوئی تھی جب کہ اسلام کا غلبہ تھا اس لئے دوسرے بزرگان اہل بیتؓ کی طرح ان دونوں کو ہجرت، جہاد اور راہ خدا میں اذیت پر صبر کا وہ موقع نہ مل سکا جو ان حضرات کو ملا تھا۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو بھی مرتبہ شہادت پر فائز فرما کر معزز فرمایا تا کہ ان کے اعزاز وتکریم کی تکمیل ہو اور ان کے درجات بلند ہو جائیں۔ حضرت حسینؓ کی شہادت بڑی عظیم مصیبت ہے۔

حضرت حسینؓ سے حضور علیہ السلام کا محبت کرنا اور خلفاء ثلاثہ کا ان کا احترام کرنا

یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا قدر کر سکتے ہیں ان کی قدر تو حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے کوئی پوچھے۔ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں:

وقد أدرك الحسين من حياة النبي صلى الله عليه وسلم خمس سنين او نحوها و روى عنه أحاديث ..... وسنذكر ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرمهما به وما كان يظهر محبتهما والحنو عليهما والمقصود أن الحسين عاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم وصحبه إلى أن توفى و هو عنه راض ولكنه كان صغيرا ثم كان الصديق يكرمه ويعظمه و كذالك عمر و عثمان و صحب اباه وروى عنه وكان معه فى مغازيه كلها فى الجمل و صفين و كان معظما موقرا ولم يزل فى طاعة أبيه حتى قتل (ج ۸ ص ۱۵۰)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پانچ سال یا اس کے لگ بھگ پائے اور آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں بھائیوں کی کس طرح عزت افزائی فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں کے بارے میں کس قدر محبت وشفقت کا اظہار فرماتے تھے اور مقصود تو یہ بتانا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا تھا اور وفات نبوی تک آپ کی صحبت اٹھائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان فانی سے رحلت فرمائی تو اس وقت آپ حضرت حسین سے خوش ہو کر گئے تھے لیکن ابھی یہ کم سن تھے پھر حضرت ابو بکر صدیق اور اسی طرح حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ان کا اکرام وتعظیم فرماتے رہے۔ حضرت حسینؓ برابر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے، ان سے حدیثیں بھی روایت کیں اور تمام غزوات حیدری میں جن میں جمل وصفین بھی شامل ہیں حضرت علیؓ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے ہیں۔ یہ ہر زمانے میں معظم وموقر تھے اور برابر اپنے والد ماجد کی اطاعت میں سرگرم رہے۔ تا آنکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی۔

اس لئے یزید کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں وقعت دینا

حد درجہ گستاخی وخیرہ چشمی ہے اور اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین!

یاد رہے کہ یزید کی مذمت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں۔ بعض میں صراحت کے ساتھ اس کا نام لے کر مذمت آئی ہے اور بعض میں اس کے عہد نحوست مہد کی نشاندہی کی گئی ہے اور بعض میں اس کی حرکات شنیعہ پر نکیر ہے اور بعض میں اس کے افعال قبیحہ پر لعنت کی تصریح ہے۔ ان میں سے بعض حدیثوں کا ذکر سابق میں ہو بھی چکا ہے۔ ان احادیث کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ! مستقل رسالہ میں قلم بند کریں گے۔ واللہ الموفق!

مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب مشکوک ہے

اور یہ جو مستفتی نے لکھا ہے کہ: ''اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی تائید میں ۱۴ محرم ۱۳۸۵ ہجری میں دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی ماتحتی میں دیا جاچکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔''

تو الحمد للہ! حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا دار العلوم بھی موجود ہے اور وہاں کا دارالافتاء بھی، وہاں سے دریافت کیا جاسکتا ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ بارہ سوالات مذکورہ کی تائید وتصحیح حضرت مفتی صاحب مرحوم کے قلم سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا رسالہ ''شہید کربلاء کہیں چھپا نہیں، چھپا ہوا موجود ہے۔ پڑھ کر دیکھ لیجئے، اس رسالہ کے مطالعہ سے ان سوالات کی تردید ہوتی ہے۔ یا تائید؟

یزید کے بارے میں مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات

بہرحال مفتی صاحب کا انتساب علماء دیوبند کی طرف ہے۔ وہ وطناً تلمذاً مشرباً مسلکاً دیوبندی ہی ہیں۔ اکابر علماء دیوبند جن حضرات علماء کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان میں شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی، ان کے خلف ارشد شاہ عبدالعزیز صاحب محدث کی تصریحات یزید کے بارے میں ان اوراق میں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہیں۔

لعن یزید کے بارے میں مجدد الف ثانیؒ کی تصریحات

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے معاصر اور شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے اکابر میں سے ہیں۔ یزید کے بارے میں ان کے مکتوبات شریفہ میں جو کچھ مرقوم ہے وہ یہ ہے:

یزید بے دولت از زمرہ فسقہ است توقف در لعنت او بنا بر اصل مقرر اہل سنت است کہ شخص معین را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ یقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر بودہ کابی لہب جہنمی و امرأتہ، آنکہ او شایان لعنت نیست: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ''

(دفتر اوّل مکتوب ۲۵۱ حصہ چہارم ص ۶۰ طبع مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ ہجری)

یزید بدنصیب فاسقوں کے گروہ میں شامل ہے، اس پر لعنت کرنے میں توقف اہل سنت کے اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ کسی شخص معین پر اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کی تجویز نہیں کیا کرتے۔ الّا یہ کہ بالیقین یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسا کہ ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی تھی۔ یزید پر لعنت کرنے سے توقف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مستحق لعنت ہی نہیں۔ ارشاد باری ہے کہ: ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں۔ ان پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور آخرت میں بھی۔''

مکتوبات کے ایک دوسرے نسخے میں از زمرہ فسقہ کی بجائے ''از مردہ فسقہ'' کے الفاظ ہیں جس کے معنی ہوئے یزید سرکش فاسقوں میں سے ہے اور اسی مکتوب میں سائل کے اس جواب میں کہ:

اگر او مستحق لعنت است (الخ) (ص ۵۸)

اگر وہ (جس کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے) مستحق لعنت ہے۔

اگر این سخن در باب یزید می گفت گنجائش داشت

اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جاتی تو اس کی گنجائش تھی۔

اور دفتر اوّل کے مکتوب (۲۶۶) میں فرماتے ہیں:

این منکر قرین یزید بے دولت است کہ بواسطہ احتیاط در لعن او توقف کردہ اند ایذائیکہ بحضرت پیغمبر از راہ ایذاء خلفائے راشدین او میرسد در رنگ ایذائی است کہ از راہ ایذائے امامین بہ او رسد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات (حصہ چہارم ص ۱۳۰)

یہ فضیلت شیخین کا منکر یزید بدنصیب کا ساتھی ہے کہ احتیاط کے خیال سے اس پر لعنت کرنے سے رکتے ہیں۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایذاء آپ کے خلفائے راشدینؓ کی ایذا رسانی کے سبب ہوتی ہے وہ اسی رنگ کی ایذاء ہے کہ جو حضرات امامین حسنینؓ کی ایذاء رسانی کی بناء پر آپ کو ہوتی ہے۔ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات!

بحر العلوم کی تصریح یزید کے بارے میں

اور علامہ بحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ارقام فرماتے ہیں:

ویزید ابنه مع انه کان من أخبث الفساق وکان بعیدا بمراحل من الامامة بل الشك فی ایمانه خذله الله تعالی. والصنیعات التی صنعها معروفة من انواع الخبائث (ج ۲ ص ۲۲۳ طبع مصر ۱۳۲۴ ہجری)

اور ان کا بیٹا یزید اگرچہ فاسقوں میں بڑا اخبث تھا اور منصب خلافت سے بمراحل (کوسوں) دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان میں بھی شک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا بھلا نہ کرے اور جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں اس نے کی ہیں سب جانی پہچانی ہیں۔

اور حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

رفیق من از جنود حسین بن علی ؓ است در رفیق مخالف من از زمرہ یزید شقی (ملاحظہ ہو مکتوبات سید احمد ص ۱۴۹ شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ لاہور)

میرا رفیق حضرت حسین بن علی ؓ کی سپاہ میں داخل ہے اور میرے مخالف کا رفیق یزید شقی کے زمرہ میں۔

اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

بلا ریب مشار الیہ ما یا غازی است یا شہید و مقابل ما یا ابوجہل است یا یزید (ورق نمبر ۱۵۱)

(ان دونوں حوالوں کے بارے میں ہم مولانا سید لال شاہ بخاری عم فیوضہم کے ممنون ہیں)

بلاشبہ ہمارا شریک یا غازی ہے یا شہید اور ہمارا مقابل ابوجہل ہے یا یزید۔

ہندوستان کے اکابر علماء جب یزید کا نام لیتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ پلید کا لفظ بڑھا دیتے ہیں یا یوں لکھتے ہیں:

''یزید علیہ ما ھو اھلہ'' (تیسیر القاری ج ۶ ص ۲۹۹)

یا ''یزید علیہ ما یستحقہ'' (تیسیر القاری ج ۲ ص ۱۵۶)

اور یزید بن معاویہ علیہ من اللہ ما یستحقہ (تاج العروس، مادہ حر)

یعنی یزید کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے یوں لکھا کرتے ہیں کہ یزید جس معاملہ کا مستحق ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ ہو۔

اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مرشد اور شیخ مولانا اشرف علی تھانوی کے فتاوی یزید کے بارے میں ''امداد الفتاوی'' میں طبع شدہ موجود ہیں، ان کو دیکھ لیا جائے وہ یزید کو فاسق ہی بتاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو امداد الفتاوی ج ۴ ص ۴۶۵)

غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح

مطبوعہ استفتاء جو ''بشارت مغفرت کے امین حضرت یزید بن معاویہ سے

متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے فتویٰ کے بعد غیر مقلدین کے دو مفتیوں کا فتویٰ بھی یزید کے بارے میں ان الفاظ میں درج ہے:

''الجواب۔ امیر یزید علیہ الرحمہ کے متعلق علاوہ تاریخی حوالہ جات کے صحیح بخاری کی حدیث مذکور در سوال بیّن طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو متہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے جب کہ اس میں کفر کی وجہ نہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیش گوئی میں اس کو مغفور فرمائیں۔ یہ کافر فاسق و فاجر کہنے والا خود اس کا مستحق بن رہا ہے۔ ایسے خیالات و نظریات بابت یزید علیہ الرحمہ رکھنے والے کے پیچھے نماز کی ممانعت کہاں؟ واللہ اعلم بالصواب۔''

مفتیان بالا کی رائے صحیح ہے۔ ابوالفضل عبدالحنان ۳۱/اگست ۱۹۶۵ء

نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ یزید کے بارے میں

''صحیح بخاری'' کی حدیث پر تو تفصیلی بحث گزر چکی اور ان دونوں مفتیوں کا غیر مقلدین میں جو مقام ہے وہ جانیں، ہندوستان میں نواب صدیق حسین خان صاحب مرحوم سے بڑھ کر اہل حدیث میں کوئی کثیر التصانیف نہیں گزرا۔ ان کا جو فیصلہ یزید کے بارے میں ہے وہ ہم اُن کی کتاب ''بغیۃ الرائد فی شرح العقائد'' سے جو عقائد نسفیہ کی شرح ہے پیش کئے دیتے ہیں اور چونکہ اس کتاب کا تعلق علم عقائد سے ہے، اس لئے اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اب صاحب اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

وبعضے براہ غلو و افراط در شان وے روند و گویند امارت او با تفاق مسلمانان شد و طاعت وے بر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واجب بود، و بخدا

پناہ ازیں قول و اعتقاد کہ وے باوجود امام حسین امام و امیر شود، و اتفاق مسلمانان کجا است، جمعی از صحابہ و اولاد ایشان کہ در زمان آن پلید بودند انکارش کردند و از طاعت او بیرون رفتند و بعضی از اہل مدینہ بعد دریافت حال خلع بیعت کردند و وے تارک صلوۃ و شارب خمر و زانی و فاسق و مستحل محارم بود و بعضے بروے اطلاق لعن کردہ مثل امام احمد و امثال ایشان و ابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسین کافر شد و کسے کہ قتل وے کردیا امر بدان نمود بر جواز لعن وے اتفاق کردہ اند

تفتازانی گفتہ حق آنست کہ رضائے وے بقتل حسین واستبشار- وے بدان و اہانت نمودن اہل بیت متواتر المعنی است اگرچہ تفاصیلش احاد باشد "فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه وعلی انصاره واعوانه" وبالجملہ وی مبغوض ترین مردم است نزد اکثر مردم و کار ہائے کہ آن بے سعادت در این امت کردہ از دست بیچ کس ہرگز نیاید بعد قتل امام حسین لشکر بتقریب مدینہ منورہ فرستاد و بقیہ صحابہ و تابعین را امر بقتل کردد بالحاد در حرم مکہ و قتل عبد اللہ بن الزبیر پرداخت وہم درین حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ دیگر احتمال توبہ و مرجوع او کجا است

(ص ۶۳، مطبع علوی لکھنو ۱۲۸۸ ہجری)

اور بعض لوگ یزید کے بارے میں غلو و افراط کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کو تو مسلمانوں نے بالاتفاق امیر بنایا تھا۔ لہٰذا اس کی اطاعت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی۔ اس بات کے زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ کی پناہ کہ وہ امام حسینؓ کے ہوتے ہوئے امام اور امیر ہو اور مسلمانوں کا اتفاق کیسا؟ صحابہؓ کی ایک جماعت اور ان کی اولاد کہ جو اس پلید کے زمانہ میں تھی، ان سب نے اس کا انکار کیا اور اس کی اطاعت سے باہر ہو گئے اور اہل مدینہ

کے بعض حضرات کو جب اس کے حال کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی بیعت توڑ ڈالی اور وہ تو تارک صلوۃ، شراب خوار، زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا تھا اور بعض علماء جیسے کہ امام احمد اور ان جیسے دوسرے بزرگ ہیں، اس پر لعنت کو روا رکھتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی نے سلف سے اس پر لعنت کرنے کو نقل کیا ہے۔ کیونکہ جس وقت اس نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے بھی حضرت ممدوح کو قتل کیا یا آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر اتفاق ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ قتل حسینؓ پر یزید کی رضامندی اور اس پر اس کا خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا یہ متواتر المعنی ہے۔ گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار احاد سے ہو۔ لہٰذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس بارے میں اس کے اعوان و انصار پر بھی (تفتازانی کا کلام یہاں ختم ہو گیا) بہر حال وہ اکثر لوگوں کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو جو برے کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہو سکتے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے بعد اس نے مدینہ منورہ کی تخریب کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ و تابعین وہاں باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر حرم مکہ کی عزت کو پامال کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل کرنے کے درپے ہو گیا اور اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا سے چل بسا۔ اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا احتمال ہی کہاں رہا؟

علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں

اور علامہ صالح بن مہدی مقبلی کوکبانی نزیل مکہ جن کے مجتہد ہونے کی قاضی شوکانی نے ''البدر الطالع'' میں تصریح کی ہے اپنی کتاب ''العلم الشامخ فی تفضیل الحق علی الآباء والمشائخ'' میں رقمطراز ہیں:

واعجب من ذلك من يحسن ليزيد المريد (مطبوعہ نسخہ میں المرید کے بجائے المرتد ہے) الذی فعل بخیار الامة ما فعل وهتك مدينة الرسول صلى الله عليه واله وسلم وقتل الحسين السبط و اهل بيته وهتكهم و فعل ما لو استمكن من مثل فعله النصارى ربما كان ارفق منه ومن جملة المحسنين له حجة الاسلام الغزالی ولكنه فی تصرفاته كلها كحاطب ليل يجمع فی خطبة الحية والعقرب ولا يدری وما يهون صنع يزيد اور الامخذول ادركته الشقاوة فی مشاركته بطوامه هو المرديات فاياك و التفريط و الافراط و لكن الصبر عنهما كالقبض على الجمر سيما مع تراكم الجهل كزمننا هذا نسأل الله العافية والسلامة امين

ومن غريب الفقه ما ذكره ابن حجر الهيتمی فی صواعقه أنه لا يجوز لعن يزيد و ان كان بالاجماع لعن من شرب الخمر و من قطع الارحام ومن هتك مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم ومن قتل الحسين او امر بقتله او رضی بقتله. قال و اما يزيد بعينه فلاوان كان قد فعل هذه الاشياء فهو فاسق قطعاً. ونجد فی فقههم نحو كلامه اعنی انه لا يجوز لعن المعين فهی كلية فيقال لهم قياس الدلالة على فقهكم هذا ان لا يحد شارب الخمر المعين و الزانی المعين الى غير ذلك فی جميع احكام الشريعة لان الطريقة واحدة فطاح ايضاً منطقكم لان هذا الشكل الاوّل الضرورى خالفتموه فای برهان يقام بعده وصورته هذا يزيد شرب الخمر و شارب الخمر ملعون هذا يزيد ملعون ولو قالوا ينبغی تحامی ذلك من باب قوله صلى الله عليه واله وسلم "ليس المؤمن باللعان" لكان فيه مندوحة للمتقين والله اعلم (ص ۳۶۸ مطبع مصر ۱۳۲۸ ہجری)

اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے جو یزید مرید (مرید کے معنی سرکش کے ہیں) کو اچھا بنا کر پیش کرتا ہے۔ (یہ یزید وہی تو ہے) جس نے بزرگان امت کے ساتھ ناگفتہ بہ معاملہ کیا۔ مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو خاک میں ملایا۔ سبط پیمبر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام نصاریٰ کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم ہی ہوتا اور یزید کو اچھا بنا کر پیش کرنے والوں میں حجۃ الاسلام غزالی بھی ہیں لیکن وہ اپنی تمام کارگزاریوں میں حاطب اللیل (رات کے اندھیرے میں لکڑیاں جمع کرنے والے) کی طرح ہیں کہ جو اپنی لکڑیوں میں سانپ بچھو بھی جمع کر لیتا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں چلتا اور یزید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو توفیق الٰہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے گھیر لیا۔ اس طرح وہ بھی اس کے مہلک کرتوتوں میں اس کا شریک بن گیا۔ لہٰذا تمہیں تفریط و افراط سے بچنا چاہئے۔ لیکن اس سلسلہ میں صبر سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا، خصوصاً جب کہ جہالت اندھی چلی آتی ہو، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی کے خواہاں ہیں۔ آمین!

اور فقہ کا نرالا مسئلہ جس کو ابن حجر ہیتمی نے اپنی کتاب ''صواعق محرقہ'' میں بیان کیا ہے، یہ ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگرچہ بالاجماع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو مے خوار ہو اور جو قطع رحمی کا مرتکب ہو اور جو مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو ماپال کرے، اور جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل سے راضی ہو، فرماتے ہیں۔ لیکن خود یزید پر لعنت نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا اور وہ قطعاً فاسق تھا اور جیسا کہ ان کا بیان ہے ایسا ہی ہم ان کی فقہ میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا روا نہیں۔ یہ ان کا کلیہ ہے تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ تمہاری اس فقہ

میں تو قیاس الدلالہ کی بناء پر یوں ہونا چاہئے تھا کہ نہ کسی معین شراب خور پر حد لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر اور اسی طرح اور سارے احکام شرعیہ میں بھی یہی ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑ گئی، کیونکہ تم تو منطق کی اس شکل اوّل کی بھی جو بدیہی الانتاج ہے مخالفت کر رہے ہو۔ لہٰذا اب اس کے بعد اور کون سی دلیل تمہارے سامنے ٹھہر سکتی ہے۔ کیونکہ قیاس کی شکل اوّل کی صورت یہ ہے: (۱) یزید جس نے شراب پی ہے اور (۲) شراب کا پینے والا ملعون ہے (۳) لہٰذا یہ یزید ملعون ہے۔ ہاں! اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس لئے بچنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے مومن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا تو بے شک اس صورت میں اہل تقویٰ کے لئے اس سے بچنے کی گنجائش ہوتی۔ واللہ اعلم!

اب نواب صدیق حسن خاں اور علامہ مقبلی کے مقابلہ میں ان دونوں نام نہاد غیر معروف مفتیوں کے فتوئی کی جو وقعت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث

اور ''صحیح بخاری'' کی اس حدیث کے بارے میں جو استفتاء میں مذکور ہے ان غیر مقلد مفتیوں کا یہ کہنا کہ:

''حدیث مذکور در سوال بیّن طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔''

اور پھر مکرر اس بات پر زور دینا اور یہ کہے جانا کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیش گوئی میں اس کو مغفور فرمائیں۔''

اور اسی طرح مولوی محمد صابر نائب مفتی کا یہ لکھنا کہ:

''امیر یزید از روئے حدیث بخاری شریف میں مغفور لہم میں داخل ہیں۔''

محض غلط ہے۔ اگر یہ لوگ خود تحقیق کرتے یا محققین اہل علم سے دریافت کرتے تو ہرگز ایسی شدید غلطی میں مبتلاء نہ ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاتحقیق ایک غلط بات کو منسوب کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

غور فرمایئے! صحیح بخاری کی جو حدیث استشہاد میں درج ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم

میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر پر جنگ کرے گا اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔

اس کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ یزید کی نیت جہاد کی تھی ہی نہیں۔ وہ تو زبردستی باپ کے دباؤ کی وجہ سے غازیان روم میں شامل ہو گیا تھا، ورنہ اسے جہاد کفار سے کیا سروکار۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ یزید نے جیسے ہی تخت حکومت پر قدم رکھا اپنی پہلی ہی تقریر میں بحری اور سرمائی جہاد کی معطلی کا اعلان کیا۔

یزید کے جزیرہ روڈس اور جزیرہ ارواڈ سے مجاہدین کو واپس بلا لینا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں ۵۲ ہجری میں جزیرہ روڈس فتح ہوا اور وہاں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی قائم کر دی گئی۔ اس چھاؤنی کی وجہ سے بحر روم میں عیسائی فوجوں کی نقل و حرکت خطرہ میں پڑ گئی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مجاہدین اسلام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہر وقت ان کی مدد پر کمر بستہ رہتے تھے مگر ان کے نالائق بیٹے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان مجاہدین کو اس جزیرہ سے منتقلی کے فوری احکام بھیجے۔ آخر وہ بیچارے پیچھے سے رسد اور کمک کے منقطع ہو جانے کے ڈر سے شاہی حکم کے مطابق ''روڈس'' کو خالی کر کے اپنی زمین، جائیداد، کھیت اور باغات کو خیر باد کہہ کر بادل ناخواستہ وہاں سے چلے آئے اور یوں بغیر لڑے بھڑے مفت میں یہ مسلمانوں کا مفتوحہ جزیرہ نصاریٰ کے ہاتھ آ گیا۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر بسلسلہ واقعات وحوادث ۵۳ ہجری)

اسی طرح ۵۴ ہجری میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ ''ارواد'' فتح کیا تھا۔ وہاں بھی مسلمان سات سال تک قابض رہے مگر یزید کو وہاں بھی مسلمانوں کا قبضہ ایک آنکھ نہ بھایا اور اپنے دور حکومت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کو وہاں سے واپسی کا حکم دے کر بلوالیا ہے۔ (تاریخ طبری بضمن واقعات ۵۴ ہجری)

ظاہر ہے کہ جب یزید نے بحری جنگ بند کر دی تھی تو وہ ان دونوں جزیروں پر اپنا قبضہ کیسے برقرار رکھ سکتا تھا۔

اس امر پر بھی بحث ہو چکی ہے کہ اس حدیث میں مغفرت سے مغفرت عام مراد نہیں ہے کہ سارے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا پروانہ مل گیا ہو، بلکہ تمام اعمال صالحہ میں جہاں مغفرت کا ذکر آتا ہے، وہاں بالا تفاق سابقہ گناہوں کی مغفرت مراد ہوتی ہے اور وہ بھی عام طور پر صغائر کی مغفرت، کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ بغیر توبہ کے معافی لازمی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت پر معاملہ موقوف رہتا ہے کہ وہ رب کریم چاہے تو اپنے فضل سے معاف کر دے اور چاہے تو از راہ عدل اس گناہ کی پاداش میں عذاب فرمائے۔

''مدینہ قیصر'' سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں مدینہ قیصر کے جو الفاظ ہیں وہ بھی غور طلب ہیں۔ مدینہ قیصر یعنی شہر قیصر کی تعیین کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ اس شہر سے کون سا شہر مراد ہے۔ اس لئے اس کی تعیین میں تین شہروں کا نام لیا جا سکتا ہے:

(۱) ''مدینہ قیصر'' سے مراد وہ شہر ہے جہاں قیصر اس وقت مقیم تھا جب کہ زبان رسالت سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ یعنی ''حمص'' جو کہ شام کا مشہور شہر ہے اور جو یزید کی پیدائش سے بہت پہلے ۱۷ ہجری میں عہد فاروقی ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ چنانچہ سابق میں گزر چکا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث میں ''مدینہ قیصر'' سے حمص ہی کو مراد لیا ہے۔

(۲) شہر رومہ جو قدیم زمانے سے قیاصرہ روم کا دارالسلطنت چلا آرہا تھا۔ ''رومہ'' پر بھی اگرچہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں لیکن یہ حملہ یزید کی حیات میں نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے مرنے کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

(۳) شہر ''قسطنطنیہ'' جو قسطنطین اعظم کا پایہ تخت تھا۔

حدیث ''مدینہ قیصر'' کا مصداق سلطان محمد فاتح ہے

اب اگر ''مدینہ قیصر'' کو قسطنطنیہ ہی قرار دینے پر اصرار ہے تو انصاف یہ ہے کہ اس بشارت نبوی کا مصداق یزید پلید نہیں بلکہ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ علیہ الرحمہ اور ان کی فوج ظفر موج ہے۔ یہی وہ مجاہدین اسلام ہیں جن کی شمشیر خارا شگاف نے عیسائیت کے اس مرکز کو فتح کر کے اس کو قلمرو اسلامی میں داخل کیا اور پھر وہ بغداد کے بعد صدیوں تک مسلمانوں کا دارالخلافہ رہا۔ تا آنکہ مصطفےٰ کمال نے اپنی حماقت سے خلافت ہی کے سلسلہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور یکجہتی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا اور اب شاید امام مہدی کے آنے پر ہی خلافت کا دوبارہ قیام عمل میں آئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن احادیث میں کسی غزوہ پر بشارت آتی ہے اس میں عام طور پر فتح و کامرانی ہی مراد ہوتی ہے، اس لئے اس حدیث کے صحیح مصداق اگر ''مدینہ قیصر'' سے ''قسطنطنیہ'' ہی مراد لیا جائے تو فاتحین ''قسطنطنیہ'' ہی ہو سکتے ہیں۔ بھلا یزید اس بشارت کا مصداق کسی طرح ہو سکتا ہے جب کہ وہ تو قریش کے ان شریر النفس لونڈوں میں سرفہرست ہے جن کے متعلق زبان رسالت سے پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ امت کی تباہی ان کے ہاتھوں ہونی ہے۔

یزید قسطنطنیہ کی پہلی مہم میں شریک نہ تھا

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ حدیث میں اوّل جیش من امتی (میری امت کا پہلا لشکر) کے الفاظ آئے ہیں اور یزید کے زیر کمان جو لشکر

قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا تھا، وہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا بلکہ اس سے بہت پہلے اسلامی لشکر قسطنطنیہ پر جا کر جہاد کر چکے تھے۔ یزید کس سنہ میں ''قسطنطنیہ'' پر حملہ آور ہوا۔ اس کے بارے میں اگرچہ مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں لیکن ۴۹ ہجری سے پہلے کوئی مؤرخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا۔ ناصبیوں کے شیخ التاریخ محمود احمد عباسی کا بھی خلافت معاویہ و یزید میں یہی بیان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''۴۹ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کے لئے بری اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ بری فوج میں شامی عرب تھے۔ خصوصاً بنو کلب جو امیر یزید کا ننہالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المومنین کے لائق فرزند امیر یزید تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی۔'' (ص ۷۳ طبع چہارم)

اگرچہ خود بدولت نے بھی اسی کتاب میں (ص ۷۹ پر) امیر شکیب ارسلان کی کتاب ''حاضر العالم الاسلامی کی تعلیقات'' سے بحوالہ ''طبقات ابن سعد'' اس غزوہ کی تاریخ ۵۲ ہجری ہی نقل کی ہے۔ بہر حال ۴۹ ہجری سے پہلے قسطنطنیہ کی کسی مہم میں یزید کی شرکت ثابت نہیں ہے۔

اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۴۹ ہجری سے بہت پہلے غازیان اسلام قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں مذکور ہے:

حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا ابن وهب عن حيوة بن شريح وابن لهيعة عن يزيد بن ابي حبيب عن اسلم ابي عمران قال غزونا من المدينة نريد القسطنطينية و على الجماعة عبدالرحمٰن بن خالد بن الوليد و الروم ملصقو ظهورهم بحائط المدينة فحمل رجل

علی العدو فقال الناس مه مه لا اله الا الله یلقی بیدیه الی التهلکه فقال ابو ایوب انما انزلت هذه الآیة فینا معاشر الانصار لما نصر الله نبیه صلی الله علیه وسلم واظهر الاسلام قلنا هلم نقیم فی اموالنا ونصلحها فانزل الله عز وجل:

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

فالالقاء بایدینا الی التهلکة ان نقیم فی اموالنا ونصلحها وندع الجهاد قال ابو عمران فلم یزل ابو ایوب یجاهد فی سبیل الله عز وجل حتی دفن بالقسطنطینیة (باب فی قوله عز وجل ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة)

اسلم ابی عمران کا بیان ہے کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت امیر جیش حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ رومی فوج شہر پناہ سے پشت لگائے مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھی۔ اسی اثناء میں (مسلمانوں کی صف میں سے نکل کر ایک شخص نے دشمن کی فوج) پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے ''رکو رکو، لا الہ الا اللہ یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں اتری ہے (واقعہ یہ ہے) کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں رہ کر اپنے اموال کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دینا چاہئے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی: وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الآیة (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) لہٰذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر ہمارا اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح کے خیال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا تھا۔

ابو عمران کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل راہ خدا میں جہاد ہی کرتے رہے تا آنکہ آپ دفن بھی قسطنطنیہ ہی میں ہوئے۔

اور اسی غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابو داؤد ہی نے ''کتاب السنن'' کے باب فی قتل الاسیر بالنبل میں بایں الفاظ نقل کیا ہے:

حدثنا سعید بن منصور ثنا عبداللہ بن وھب قال أخبرنی عمرو بن الحارث عن بکیر بن الأشج عن ابن تعلی قال غزونا مع عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید فأتی بأربعة اعلاج من العدو فأمر بھما فقتلوا صبراً قال ابوداؤد قال لنا غیر سعید عن ابن وھب فی ھذا الحدیث قال بالنبل صبراً فبلغ ذلك أبا أیوب الانصاری فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن قتل الصبر فو الذی نفسی بیدہ لو کانت دجاجة ما صبرتھا فبلغ ذلك عبد الرحمٰن بن خالد بن الولید فاعتق أربع رقاب

ابن تعلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ (اسی مہم میں) ان کے سامنے دشمن کے چار بندے کئے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل کرنے کا انہوں نے حکم دیا اور تعمیل حکم میں ان کو باندھ کر قتل کروا ڈالا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاذ سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے ابن وہب سے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف بنایا گیا تھا۔ جب اس امر کی خبر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو میں اس کا اس طرح باندھ کر نشانہ نہ لوں۔ پھر آپ کے اس

فرمانے کی اطلاع جب حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے اس کے کفارے میں چار غلام آزاد کئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بعض محدثین نے صغار صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ بھی اپنے والد بزرگوار حضرت سیف اللہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شجاع و دلیر تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کردی ہے کہ:

اخرج ابن عساکر من طرق کثیرۃ انہ کان یؤمر علی غزو الروم أیام معاویۃ

حافظ ابن عساکر نے بہت کی سندوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں ان کو رومیوں سے جو جنگیں لڑی جاتی تھیں ان میں امیر بنایا جاتا تھا۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ۴۴ اور ۴۵ ہجری کے واقعات کے ضمن میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ۴۴ اور ۴۶ ہجری کے واقعات کے ذیل میں بلاد روم میں ان کی زیر امارت رومیوں سے مسلمانوں کے سرمائی جہاد کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ۴۶ ہجری ہی میں ان کو حمص میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا۔ یہ اپنے غزوات و جہاد کی وجہ سے شامی مسلمانوں میں بڑے محبوب و با اثر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید تو ۴۹ ہجری یا اس کے بھی کئی سال بعد ۵۲ ہجری یا ۵۵ ہجری میں قسطنطنیہ کی مہم پر روانہ ہوا تھا اور یہ اس سے برسوں پہلے قسطنطنیہ کی شہر پناہ پر جنگ کر چکے ہیں۔ سردست ہم ''غزوہ قسطنطنیہ'' کے سلسلہ میں اس قدر بحث پر اکتفاء کرتے ہیں۔ زندگی بخیر رہی اور حق تعالیٰ نے توفیق دی تو تفصیلی بحث اس حدیث پر ان شاء اللہ تعالیٰ! آپ ہماری کتاب ''یزید کی شکل وصورت حدیثوں کے آئینے میں'' میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ شارح بخاری مہلب المتوفی ۴۳۳ ہجری جنہوں نے سب سے پہلے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے، اندلس میں مالقہ کے قاضی تھی اور اندلس میں اس زمانے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ اس لئے موصوف کی یہ ساری کارگزاری۔ جیسا کہ محدث قسطلانی نے شرح بخاری ص ۱۰۵ ج ۵ میں تصریح کی ہے۔ بنی امیہ کی حمیت میں تھی۔

یزید کا عقیدہ وعمل دونوں خراب تھے

خلاصہ بحث یہ ہے کہ یزید علمائے اہل سنت و جماعت کی تحقیق کے مطابق عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے نہایت خراب آدمی تھا۔ اس کے عقیدہ میں دوخرابیاں تھیں۔ (۱) ''ناصبیت'' یعنی حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ سے عداوت۔ چنانچہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی یزید کے بارے میں تصریح ہے کہ: ''از مروسائے نواصب است'' (مکتوب قاسمی درباہ شہادت حسین طبع ملتان ص ۳۹)

اور مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ''سیر اعلام النبلا'' میں فرماتے ہیں:

یزید بن معاویة کان ناصبیاً فظاً غلیظاً جلفاً یتناول المسکر و یفعل المنکر، افتتح دولته بقتل الشهید الحسین رضی الله عنه واختتمها بوقعة الحرّة فمقته الناس ولم یبارك فی عمره وخرج علیه غیر واحد بعد الحسین رضی الله عنه کاهل المدینة

(الروض الباسم فی الذب عن سنه ابی القاسم ج ۲ ص ۳۶ طبع منیریہ مصر)

یزید بن معاویہ ناصبی تھا۔ سنگدل، بد زبان، غلیظ، جفا کار، مے نوش، بدکار۔ اس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین شہید رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرّہ (کے قتل عام) پر۔ اس لئے لوگوں نے اس پر پھٹکار بھیجی اور اس کی

عمر میں برکت نہ ہوسکی۔ حضرت حسینؓ کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے خلاف محض للہ فی اللہ خروج کیا۔ جیسے کہ حضرات اہل مدینہ نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(۲) ''ارجاء'' یعنی ''ناصبی'' ہونے کے ساتھ ساتھ ''مرجئی'' بھی تھا۔

چنانچہ سوال اوّل کے جواب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح اس کے بارے میں گزر چکی ہے اور ''ارجاء'' کی تفصیل بھی وہیں مذکور ہے اور رہی اس کی بدعملی سو اس کے اعمال قبیحہ اور حرکات شنیعہ کی تفصیل سے اس مقالہ کے اوراق پر ہیں۔ اب خود ہی سوچ لیجئے کہ ایسے نابکار اور نالائق شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گن گانا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ یزید سے محبت کے بارے میں

حافظ ابن تیمیہ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ:

و اما ترك محبته فلأن المحبة الخاصة انما تكون للنبيين والصديقين والشهداء والصالحين وليس واحدا منهم وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم المرء مع من أحبه ومن امن بالله واليوم الاخر لا يختار أن يكون مع يزيد ولا مع أمثاله من الملوك الذين ليسوا بعادلين (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۴)

یزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ محبت خاص تو انبیاء، صدیقین، شہداء و صالحین سے رکھی جاتی ہے اور یزید کا شمار ان میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ''انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے۔''

روافض و نواصب دونوں راہ ہدایت سے دور ہیں

اخیر میں ہم اتنا اور عرض کریں گے کہ احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین کو ''نجوم ہدایت بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم

(مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث)

میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اس روایت کو رزین نے نقل کیا ہے۔

اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کو ''کشتی نوح'' سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو اس میں سوار ہوگا بحر ضلالت میں غرق ہونے سے بچے گا۔ ارشاد ہے:

ألا إن مثل أهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها هلك. رواه احمد

یاد رکھو میرے اہل بیتؓ کی مثال تمہارے لئے ایسی ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تھی کہ جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔ (باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثالث (مشکوۃ))

اس روایت کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

مطلب صاف ہے جو لوگ ''سفینہ اہل بیت'' سے دور رہے جیسے خوارج اور نواصب کہ اہل بیت کے دشمن ہیں، ان کو کافر کہتے اور ان سے بغض وعناد رکھتے ہیں وہ اوّل وہلہ میں غرق دریائے ضلالت ہوئے اور جو کشتی میں تو سوار ہوئے مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ضیا پاشی سے کہ: ''نجوم ہدایت'' ہیں انہوں نے رہنمائی حاصل نہ کی، جیسے روافض ہیں تو اندھیرے اور تاریکی کی وجہ سے عین منجدھار میں جا کر ان کی کشتی بحر ضلالت میں غرقاب ہوئی اور اہل سنت و جماعت امام فخر الدین رازی کے الفاظ میں:

نحن معاشر أهل السنة بحمد لله رکبنا سفینة محبة أهل البیت و اهتدینا بنجم هدی أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم

فنرجوا النجاۃ من اھوال القیامۃ وحرکات الجحیم والھدایہ إلی ما یوجب درجات الجنات والنعیم المقیم.

ہم گروہ اہل سنت بحمد اللہ محبت اہل بیت کے سفینہ میں سوار ہیں اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نجم ہدایت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس لئے امیدوار ہیں کہ قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے طبقات سے ہمیں نجات ہوگی اور وہ ہدایت ہمیں عطاء ہوگی جو جنت کے درجات اور دائمی نعمت کو واجب کر دیتی ہے۔

محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں حدیث سفینہ نوح کی تشریح میں امام رازی کی تفسیر کبیر سے ان کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ ''یزید پلید نے نہ اہل بیت نبوی کی لاج رکھی نہ صحابہ کرام کی۔'' اس لئے اب جو اہل سنت کے زمرہ سے خارج ہو کر نواصب کے گروہ شقاوت پژوہ میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ شوق سے یزید پر اپنی جان نچھاور کرے اپنا مال نثار کرے اور اس کی مداحی کو اپنا شعار بتائے۔

ان ساری تفصیلات سے اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ سائل نے استفتاء میں جو بارہ سوالات قائم کئے ہیں وہ سب واہی تباہی شبہات پر مبنی ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین وتذلیل اور تحمیق وتجہیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ اس لئے ایسے امور کو حقائق باور کرنے والا پکا ناصبی، فاسق اور بدعتی ہے اور اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور واجب التعزیر ہے۔ ایسا شخص نہ امامت کے لائق ہے، نہ خطابت کے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، واجب الاعادہ ہے۔

واللہ أعلم بالصواب والحمد للہ أوّلا وآخرا

کتبہ الفقیر الی اللہ محمد عبدالرشید نعمانی غفر اللہ ذنوبہ

۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ

۲۶/ اپریل ۱۹۸۱ء

حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور

علوم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ مقالہ ۱۰ رذی الحجہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۷ راگست ۱۹۸۵ء کو محقق العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا۔

جسے ہم ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر تیئس (۲۳) پر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ابنِ عم، آپ کے داماد، سابقینِ اوّلین میں ممتاز، سب سے پہلے اسلام لانے والے، عشرہ مبشرہ کے بزم نشیں، خلافتِ راشدہ کے چوتھے رکن، ان کے فضائل وکمالات کو کوئی کیا بیان کرے۔ بقول حافظ ابنِ حجر عسقلانی:

مَاتَ فِي رَمَضَانَ سَنَةَ أَرْبَعِيْنَ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَفْضَلُ الْأَحْيَاءِ مِنْ بَنِيْ آدَمَ بِالْأَرْضِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ السُّنَّةِ۔ (تقریب التھذیب)

رمضان سنہ ۴۰ ہجری میں جب اس خاکدانِ عالم کو آپ نے خیر باد کہا تو باجماعِ اہلِ سنت روئے زمین پر جتنے بھی انسان بقیدِ حیات تھے، ان سے آپ افضل تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

اِنَّ الْخِلَافَةَ لَمْ تُزَيِّنْ عَلِيًّا بَلْ عَلِيٌّ زَيَّنَهَا۔

خلافت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زینت نہیں بخشی، بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی۔ (حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو امام احمد سے بسند روایت کیا ہے)

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۳۵ طبع مصر)

اور اسی بناء پر امام ممدوح کی تصریح ہے کہ:

مَنْ لَمْ يُرَبِّعْ بِعَلِيٍّ فِي الْخِلَافَةِ فَهُوَ أَضَلُّ مِنْ حِمَارِ أَهْلِهِ۔

جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ چہارم نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی گرانقدر تصنیف "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل کا ایک مختصر سا جائزہ لیا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں:

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بہت ہیں اور ان کے مناقب بے شمار ہیں۔

۱۔ وہ پہلے ہاشمی ہیں جو ایک ہاشمی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۲۔ ان کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی۔ یہ ایسی فضیلت ہے جو ان سے پہلے صرف ایک صاحب کو نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ صاحب جیسا کہ مستدرک حاکم میں مذکور ہے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۳۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوشِ تربیت میں نشوونما پائی۔

۴۔ ایک قول کے مطابق یہی پہلے شخص ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ دوسرے قول کے مطابق پہلے مسلمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خویش (داماد) تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ ان ہی کے صلب سے باقی رہا۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر بسترِ نبوی پر جا کر یہی سوئے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جا چکے ہیں۔

۷۔ (مدینہ نبوی میں) عقدِ مواخات کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواخات (یعنی آپ کے بھائی بننے) کا شرف حاصل ہوا۔

۸۔ غزوۂ بدر میں قریش کے پہلوانوں نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ان کے مقابل میں میدانِ جنگ میں اترے اور غالب رہے، اور پھر اس بشارت سے

سرفراز ہوئے کہ روزِ قیامت جب مومنین کی کفار سے مخاصمت شروع ہوگی تو سب سے پہلے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔

۹۔ غزوۂ اُحد میں ان چند بزرگوں میں سے یہ بھی تھے جو معرکے میں ثابت قدم رہے اور اس جنگ میں نمایاں سعی آپ سے ظاہر ہوئی۔

۱۰۔ غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدوُدّ کو، جو قریش کا مشہور پہلوان تھا، جہنم رسید کیا۔

۱۱۔ غزوۂ خیبر میں آشوبِ چشم کی وجہ سے، جو اس وقت آپ کو لاحق تھا، اوّلاً شرکت کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد کو توفیقِ الٰہی نے دستگیری کی اور باوجود آشوبِ چشم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آشوبِ چشم سے شفا پائی اور قلعۂ خیبر آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا اور اس موقع پر ایسی فضیلت تامہ آپ کے نصیب میں آئی کہ زبانِ رسالت سے یہ کلمات آپ کے حق میں صادر ہوئے:

سَأُبْعَثُ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

''میں کل ایسے شخص کو اس مہم پر بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔''

۱۲۔ غزواتِ نبوی میں بہت سے مواقع پر عساکرِ نبوی کے علمبردار آپ ہی تھے۔

۱۳۔ سنہ ۹ ہجری میں آیۂ براءت کی تبلیغ کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے کہ:

أَدِّهَا، لَا يُبَلِّغُهَا إِلَّا أَنَا أَوْ رَجُلٌ مِنِّيْ۔

''اس کی تبلیغ یا تو میں کرسکتا ہوں یا میرے خاندان کا کوئی فرد۔''

اس حکم کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی۔

۱۴۔ غزوۂ تبوک میں مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے اور اس باب میں:

أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى.

جو منزلت ہارون کی موسیٰ کے یہاں تھی وہی تمہاری میرے یہاں ہے۔

کی فضیلتِ عظمیٰ آپ کو نصیب ہوئی۔

۱۵۔ ہجرت کے آخری سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کی حکومت پر آپ کو متعین فرمایا اور وہاں کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

۱۶۔ اور جب مالِ غنیمت کے خمس میں سے ایک لونڈی آپ کے حصہ میں آئی اور اس کے بارے میں لوگوں میں قیل و قال شروع ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاسِ غیرت کی بنا پر لوگوں کو ان کی ایذا رسانی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

هُوَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ.

(تم نے علیؓ کو کیا سمجھا ہے) وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

۱۷۔ اور غدیرِ خم کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ.

میں جس کا دوست ہوں، علیؓ اس کے دوست ہیں۔

۱۸۔ اور مباہلہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت کو اپنے ہمراہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔

۱۹۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا.

اے اللہ! یہ لوگ (علی، فاطمہ، حسن، حسین) میرے اہل بیت ہیں، تو ان کو خوب پاک کر دے۔

تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں نہ صرف شامل بلکہ ان سب سے بڑے تھے۔

۲۰۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے حق میں ارشاد ہے:

لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَلَا یُبْغِضُهٗ مُؤْمِنٌ۔

علیؓ سے نہ کوئی منافق محبت رکھ سکتا ہے اور نہ کوئی مومن بغض رکھ سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ آپ راہِ حق پر عمل پیرا اور امرِ الٰہی کی بجا آوری میں شدت کے ساتھ سرگرم تھے۔

۲۱۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حکم دیا کہ مسجدِ نبوی کے سب دروازے جو لوگوں نے اپنی نجی آمد و رفت کے لئے کھول رکھے ہیں بند کر دیئے جائیں، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دروازے کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کا شرف حاصل تھا اور آپ کو ان کا قرب مطلوب تھا۔

ان اکیس فضائل کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ممدوح کے الفاظ ہیں:

''این بود شرح قیامِ او بیک جناح اشاعتِ اسلام کہ نبوت است ونصرتِ او در جناحِ دیگر از جناحینِ خلافتِ نبوت کہ افشائے علم است آثارِ جمیلہ ازوے ظاہر شدند۔''

اشاعتِ اسلام جو نبوت کا ایک بازو ہے اس کے برپا کرنے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو مساعی تھیں یہ ان کی شرح ہے، اور خلافتِ نبوت کے دو بازوؤں میں سے دوسرے بازو کی نصرت یعنی اشاعتِ علم کے سلسلے میں جو آپ سے آثارِ جمیلہ ظاہر ہوئے (ان کی تفصیل یہ ہے:)

۱۔ تعلیمِ قرآن: چنانچہ تا حال آپ کی روایت باقی ہے اور قراءِ سبعہ میں سے بعض حضرات اس قرآن مجید کو آپ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ حدیثِ نبوی کی روایت کے اعتبار سے آپ کا شمار مکثرین میں ہے یعنی ان اصحاب میں جن سے بکثرت احادیثِ نبویہ مروی ہیں۔

۳۔ فقہ: آپ کے عہد خلافت میں آپ کے ہاتھوں بکثرت مسائل کے فیصلے ظاہر ہوئے اور امت میں محفوظ رہے۔

۴۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے علم کی گواہی دی اور فرمایا:

أَنَا مَدِيْنَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

''میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔''

۵۔ اور مسائلِ قضا میں ان کے تفوق کو بھی بتایا، چنانچہ ارشاد ہے:

أَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ۔

''تم میں سب سے بڑے قاضی (مسائل کا فیصلہ کرنے والے) علی رضی اللہ عنہ ہیں۔''

۶۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کوئی سخت الجھا ہوا مسئلہ ان کے سامنے ایسے وقت پیش آئے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوں۔

۷۔ خود حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ:

سَلُوْنِيْ عَنْ كِتَابِ اللهِ فَوَاللهِ مَا مِنْ آيَةٍ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ أَبِلَيْلٍ نَزَلَتْ أَمْ بِنَهَارٍ أَمْ فِيْ سَهْلٍ أَوْ فِيْ جَبَلٍ۔

مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لیا کرو، بخدا کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ رات میں اتری تھی یا دن میں، اور وہ وادی میں اتری تھی یا پہاڑ پر۔

۸۔ حکمت اور ذہن کا جلدی سے (مسئلہ کی حقیقت کی طرف) منتقل ہو جانا جو حکمت کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے، اس کا بھرپور حصہ آپ کو ملا تھا، چنانچہ حساب کے دقیق مسائل نیز مسئلہ کے ماخذ پر کتاب وسنت اور قواعدِ مقررہ ومسلمہ کی روشنی میں متنبہ کرنے کے بے شمار واقعات آپ سے منقول ہیں۔

۹۔ اور زہد اور بیت المال کے تصرف میں غایتِ احتیاط، کھانے پینے، پہننے میں سادگی اور بیت المال کی تقسیم میں اپنی قرابت کا پاس ولحاظ نہ کرنا، ان امور میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مناقب جمیلہ آپ میں موجود تھے۔

(قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۱۳۸ تا ۱۴۰ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ)

یہ بھی واضح رہے کہ: ''قرۃ العینین'' میں شاہ صاحب ممدوح علیہ الرحمۃ کے پیش نظر اختصار ہے، لیکن انہوں نے اپنی دوسری بے نظیر تصنیف ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' کی جلد دوم میں مناقب مرتضوی پر نہایت مبسوط بحث کی ہے، جس کی ضخامت ہی اس کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ یہ بحث بڑی تقطیع کے پورے چوبیس صفحات پر (صفحہ ۲۵۱ سے لے کر ۲۷۴ تک) پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی خدمات کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے ''ازالۃ الخفاء'' میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا نہایت ہی مختصر سا تعارف درج ذیل ہے:

فرماتے ہیں:

۱۔ ''ونصیب او از احیاء علوم دینیہ آنست کہ جمع او کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔'' (ص ۲۷۳)

۱۔ دینی علوم کے احیاء کے سلسلے میں ان کا حصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔

چنانچہ تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے قرآن مجید کو روایت کیا ہے اور اس روایت کا سلسلہ تا حال باقی ہے۔ امام عاصم جن کے شاگرد امام حفص کی قراءت آج تمام دنیا میں متداول ہے اور ہم اہل ہند و پاک بھی اسی قراءت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، اس کا سلسلۂ اسناد بھی حضرت مرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پر منتہی ہوتا ہے۔

اسی طرح قراء سبعہ میں امام حمزہ کی قراءت کی سند بھی حضرت ذی النورینؓ و حضرت علی مرتضیٰؓ پر ختم ہوتی ہے اور ان حضرات صحابہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن مجید اخذ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو آج ہم پڑھتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسی طرح بعینہٖ لوگوں کے سینوں میں جمع اور محفوظ تھا۔

(اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن کی تحریف یا اس میں کمی بیشی کے قائل ہیں وہ مسلمان نہیں۔ نعمانی)

''وے رضی اللہ عنہ از حفاظِ حدیث و از مکثرینِ صحابہ است۔'' در بادیٔ النظر قریبِ شش صد حدیث در کتبِ معتبرہ از احادیثِ مرفوعۂ وے رضی اللہ عنہ مذکور است و فی الحقیقت مرفوعاتِ او از ہزار بیشتر میتوان یافت۔''

(ص ۲۷۳)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کے حفاظ اور مکثرینِ صحابہ میں سے تھے۔ بادیٔ النظر میں تو چھ سو احادیثِ مرفوعہ کے قریب معتبر کتابوں میں آپ سے منقول ہیں، لیکن درحقیقت آپ کی مرفوع احادیث ایک ہزار سے زیادہ مل سکتی ہیں۔

آپ کی مرویات کی ایک اہم خصوصیت جس کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب نے توجہ دلائی یہ بھی ہے کہ:

''و بعضِ ابوابِ حدیث کہ پیش از وے روایت نہ کردہ بودند او فاتحِ اوّل آں باب است۔'' (ص ۲۷۳)

اور حدیث کے وہ بعض ابواب جن کی آپ سے پہلے روایت نہیں کی گئی تھی، اس باب کے بیان کرنے کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی۔

چنانچہ اس سلسلے میں شاہ صاحب ممدوح نے خاص طور پر جن احادیث کی نشاندہی کی وہ یہ ہیں:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیۂ مؤرہ اور اوقاتِ شب و روز کے گزران کی کیفیت جو شمائلِ ترمذی میں مذکور ہے۔

۲۔ نمازِ مناجات جو نورانیتِ باطن میں بغایت مؤثر ہے اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔

۳۔ نوافلِ یومیہ، ضحیٰ، صلوٰۃ الزوال وغیرہ جو تصوف کا خاص باب ہے، اس کی روایت مسندِ احمد میں موجود ہے۔

۴۔ ''واز مسائلِ فتاویٰ واحکام بسیارے نقل کردہ شد خصوصاً در کتبِ امام شافعی ومصنف عبدالرزاق و در مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ حصۂ وافرہ مذکور است۔'' (ص ۲۷۴)

آپ سے مسائلِ فتاویٰ واحکام بہت منقول ہوئے، خصوصاً امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں، نیز مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں ان کا بڑا حصہ مذکور ہے۔ (بندہ ناکارہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اصحاب کی تصانیف میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جتنی روایتیں کی ہیں، ان سے بھی زیادہ روایات مذکور ہیں)

۵۔ ''و در بحثِ توحید وصفات زبانے داشت فصیح وآں مبحث در خطبِ وے رضی اللہ عنہ یافتہ می شود۔ واز میانِ صحابۂ کبار وے کرم اللہ وجہہ بآں زبان متفرد است گویا در بابِ توحید وصفات از فنِ کلام متکلمِ اوّل اوست ووے در آں مقامات از اصلِ سنتِ سنیہ انبیاء بیرون نہ رفتہ۔'' (ص ۲۷۴)

توحید وصفاتِ الٰہی کے بارے میں آپ کی زبانِ فیض ترجمان پر فصاحت کے دریا جاری تھے، یہ مضمون آپ کے خطبات میں پایا جاتا ہے۔ صحابۂ کبار میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس بحث میں اپنے زورِ بیان میں منفرد ہیں۔ گویا فنِ کلام میں جو توحید وصفات کا باب ہے اس کے پہلے متکلم امت میں آپ ہی ہیں اور ان مقامات کے بیان میں انبیاء کی اصل سنت سنیہ سے آپ نے قدم باہر نہیں رکھا ہے۔

۵۔ ''در بابِ تصوف بحرے بود بغایت وسیع ..... قال الجنید رحمہ اللہ شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔'' (ص ۲۷۴)

اور علمِ تصوف کا تو آپ ایک نہایت وسیع سمندر تھے..... حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اصول اور بلاء میں تو ہمارے شیخ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔

''ورسم فصاحت و بلاغت در خطب آوردۂ اوست، خلفائے سابق بآں مشغول نمی شدند۔''

خطبات میں فصاحت و بلاغت کا طریقہ آپ ہی کا جاری کردہ ہے، خلفائے سابق اس میں مشغول نہ ہوئے۔

''باز در زمانِ شیخین مشیرِ مسائلِ دینیہ و وزیر در تدبیراتِ ملکیہ ایشاں بود و ایشاں در تعظیم و توقیرِ او دور دور رفتہ و مناقب و فضائلِ او رضی اللہ عنہ واضح ساختہ اند۔'' (ص ۲۷۴)

پھر حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں دینی مسائل کے مشیر اور ملکی تدابیر میں ان کے وزیر رہے، اور یہ حضرات بھی ان کی تعظیم و توقیر بہت ہی زیادہ کرتے تھے اور ان کے مناقب و فضائل خوب کھول کر بیان کرتے تھے۔

اور شاہ صاحب نے ''قرۃ العینین'' میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''اعتماد بر فتاویٰ عبداللہ بن مسعود در غالبِ حال و بر قضایائے مرتضیٰ در بعضِ احوال بایں شرط کہ اصحابِ عبداللہ بن مسعود روایت کردہ باشند و اثبات نمودہ و بعد ازاں بر تحقیقاتِ ابراہیم نخعی و شعبی و تخریجاتِ ایشاں اصلِ مذہبِ ابی حنیفہ است کہ سببِ آں صورتِ خاصِ مذہبِ او پیدا شدہ۔'' (ص ۱۷۲)

اکثر حالات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ پر اور بعض حالات میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلوں پر اعتماد کرنا (بشرطیکہ ان کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ نے نقل کیا اور ثابت رکھا ہو)

اس شرط کو ملحوظ رکھنے کی وجہ خود شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بتائی ہے کہ:

''اصحابِ عبداللہ بن مسعودؓ ثقات و فقہاء اند، و رواۃ حضرتِ مرتضیٰ لشکریانِ مستور الحال۔ و حدیث مرتضیٰ بدرجۂ صحت نرسیدہ است الا آنچہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ اند۔ (قرۃ العینین ص ۱۷۱)

کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب ثقات اور فقہاء ہیں اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے ان کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کا حال مستور ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث صحت کے درجہ کو پہنچتی ہے جس کو ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب روایت کرتے ہیں۔

بعد ازاں ابراہیم نخعی اور شعبی کی تحقیقات وتخریجات کو سامنے رکھنا، یہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کا اصول ہے جس کی بنا پر ان کے مذہب کی ایک خاص شکل پیدا ہوگئی۔

اس سے اندازہ لگایئے کہ مذہبِ حنفی پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر ہے وہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فقہی مسائل مستقل کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی مدون کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

''لالکائی از محدثینِ اہل سنت مذہب علی مرتضیٰ را در فقہیات از کتاب الطہارۃ تا کتاب القضاء بہ ترتیب جمع کردہ کتابے مستقل در فقہ ساختہ است، ہر کسے کہ خواہد بطرف آں کتاب رجوع کند۔''

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۰ مطبع مجتبائی ۱۳۴۱ھ)

محدثین اہلِ سنت میں سے لالکائی نے مسائلِ فقہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو کتاب الطہارت سے لے کر کتاب القضاء تک جمع کر کے ایک مستقل کتاب الفقہ کی تیار کر دی ہے۔ چنانچہ جو شخص چاہے اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں محدث لالکائی کا ترجمہ لکھا ہے جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے:

اَللَّالَكَائِيُّ الْإِمَامُ اَبُو الْقَاسِمِ هِبَةُ اللهِ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ مَنْصُوْرٍ الطَّبَرِيُّ الرَّازِيُّ الْحَافِظُ الْفَقِيْهُ الشَّافِعِيُّ مُحَدِّثُ بَغْدَادَ۔

انہوں نے بہت سے محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ فقہ کی تعلیم ابو حامد اسفرائینی سے پائی تھی۔ محدث خطیب بغدادی حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ رمضان ۴۱۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں اس کتاب کے علاوہ جس کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیا ہے۔ ایک کتاب السنہ ہے، دوسری رجال صحیحین پر اُن کی ایک تالیف ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی احادیث مرویہ کو جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا، حدیث کی معتبر کتابوں میں علما و محدثین نے جمع کر دیا ہے۔ کتب حدیث کا ایک مستقل عنوان ہے ''مسند''۔ اس نام سے حدیث کی جتنی کتابیں جمع کی گئی ہیں ان میں ہر صحابی کے نام کے تحت اس صحابی کی تمام مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا کر دیا جاتا ہے۔ مسانید اسلام میں بکثرت مرتب ہوئیں۔ سیکڑوں ہزاروں کتابیں اسی عنوان کے تحت لکھی گئیں، مگر ان میں سب سے مبسوط کتاب امام شیخ الاسلام ابو عبدالرحمن بقی بن مخلد القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۲۷۶ھ) کی مسند کبیر ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی کا بیان ہے کہ اس مسند میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کی مرویات درج ہیں اور پھر ہر صحابی کی حدیث ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب ''مسند'' بھی ہے اور ''مصنف'' بھی۔ اس خوبی کی حامل کسی اور مصنف کی کتاب نہیں۔

(کشف الظنون زیر عنوان مسند امام بقی بن مخلد۔ خاکسار کہتا ہے کہ اسی صفت کی حامل شیخ الاسلام بقی بن مخلد کے معاصر امام ابن جریر طبری کی تہذیب الآثار بھی ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں تمام نہ ہو سکی۔ شیخ الاسلام بقی کی مسند تو آج دنیا میں ناپید ہے، لیکن امام ابن جریر طبری کی کتاب کے کئی حصے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں)

شیخ الاسلام بقی بن مخلد علم حدیث میں بخاری و مسلم کے ہمسر تھے۔ امام ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ:

كَانَ بَقِيٌّ ذَا خَاصَّةٍ مِنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَجَارِيًا فِي مِضْمَارِ الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ وَالنَّسَائِيِّ۔ (تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی ترجمہ بقی بن مخلد)

بقی کو امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں بڑا اختصاص حاصل تھا۔ یہ بخاری، مسلم اور نسائی کے ہم عناں ہیں۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ دوسو اسی سے زائد شیوخ حدیث سے انہوں نے علم حدیث اخذ کیا اور طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا تھا۔ حافظ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ان الفاظ میں اُن کو خراج عقیدت پیش کیا ہے:

وَكَانَ اِمَامًا عَلَمًا قُدْوَةً مُجْتَهِدًا لَا يُقَلِّدُ اَحَدًا ثِقَةً حُجَّةً صَالِحًا عَابِدًا مُتَهَجِّدًا اَوَّاهًا عَدِيْمَ النَّظِيْرِ فِيْ زَمَانِهٖ۔

متاخرین محدثین جو عام طور پر کسی صحابی کی مرویات کی تعداد بیان کیا کرتے ہیں، وہ انہیں کی مسند کی مرویہ احادیث کی تعداد ہوتی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث مرفوعہ کی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے چھ سو کے قریب بتلائی ہے۔ حافظ ابن جوزی کی کتاب "تلقیح فهوم اهل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" کا جو نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اور جس کو سید محمد یوسف ٹونکی نے اپنی تصحیح و اہتمام سے جید برقی پریس دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا ہے، اس میں اس ''قریب'' کی تعیین پانچ سو چھتیس کی ہے۔ چنانچہ اصحاب الیمین کے زیر عنوان اس کی عبارت یہ ہے:

"عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ خَمْسُ مِائَةٍ وَسِتَّةٌ وَثَلَاثُوْنَ، وَقَالَ اَبُوْ نُعَيْمٍ الْاَصْفَهَانِيُّ اَسْنَدَ اَرْبَعُ مِائَةٍ وَنَيِّفًا مِنَ الْمُتُوْنِ سِوَى الطَّرِيْقِ وَقَالَ الْبَرْقِيُّ الَّذِيْ حُفِظَ لَنَا عَنْهُ نَحْوُ مِائَتَيْ حَدِيْثٍ۔"

علی ابن ابی طالب کی پانچ سو چھتیس روایات ہیں اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے کہا ہے کہ چار سو سے زائد متون حدیث ان سے مروی ہیں، طرق و اسانید کا اس میں شمار نہیں؛ اور حافظ برقی کہتے ہیں کہ جو حدیثیں ہمارے پاس ان کی محفوظ ہیں وہ دوسو کے قریب ہیں۔

حافظ ابن جوزی نے تعدادِ حدیث کا سارا باب اسی مسندِ بقی بن مخلد سے نقل کیا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں وہ مزید اضافہ حافظ ابوبکر برقی کی تاریخ اور حافظ ابونعیم اصفہانی کی کتاب سے کرتے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے بھی انہوں نے کیا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق تلقیح میں ''ستۃ وثلاثون'' کے الفاظ غلطی سے طبع ہو گئے ہیں۔ اصل میں ''ستۃ وثمانون'' ہیں۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اصل مخطوطہ منقول عنہا میں بھی یہ غلطی تھی یا مطبوعہ نسخہ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حزمؒ کے پیشِ نظر بھی مسندِ بقی ہی تھی اور انہوں نے بھی ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر قلمبند کیا ہے جو اُن کی کتاب ''جوامع السیرۃ'' کے ساتھ آخر میں طبع ہو گیا ہے۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مرویات کی تعداد ۵۸۶ ہی مرقوم ہے اور یہی تعداد انہوں نے اپنی دوسری کتاب ''الفصل فی الملل والاہواء والنحل'' میں لکھی ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

"وَلَهُ يُرْوَ عَنْ عَلِيٍّ إِلَّا خَمْسُ مِائَةٍ وَسِتَّةٌ وَثَمَانُونَ حَدِيثًا مُسْنَدَةً يَصْلُحُ مِنْهَا نَحْوُ خَمْسِينَ وَقَدْ عَاشَ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْيَدَ مِنْ ثَلَاثِينَ سَنَةً وَكَثُرَ لِقَاءُ النَّاسِ إِيَّاهُ وَالْمُلَامَسَةُ عِنْدَهُ لِذَهَابِ جُمْهُورِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَكَثُرَ سَمَاعُ أَهْلِ الْآفَاقِ عَنْهُ مَرَّةً بِصِفِّينَ وَأَعْوَامًا بِالْكُوفَةِ وَمَرَّةً بِالْبَصْرَةِ وَالْمَدِينَةِ۔" (ج۴، ص۱۳۷)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچ سو چھیاسی مسند حدیثیں مروی ہیں جن میں پچاس کے قریب صحیح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تیس سال سے زیادہ زندہ رہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بڑی جماعت کے گزر جانے کے سبب لوگ کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس جو علم تھا اس کی ان کو ضرورت پڑی۔ چنانچہ کثرت سے اہل آفاق نے آپ سے حدیثیں سنیں، کبھی صفین میں اور کئی برس کوفہ میں اور کبھی بصرہ اور مدینہ میں۔

حافظ ابن حزم نے جو تعداد بیان کی ہے، یہی تعداد امام سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' اور علامہ خزرجی کی کتاب ''خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال'' میں مرقوم ہے۔ خزرجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں بیس حدیثیں متفق علیہ ہیں یعنی امام بخاری و مسلم دونوں نے ان کو روایت کیا ہے اور نو حدیثوں کی روایت صرف بخاری نے کی ہے اور پندرہ کی صرف مسلم نے۔ غالباً اسی نقطۂ نظر سے ابن حزم نے صحیح احادیث کی تعداد پچاس کے قریب لکھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تعداد ''صحیح لذاتہ'' کی ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح کی سب سے اعلیٰ قسم شمار کی جاتی ہے ورنہ ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں: (۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغیرہ۔ یہ چاروں قسمیں بالاتفاق مقبول ہیں اور حجت مانی جاتی ہیں۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تعداد ان احادیث کی ہے جو مسندِ بقی بن مخلد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ان کی جملہ مرویات کی یہ تعداد نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سلسلہ میں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ مسندِ بقی میں ہر صحابی کی مرویات کی جو تعداد مذکور ہے، اس سے زیادہ اس صحابی سے اور کچھ مروی نہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ حافظ ابن جوزی تلقیح میں لکھتے ہیں:

"وَقَدْ كَانَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بَقِيُّ بْنُ مَخْلَدٍ جَمَعَ فِي مُسْنَدِهٖ حَدِيْثًا كَثِيْرًا عَنْ جُمْهُوْرِ الصَّحَابَةِ فَعُدَّ مِنْهُ بَعْضُ رِوَايَةِ الْحَدِيْثِ الَّتِيْ يَرْوِيْهَا كُلُّ صَحَابِيٍّ فَتَوَهَّمَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِيْنَ أَنَّ الصَّحَابِيَّ لَا يَرْوِيْ سِوٰى ذٰلِكَ وَلَيْسَ كَمَا تُوُهِّمَ وَإِنَّمَا هُوَ قَدْرُ مَا وَقَعَ إِلَى الْمُصَنِّفِ"

ابو عبدالرحمن بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں جمہور صحابہ کی حدیثیں جمع کی ہیں، چنانچہ اسی بنا پر ہر صحابی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان میں بعض کی تعداد اسی کتاب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے۔ تو بعض متاخرین اس وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ صحابی بس اتنی ہی حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں جیسا کہ ان کو وہم ہوا ہے بلکہ یہ تو روایت کی اس مقدار کا بیان ہے جو مصنف کو پہنچی ہے۔ (ص ۱۷۴)

مسندِ علی تو آج کل ناپید ہے، لیکن جو مسانید طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ مسندِ امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد طیالسی (المتوفی ۲۰۴ھ)، جس کا شمار اسلام کے قدیم ترین مسانید میں ہے بلکہ بعض حضرات اس باب میں سب سے پہلی تصنیف انہیں کی مسند کو خیال کرتے ہیں۔ یہ مسند دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۶ تک درج ہیں، مگر درمیان میں کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں بھی آ گئی ہیں۔ آج کل اس کتاب کی مسندِ علی کی احادیث پر فرزندِ عزیز محمد عبدالشہید سلمہ اللہ تعالیٰ امام سخاوی کی ترتیبِ مسندِ طیالسی کے ایک قلمی نسخے کی مدد سے، جس کا ایک حصہ ان کو دستیاب ہو گیا ہے، کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ مسندِ امام عبداللہ بن زبیر حمیدی المتوفی ۲۱۹ھ۔ یہ کتاب دو جلدوں میں مجلسِ علمی کراچی نے شائع کی ہے، اور اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی نے انجام دیا ہے۔ مگر اس مسند میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی کم روایتیں مذکور ہیں جن کی کل تعداد ۱۳ ہے۔

۳۔ مسندِ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، جو اس وقت موجودہ تمام مسانید میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور باریک ٹائپ پر چھ ضخیم جلدوں میں پہلے مصر اور پھر بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس مسند میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات ص ۷۵ سے ۱۶۰ پر ختم ہوتی ہیں۔

''صحاحِ ستہ'' میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات کی تعداد تین سو بائیس ہے، جن کو ان سے ایک سو ترپن صحابہ و تابعین نے نقل کیا ہے۔ ان سب احادیث کی فہرست حافظ جمال الدین مزی نے اپنی گرانقدر تصنیف ''تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف'' میں راویوں کے اسماء کو حروفِ تہجی پر ترتیب کر کے پیش کر دی ہے اور ہر حدیث کے بارے میں نشاندہی کر دی ہے کہ صحاحِ ستہ کے کس باب میں کس راوی کی سند سے وہ مروی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث کی بکثرت قلمی اور مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکثرت روایتیں پائی جاتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کتابوں میں بعض وہ حدیثیں بھی موجود ہوں جو مسندِ نبی میں نہیں ہیں۔

صحاحِ ستہ کی بزم کے رکنِ رکین امام احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ، جو امام نبی کی طرح امام بخاری و امام مسلم کے ہم پایہ ہیں، بلکہ بعض محققین حفاظِ حدیث تو ان کو امام مسلم پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ انہوں نے مستقل طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کو جمع کرنے پر توجہ دی اور ان کو ایک علیحدہ کتاب میں مدون کر دیا جس کا نام ہے ''مسندِ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب۔''

اسی دور کے ایک اور بزرگ حافظ علامہ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی بصری نزیلِ بغداد المتوفی ۲۶۲ھ ہیں۔ جو شیخ الاسلام نبی بن مخلد، امام محمد بن جریر طبری اور امام نسائی سب سے عمر اور طبقے میں بڑے تھے، انہوں نے بھی حدیث میں ایک بہت بڑی مسند لکھی تھی جس کا تعارف حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ میں کرایا ہے:

''مَا صُنِّفَ مُسْنَدٌ اَحْسَنُ مِنْهُ وَلٰكِنَّهٗ مَا اَتَمَّهٗ۔''

اس سے بہتر مسند تصنیف نہیں ہوئی لیکن وہ اس کو مکمل نہ کر سکے۔

اور اپنی دوسری مشہور تصنیف ''سیر اعلام النبلاء'' میں اس مسند کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں:

''اَلْمُسْنَدُ الْكَبِيْرُ الْعَدِيْمُ النَّظِيْرِ الْمُعَلَّلُ، الَّذِيْ تَمَّ مِنْ مَسَانِيْدِهٖ نَحْوٌ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ مُجَلَّدًا وَلَوْ كَمُلَ لَجَاءَ فِيْ مِائَةِ مُجَلَّدٍ۔''

(ج ۱۲، ص ۲۷۶)

مسندِ کبیر عدیم النظیر معلل، جس کی مسانید میں سے صرف تیس جلدوں کے قریب مکمل ہو سکیں۔ ورنہ اگر یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی تو سو جلدوں میں آتی۔

''معلل'' کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی اسانید کے ساتھ ان کے علل پر بھی تفصیل سے کلام کیا جائے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ کوئی معلل کتاب پایۂ تکمیل کو نہیں

پہنچ سکتی کیونکہ اس کے ختم ہونے سے پہلے مصنف کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ یعقوب بن شیبہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے: "كَانَ مِنْ كِبَارِ عُلَمَاءِ الْحَدِيْثِ"۔ حق تعالیٰ نے ان کو دولت علم کے ساتھ دولت دنیوی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ مسند کی تبییض پر دس ہزار اشرفیاں صرف کیں۔ ان کی حویلی میں چالیس لحاف ان مبیضہ نویسوں کے لئے تیار رکھے رہتے تھے جو اس خدمت کو انجام دینے کے لئے رات ان کے یہاں ہی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس مسند کی مسندِ ابی ہریرہ کا حصہ جو مصر میں لوگوں کی نظر سے گزرا، وہ دو سو جز پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مسندِ یعقوب کے جو اجزاء مبیضہ ہو کر منظر عام پر آئے، وہ مسانیدِ عشرہ مبشرہ، مسندِ ابن مسعود، مسندِ عمار، مسندِ عباس اور بعض موالیِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسانید ہیں۔ ان میں صرف علی کرم اللہ وجہہ کی مسند پانچ جلدوں پر مشتمل تھی۔ (ان ساری تفصیلات کے لئے تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث نبوی کی روایت میں جن احتیاطوں کو مدِ نظر رکھتے تھے، امام ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ "وَكَانَ إِمَامًا عَالِمًا مُتَحَرِّيًا فِي الْأَخْذِ بِحَيْثُ إِنَّهُ لَيَسْتَحْلِفُ مَنْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ"۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے، عالم تھے، اخذِ حدیث (یعنی روایت قبول کرنے) میں احتیاط برتتے تھے۔ چنانچہ جو شخص بھی آپ کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا تو آپ اس سے قسم لے لیتے۔

البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اس اصول سے مستثنیٰ تھی کہ آپ ان کی روایت بغیر حلف لئے ہی قبول فرما لیتے تھے۔

۲۔ "عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ وَدَعُوْا مَا يُنْكِرُوْنَ، أَتُحِبُّوْنَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ؟"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو وہ حدیثیں بیان کرو

جو جانی پہچانی ہوں اور وہ نہ بیان کرو جن سے وہ بدکیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے؟

حضرت ممدوح کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی نے یہ اضافہ فرمایا ہے:

"فَقَدْ زَجَرَ الْإِمَامُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ وَحَثَّ عَلَى التَّحْدِيْثِ بِالْمَشْهُوْرِ وَهٰذَا اَصْلٌ كَبِيْرٌ فِي الْكَفِّ عَنْ بَثِّ الْاَشْيَاءِ الْوَاهِيَةِ وَالْمُنْكَرَةِ مِنَ الْاَحَادِيْثِ فِي الْفَضَائِلِ وَالْعَقَائِدِ وَالرَّقَائِقِ وَلَا سَبِيْلَ اِلٰى مَعْرِفَةِ هٰذَا مِنْ هٰذَا اِلَّا بِالْاِمْعَانِ فِي مَعْرِفَةِ الرِّجَالِ۔"

(اب دیکھئے) بلا مشتبہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکر (اوپری) روایات کے بیان کرنے سے سختی سے روک دیا اور مشہور روایت کے بیان کرنے کی ترغیب دلائی اور یہ فضائل، عقائد و مواعظ کے بارے میں واہی اور منکر روایات کے بیان کرنے سے رک جانے کا بڑا کارآمد اصول ہے، اور منکر کی غیر منکر سے شناخت جب تک فنِ رجال میں گہری نظر نہ ہو، نہیں ہو سکتی۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان چند صحابہ میں شامل ہیں جن کو عہد رسالت میں حدیثِ نبوی کی کتابت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے:

"عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآنِ کریم کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے (جو تمہارے سامنے ہے)، اور کچھ نہیں لکھا۔

اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت ہیں اور میں نے ایک مستقل کتاب آپ کے لئے فضائل اور مناقب پر لکھی ہے جو ایک پوری جلد میں ہے اور اس کا نام ہے "فتح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب۔"

احادیث نبویہ کے مطالب و معانی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

"اِذَا حُدِّثْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا فَظُنُّوْا بِهِ الَّذِيْ هُوَ اَهْدٰى، وَالَّذِيْ هُوَ اَتْقٰى۔"

(مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۳۰)

جب تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو وہ معنی لو جو سب سے زیادہ عمدہ، سب سے زیادہ قرینِ ہدایت اور سب سے زیادہ تقویٰ کو بتاتے ہوں۔

محدثین نے اختلافِ روایت کے تحت ترجیح کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں، چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی نے اپنی مشہور کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں پچاس کے قریب وجوہِ ترجیحات ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے۔ اس میں پچاسواں ضابطہ یہ بتایا ہے کہ جب کسی ایسے مسئلے میں دو مختلف حدیثیں وارد ہوں کہ جن کا تعلق قضاء سے ہو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

اہلِ سنت میں مذہبِ حنفی کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی نسبت ہے۔ یہ مذہب آپ کے انفاسِ قدسیہ کی خصوصی برکات کا حامل ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے جدِ امجد ایک بار اپنے صغیر السن صاحبزادہ جناب ثابت علیہ الرحمہ کو جو امام صاحب کے والد تھے، لے کر خدمتِ مرتضوی میں حاضر ہوئے تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اور اُن کی اولاد کے حق میں برکت کی خصوصی دعا فرمائی تھی، چنانچہ یہ اسی دعا کی برکت کا اثر ہے کہ فقہِ حنفی کو چار دانگِ عالم میں غلبہ نصیب ہوا اور آج بھی اسلامی دنیا کی غالب اکثریت اسی مذہب کی پیرو ہے۔

فقہِ مرتضوی کا اصل ترجمان مذہب حنفی ہی ہے۔ دور کیوں جایئے، نماز کے مشہور مسائل، آہستہ سے آمین کہنا، رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے وقت

رفع یدین نہ کرنا، زیرِ ناف ہاتھ باندھنا، گاؤں میں نمازِ جمعہ وعیدین کا نہ پڑھنا، تراویح کی بیس رکعت۔ ان تمام مسائل میں فقہِ حنفی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی کے فتاویٰ پر عمل ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں مغیرہ بن مقسم ضبی علیہ الرحمہ سے جو کوفہ کے مشہور فقہاء و محدثین میں ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے استاد بھی ہیں، مروی ہے کہ:

لَمْ یَکُنْ یُصَدَّقُ عَلٰی عَلِیٍّ فِی الْحَدِیْثِ اِلَّا مِنْ اَصْحَابِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات میں صرف وہی روایت درست سمجھی جاتی تھی جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ ان سے نقل کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مسندِ علمی کے صدر نشین ہیں جس کا سلسلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سے عہد بہ عہد آپ تک منتہی ہوا۔ اسی لئے مذہبِ حنفی میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو علم منتقل ہوا وہ بالکل صحیح طریقہ پر منتقل ہوا، پھر مذہبِ حنفی میں جس کثرت سے اولیاء ہوئے ہیں دوسرے مذاہب میں نہیں ہوئے۔ تمام اولیاء اللہ کے سلاسل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

امام حافظ شمس الدین ذہبیؒ، جو علمِ تاریخ اور اسماء الرجال کے ایک عنصر خیال کئے جاتے ہیں، اپنی مشہور بے نظیر کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں تصریح کی ہے کہ:

فَاَفْقَهُ اَهْلِ الْكُوْفَةِ عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ. وَاَفْقَهُ اَصْحَابِهِمَا عَلْقَمَةُ. وَاَفْقَهُ اَصْحَابِ عَلْقَمَةَ اِبْرَاهِيْمُ. وَاَفْقَهُ اَصْحَابِ اِبْرَاهِيْمَ حَمَّادٌ. وَاَفْقَهُ اَصْحَابِ حَمَّادٍ اَبُوْ حَنِيْفَةَ. وَاَفْقَهُ اَصْحَابِهٖ اَبُوْ يُوْسُفَ وَانْتَشَرَ اَصْحَابُ اَبِيْ يُوْسُفَ فِي الْاٰفَاقِ وَاَفْقَهُهُمْ مُحَمَّدٌ. وَاَفْقَهُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (ج ۵، ص ۲۳۶)

اہلِ کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ علی اور ابن مسعود ہیں اور ان دونوں

کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ ہیں اور علقمہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم نخعی ہیں اور ابراہیم کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ حماد ہیں اور حماد کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہ ہیں اور ابوحنیفہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابو یوسف ہیں۔ پھر ابو یوسف کے اصحاب آفاقِ عالم میں پھیل گئے اور ان میں سب سے بڑے فقیہ محمد ہیں۔ اور محمد کے اصحاب میں سب سے بڑے ابوعبداللہ شافعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں نازل ہوں۔

ہمارے محترم دوست سید جمیل احمد نقوی صاحب کی یہ بڑی سعادت ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کو یہ توفیق بخشی کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی جتنی روایت کردہ احادیث، حدیث کی مشہور و متداول کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' میں موجود ہیں ان سب کو انہوں نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ کام علماء کے کرنے کا تھا۔ سید صاحب عالم نہیں مگر توفیقِ حق ہے جس کو ارزانی ہو جائے۔ سچ ہے۔

دادِ او را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اس پر اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔

محمد عبدالرشید نعمانی

۱۰/ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

محمود احمد عباسی کے نظریات

کا

تحقیقی جائزہ

حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالشکور ترمذی

محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

مؤلفہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی
سید عبدالشکور ترمذی لوراللہ مرقدہ
بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسعی وابتمام

میاں رضوان نفیس

شاہ نفیس اکادمی
سعدی پارک مزنگ لاہور
0300-4183709
0321-9448442

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

اس عنوان پر فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے خامہ فرسائی کی اور یہ مقالہ معرض وجود میں آ گیا۔ مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی نے اس کا مقدمہ لکھا۔ مقدمہ سمیت اس مقالہ کو جناب میاں رضوان نفیس نے جولائی ۲۰۱۳ء میں دیدہ زیب شائع کیا۔ ان تمام حضرات کے شکریہ کے ساتھ کمال شفقت مولانا محمد عابد صاحب مدظلہم کی انہوں نے اس کی کمپوزنگ میں سرتوڑ محنت فرمائی۔

اللہ رب العزت نے کرم فرمایا کہ اسے ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر چوبیس (۲۴) پر شائع کرنے کے قابل ہو گئے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

حرف رضوان			۳۲۹
تائید: حضرت مولانا علامہ مفتی عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم			۳۳۹
تقریظ: حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم			۳۴۰
محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ			۳۴۲
جدید تحقیق وریسرچ کے مذموم مقاصد	۳۴۲	فتنہ سبائیت	۳۴۳
کتاب خلافت وملوکیت	۳۴۴	خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ پر بے بنیاد الزامات	۳۴۵
حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی رائے گرامی	۳۴۵	کتاب خلافت وملوکیت پر علماء کی تنقید	۳۴۵
صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی کا نتیجہ	۳۴۶	خلافت وملوکیت کا تاثر	۳۴۷
ایک الزام کی حقیقت	۳۴۷	شیعیت کی ترجمانی	۳۴۸
مودودی صاحب کا منہج تحقیق	۳۴۹	اہل سنت کا اصول	۳۵۰
کتاب ''خلافت معاویہ ویزید''	۳۵۰	مسلک اہل سنت	۳۵۱
حضرت علیؓ کی خلافت اور عباسی کا موقف	۳۵۱	مسلک اہل سنت سے انحراف	۳۵۳
عباسی صاحب کی مغالطہ انگیزی	۳۵۴	ایک تائیدی رائے پر تبصرہ	۳۵۴
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف پروپیگنڈا	۳۵۵	دوسرا پروپیگنڈا	۳۶۰
حضرت حسینؓ اور یزید کے بارہ میں عباسی صاحب کا رویہ	۳۶۲	اس ریسرچ کا عام اصول	۳۶۴

محض احتمالات اور ظنیات سے استدلال	۳۶۴		
مثال نمبر:(۱)	۳۶۴	مثال نمبر:(۲)	۳۶۵
مثال نمبر:(۳)	۳۶۶	مناقب یزید میں محویت	۳۶۶
محمود احمد عباسی کے پیش کردہ حوالوں کے آئینہ میں یزید کی صورت	۳۶۸	موسیقی شریعت کی نظر میں	۳۶۹
منصف مزاجی	۳۷۰	یزید کے بارہ میں اکابر امت کی آراء	۳۷۱
عباسی کا نظریہ اور ان کے حوالوں کا جائزہ	۳۷۴	عباسی صاحب کے مغالطات	۳۸۰
حضرت حسینؓ کے بارہ میں عباسی کے خیالات	۳۸۲	اہل بیتؓ کی محبت عین ایمان ہے	۳۸۴
حضرت حسینؓ کی صحابیت سے انکار	۳۸۴	حضرت حسینؓ کی شہادت سے انکار	۳۸۵
حضرت حسنؓ کی وفات	۳۸۶	عباسی کا احادیث کے ساتھ ناروا سلوک	۳۸۸
مولف کی ایک دوسری کتاب	۳۸۹	۸/لاکھ ۹۳/ہزار دوسواکتیس حدیثوں کو وضعی جعلی اور مہمل قرار دینا	۳۹۰
عباسی کا بخاری شریف کے ساتھ سلوک	۳۹۲	عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث پر وضعی ہونے کا حکم لگانا	۳۹۳
عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث سے استہزاء اور تمسخر	۳۹۳	ترمذی شریف کے متعلق	۳۹۴
عباسی کا التحیات کے بعد درود شریف کا اور ہر درود میں آل محمدؐ کے ہونے کا انکار کرنا	۳۹۶	امام مہدی اور نزول عیسیٰ اور قتل دجال کا انکار	۳۹۷
درود شریف میں آل محمدؐ کے انکار کی دلیل کا جواب	۳۹۸	اصل موضوع کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی طرف رجوع	۴۰۲

نزاع کی حقیقت	۴۰۳	ملت کی محبوبیت کا اتنا بڑا دعویٰ اور ثبوت کچھ بھی نہیں؟	۴۰۴
ولایت عہدی کی کارروائی سے حضرت امیر معاویہؓ پر الزام دینا درست نہیں	۴۰۴	عباسی صاحب کا ایک نکتہ	۴۰۵
حضرت حسینؓ کا موقف	۴۰۶	یزید کے خلاف اقدام کا جواز	۴۰۶
مصالحت کی تین تجویزیں	۴۰۸	سید الشہداء	۴۰۹
خاتمہ	۴۱۰	لفظ امام	۴۱۰
حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد پر شبہ کا جواب	۴۱۳	حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روکنے کی اصل وجہ	۴۱۳
حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا موقف	۴۱۴	فسق یزید اور موقف صحابہ کرامؓ	۴۱۵
دونوں گروہ مجتہد تھے	۴۱۷	اس کتاب کی ایک اور اہم تاریخی بحث	۴۱۸
حضرت حسینؓ کے سفر کا آغاز	۴۱۹	حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کرنا	۴۱۹
حسینی قافلہ کا بار بردار قافلہ پر قیاس کرنا	۴۲۰	ایک بڑا خلا	۴۲۰
عباسی صاحب کا دوسرا دعویٰ	۴۲۱	پہلا ثبوت	۴۲۱
دوسرا ثبوت	۴۲۲	تحقیق مزید دربارہ لعنت بر یزید	۴۲۳
		حرف آخر	۴۳۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف رضوان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

ع رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
کہ آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ ''ناصبیت'' کا پیدا ہوا جس سے ہندو پاک کی سرزمین یکسر پاک تھی اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا اور بہت سے حلقوں میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہوگیا حالانکہ یہ کتاب سرتاسر فریب، خداع، تلبیس اور کذب وافتراء کا مرقع ہے۔

محمود احمد عباسی اس برصغیر میں فتنہ ناصبیت اور یزیدیت کا سربراہ ایک ناخدا ترس اور دین بیزار آدمی تھا، جس زمانہ میں وہ چینی سفارت خانہ میں ملازم تھا، اس نے کتاب '' خلافت معاویہؓ و یزید'' لکھ کر اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے :

''اَلْفِتْنَۃُ نَائِمَۃٌ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَیْقَظَھَا''

فتنہ خوابیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو اس کو بیدار کرے۔

(رواہ الرافعی فی امالیہ، ملاحظہ ہو ''کشف الخفاء ومزیل الالباس'' ج ۲ ص ۱۰۸) (نعمانیؒ)

اور پھر اس فتنہ ناصبیت اور یزیدیت نے اتنا سر اُٹھایا کہ اس بات کو شیخ المشائخ استاذ الاساتذہ، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریa اس درد سے لکھتے ہیں:

''کتنے تاریخی بدیہیات کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج

رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی قدرت میں ہے، ملاحدہ اور زنادقہ کی زبان کب بند ہو سکی کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں اور کیا امام حسینؓ کو باغی، واجب القتل اور یزید کو امیر المومنین اور خلیفہ برحق نہیں ثابت کیا گیا۔''

(تسکین الصدور)

ہمارے پیر و مرشد قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ محمود احمد عباسی اور اُس کی کتاب کے شیطانی طلسم کو یوں آشکارا فرماتے ہیں:

''فتنۂ رافضیت وسبائیت اور خارجیت وناصبیت کی تاریخ تو بہت پرانی ہے لیکن پاکستان میں ''یزیدیت'' ایک ''فتنۂ تازہ'' ہے۔ یزیدی فرقے کا بانی محمود احمد عباسی ہے۔ اس نے اپنی تالیف ''خلافتِ معاویہ ویزید'' سے اس کا آغاز کیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے گمراہ کن عقائد پھیلتے چلے گئے اور آج یہ حال ہے کہ جدید دانشوروں کی ایک خاصی تعداد اس کے تصنیفی دام تزویر کا شکار ہو چکی ہے اور حیف صد حیف کہ بعض عالمانِ دین بھی اس ضال ومضل کی تحقیقی خرافات پڑھ پڑھ کر جادۂ اہل سنت سے ہٹ گئے ہیں۔''

جب حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کو اپنے تلمیذ ارشد حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب (جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ کے خلیفہ ومجاز اور بھتیجے ہیں) کے خطوط سے معلوم ہوا کہ حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ ویزید'' پڑھی جا رہی ہے تو فوراً حضرت نے خطوط کے ذریعہ اس کا مجلس میں پڑھے جانے کو موقوف کرا دیا۔ وہ دونوں خط ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

مکرم ومحترم مولوی عبدالجلیل صاحب مدفیوضکم

بعد سلام مسنون! اس وقت جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے میر صاحب سے

سرسری ملاقات ہوئی کہ ہجوم تھا۔ رسالہ پہنچ گیا مگر دستی پر چہ باوجود میرے سوال کے بھی کوئی نہیں دیا۔ اس کے بعد ڈاک آئی اور اس میں کارڈ پر سوں بدھ کا لکھا ہوا ملا، اگرچہ اس جمعہ اور ہجوم کی وجہ سے وقت تنگ ہے مگر چونکہ اس میں حضرت کے نظام الاوقات میں یہ لکھا کہ ایک کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' سنائی جارہی ہے۔ اگر یہ وہی عباسی والی ہے تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مجمع میں سنائی جائے، جو حدیث سے واقف نہیں، تاریخ پر عبور نہیں رکھتے اُن کو اس کا دیکھنا ہرگز جائز نہیں، سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس بدنصیب نے دیدہ دانستہ عبارتیں مسخ کی ہیں، مثال کے طور پر لکھتا ہے کہ:

حافظ ابن حجرؒ کی ''تہذیب التہذیب'' سے یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ حافظ نے ان سے یزید کی توثیق نقل کی ہے۔

اب کوئی شخص اصل کتاب کو نکال کر دیکھے تو معلوم ہو کہ حافظ نے اس میں لکھا ہے کہ:

یحییٰ جو ایک ثقہ آدمی ہیں، اُنہوں نے فلاں سے جو ثقہ ہے، یہ نقل کیا کہ میرے سامنے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے کوڑے لگوائے کہ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟

اس سے اندازہ کرے کہ اس جاہل نے اس کو یہ لکھا ہے کہ حافظ نے یحییٰ سے یزید کی توثیق نقل کی ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا محمد صاحب کے وہاں ہوتے ہوئے بھی یہ کتاب حضرت کی مجلس میں پڑھی جاسکتی ہے۔''

مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہٗ نے مکتوب بالا کے جواب میں عریضہ لکھ کر واضح فرمایا کہ کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' مجلس عام میں نہیں سُنی گئی بلکہ صرف چند مخصوص خدام کی موجودگی میں سُنی گئی ہے۔

اس پر دوبارہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے والا نامہ میں تحریر فرمایا:

کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کے متعلق تم نے لکھا ہے کہ خواص

کے مجمع میں پڑھی جاتی ہے لیکن جن خواص کا نام آپ نے لکھا ہے وہ بھی تاریخ و حدیث کے زیادہ ماہر نہیں ہیں اور اس کتاب میں بددیانتی سے کام لیا گیا ہے کہ: ''لا تقربو الصلوۃ'' سے نماز کے پڑھنے کی قرآن پاک سے ممانعت کے مشابہ ہے۔

فقط: والسلام! زکریا

حضرت مولانا سید انور حسین نفیس رقم صاحب مدظلہ (اجل خلیفہ مجاز حضرت رائپوری قدس سرہٗ) لکھتے ہیں کہ:

کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کے مندرجات سے حضرت اقدس رائپوریؒ کو جو محبت صحابہ و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کیسے اتفاق ہو سکتا تھا؟ یہ خواندگی تو محض معلومات کے لئے تھی۔ حضرت اقدس نے اپنے مخصوص انداز میں ایک مختصر اور بلیغ جملے سے اس کتاب کی تردید فرمادی۔ فرمایا:

'' ہمیں تو اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے بھی محبت ہے۔''

انہی دنوں یہ بھی فرمایا کہ:

''میں تو ان سیدوں کا غلام ہوں، لیکن شیعوں کا نہیں۔''

کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' دوبارہ کبھی حضرت والا کی مجلس میں دیکھی اور سنی نہ گئی۔ حالانکہ پسندیدہ کتابیں مجلس مبارک میں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔ علماء اہل سنت دیوبند نے برملا اس کتاب کی تردید کی اور اس کے مصنف کی فتنہ انگیزی سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کیا۔ (سیدنا علیؓ و سیدنا حسینؓ ص ۳۱۶)

مایہ ناز مؤرخ و محقق حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اپنی لاجواب تصنیف ''سیدنا علیؓ و سیدنا حسینؓ'' میں محمود احمد عباسی کے دجل کا پردہ یوں چاک فرماتے ہیں:

کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' صرف ایک چونکا دینے والی کتاب ہی نہیں تھی بلکہ اس نے بہت سے عوام وخواص کو اسلاف کے اس مسلک حق سے ہٹانے میں مدد کی جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تشاجرات کے بارے میں دین وایمان کی روشنی میں مسلّم ہے شروع میں ذمہ دار عالموں اور اداروں نے اس کتاب کی طرف توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا زہر خوب پھیلا۔ راقم الحروف نے روزنامہ'' انقلاب بمبئی'' میں ۷ر نومبر لغایۃ ۱۷، ۱۹۵۹ء (۴ر جمادی الاولیٰ لغایۃ ۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ) ۳۵ر قسطوں میں اس کی اندرونی خرابیوں کو اجاگر کر کے صحیح باتیں بیان کرنے کی کوشش کی اور ان ہی کتابوں تک دائرہ بحث وتبصرہ کو محدود رکھا جن سے اس کے مؤلف نے قطع و برید اور خیانت کر کے اپنا ذہنی مطلب نکال کر اسے تحقیق اور ریسرچ بنانا چاہا تھا، اب اس کو حک واضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

اس کتاب پر لکھنے کا شدید تقاضہ اس وقت ہوا جب کہ حضرت الاستاذ مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند نے ایک مختصر مگر جامع تبصرہ میں اس کتاب کا پول کھول کر رکھ دیا، یہ ہماری کوشش گویا اسی متن کی شرح ہے۔ (اگر کسی صاحب ذوق کے پاس حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کے اس تبصرہ کی کوئی کاپی موجود ہو تو اُس کا ایک عکس ہمیں بھی مہیا کر دیا جائے تاکہ اس سے بھی افادۂ عام ہو سکے۔ ادارہ)

مسلکِ دیوبند کی آبرو، محقق العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ محمود احمد عباسی اور اس کے برپا کردہ فتنہ ناصبیت کے متعلق یوں رقم فرماہیں:

''نواصب'' ناصبیہ''، ''اھل نصب'' تاریخ میں ان لوگوں کا لقب

ہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل واصحاب کے خلاف بغض وعداوت کا علم بلند کر رکھا تھا۔ چنانچہ علامہ زمخشریؒ ''اساس البلاغہ'' میں لکھتے ہیں: ناصبت الفلان کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی۔ چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بناء پر ''نواصب'' ''ناصبیہ'' ''اھل نصب'' کہتے ہیں۔ جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے تبری وبیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے بعینہٖ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔

(حادثہ کربلا کا پس منظر ص ۱۲۷)

اور برصغیر ہندو پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امروہوی نے ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرینِ حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے متبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو ''ناصبیت'' کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا۔ چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہوگئی ہیں جن کا کام ہی اہل سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے۔ محمود احمد عباسی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اہلِ سنت میں ناصبیت کا تازہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب بہت سے لوگ ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خاطی و غلط کار سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب سے سوائے ضرر کے فائدہ کوئی مرتب نہ ہوا۔ روافض تو اپنی جگہ اور سخت ہو گئے لیکن اہلِ سنت کے اعتدال

میں فرق آ گیا، بہت سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شک کرنے لگے۔ آج تک کسی ایک رافضی کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا جا سکتا کہ وہ عباسی صاحب کی کتاب پڑھ کر تائب ہو گیا ہو، لیکن اس کے برخلاف اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی نکلی جو اس جھوٹ کے پلندہ کو صحیح سمجھ کر حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما طرف سے اپنے دلوں کو صاف نہ رکھ سکے۔ اس کتاب نے سادہ لوح عوام نہیں اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقہ کو متاثر کیا ہے جن میں عربی مدارس کے بھی بہت سے فارغ التحصیل شامل ہیں، جن لوگوں کی دسترس موضوع کتاب کے اصل مآخذ تک نہیں وہ اس کو تحقیق اور ریسرچ کا ایک نادر شاہکار سمجھتے ہیں اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے۔ اس بات کا کہ اب مسلمان من حیث القوم علوم اسلامیہ سے نابلد ہو گئے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی شخص بھی اپنے کسی غلط نظریے کو ذرا نئے انداز سے بنا کر پیش کر دیتا ہے یہ اس کے ہو جاتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے جو شخص عربی، فارسی کی معمولی عبارتوں کے صحیح ترجمے نہ کر سکے، کتابوں کے غلط حوالے دے، مصنفین کی عبارتوں کو اپنے مفید مطلب بنانے کے لئے غلط معنی پہنائے اور ان میں قطع و برید سے کام لے، ایسے شخص کا پیش کردہ کوئی نظریہ کس درجہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟ (ناصیت تحقیق کے بھیس میں: جدید ایڈیشن)

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ اپنے والدِ گرامی قدر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی مایہ ناز کتاب ''شہیدِ کربلاؓ اور یزید'' پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں دردِ دل کا اظہار فرماتے ہیں:

یہ کتاب ''شہید کربلاؓ اور یزید'' ''جماعت دارالعلوم دیوبند'' کے

متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے۔ محمود عباسی صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب ''خلافتِ معاویہؓ ویزید'' مسلک اہلِ السنت والجماعت کے نقیب ''دارلعلوم دیوبند'' کے نقطۂ فکر کے لحاظ سے ایک انتہائی گمراہ کن اور بہر لحاظ غلط کتاب ہے۔ بزرگان دارالعلوم دیوبند بصیرت وتحقیق کی روشنی میں حضرت سیدنا حسینؓ کے مؤقف کو برحق اور یزیدیوں کے مؤقف کو نفسانیت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ''جماعت دارالعلوم دیوبند'' کے اس کتاب سے تحریراً وتقریراً کھلی بیزاری کا اعلان کرنے کے باوجود بھی جو ناپاک ضمیر لوگ محض اپنی خودغرضی اور نام آوری کے لئے ''خلافت معاویہ ویزید'' جیسی بیہودہ اور لچر کتاب کی تصنیف یا تالیف یا نقطۂ نظر سے بزرگان دارالعوم دیوبند کے متفق ہونے کا سوقیانہ اور جاہلانہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں وہ لائق صد ہزار ملامت افتراء پرداز ہیں، پیش نظر کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' ترجمان اہلِ حق حضرت حکیم الاسلام کے حق نگار قلم سے ''خلافتِ معاویہؓ ویزید'' کی تردید اور مؤقف امام حسین رضی اللہ عنہ کی تائید میں علمی، فکری، تحقیقی اور مسلکی لحاظ سے حرفِ آخر کی حیثیت سے پیش کی جارہی ہے۔ وماعلینا الا البلاغ!

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ (ش:۲۰۰۰ء) مسلمانوں کو اس فتنہ ناصبیت ویزیدیت کی ملمع سازی اور اس کے وبال سے یوں آگاہ اور خبردار فرماتے ہیں:

''ماضی قریب میں اس جہالت مآب خودرائی کی ایک مثال محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ ویزید'' اور ''تحقیق مزید بر خلافت یزید'' تھی، جو مودودی صاحب کی تشیع آمیز کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے ردعمل کے طور پر لکھی گئی اور جس میں اَسلاف کی تحقیقات کو غلط قرار دیتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بمقابلہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور یزید کی بمقابلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے برتری ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی۔ یہ تشیع کے مقابلہ میں عباسی کی ناصبی تحریک تھی جس نے بعد میں بہت سے داعی پیدا کر لئے، ان میں سے اکثر ملحد، بے دین اور منکر حدیث ہیں، جن کا اصل حدف اکابر اُمت کا استہزاء اور احادیث نبویہ کی تصحیک ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سبطین شہیدین رضی اللہ عنہما اور اکابر و اعاظم اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حق میں سوقیانہ دل آزاری ان کا محبوب مشغلہ ہے، جو مسخ قلوب اور سلب ایمان کی علامت ہے۔''

(گمراہ کن عقائد و نظریات اور صراط مستقیم ص ۲۶۷، ۲۶۸)

اکابر اہل السنت والجماعت دیوبند نے جس طرح محمود احمد عباسی کے گمراہ کن اور باطل نظریات کا رد اور اُس سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے اس کی تفصیل کے لئے کئی دفتر درکار ہیں اس میں سے نمونہ کی چند مندرجہ بالا عبارات پیش قارئین ہیں۔ ایسی زہرناک کتاب کو بعض جہال، مفاد پرست اور ناقابت اندیش جن کے دل دماغ میں ناصبیت و یزیدیت کے کالے بچھو مسلسل ڈنگ مارتے رہتے ہیں اور جن کے سینے صحابہؓ و اہل بیتؓ کے بغض وعناد کے ناسور سے بھرے پڑے ہیں ایسے ہی محروم القسمت اور بدبخت لوگ اس کتاب کو اپنی حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں اور اس کو تحقیق کا معیار قرار دیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اپنے اکابر پر زبان درازی اور ان پر عدم اعتماد کرتے ہیں جس طرح خود گمراہ ہو چکے ہیں اب سیدھے سادھے مسلمانوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ اللہ پاک ان کو ہدایت نصیب فرمائے اور سارے مسلمانوں کو ان کے شر اور شرارتوں سے محفوظ فرمائے۔ خواجہ شیرازی اس بات کو یوں کہتے ہیں:

تراز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتادست

(تجھے عرش کی بلندیوں سے آوازیں دی جارہی ہیں مجھے معلوم
نہیں تو اس جال (گمراہی) میں کیوں پھنس کر رہ گیا ہے)

مقامِ حیرت کہ ہمیں اپنی صفوں میں گھسا ہوا ناصبیت اور یزیدیت کا گھناؤنا فتنہ کیوں نظر نہیں آتا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس فتنہ کو بھی پہچانیں اور جہاں ہم رافضیت کا تعاقب کرتے ہیں وہیں ناصبیت اور یزیدیت کی بیخ کنی کے لئے بھی کو شاں ہو جائے، کیونکہ چھپا ہوا دشمن ظاہری دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور یہ ناصبی اور یزیدی لوگ تو دیوبندیت کے علمبردار بن کے مسلکِ دیوبند کی جڑیں کاٹ رہیں ہیں ان کے مکر سے خود بھی بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا آج کے دور کا اہم فریضہ ہے۔ یزید اور اُس کے اعوان و انصار جو کہ دشمنِ صحابہؓ و اہلِ بیتؓ ہیں ان کے کردار سے آگاہی کے لئے ہمیں اپنے اَکابر کی تحریرات اور تحقیقات کا مطالعہ اور اُن پر اعتماد کرنا چاہئے، نہ کہ دین اور اَکابر سے بیزار بد باطن اور کور باطن لوگوں کی جھوٹی اور ابلہ فریبی سے آلودہ تحقیقات سے متاثر ہونا چاہئے۔

محمود احمد عباسی کے دجل و فریب سے بُنے اس گمراہی کے جال پر ایک اور کاری ضرب فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ہے جس کی پہلی مرتبہ اشاعت کا شرف بھی اللہ پاک کی توفیق سے ''شاہ نفیسؒ اکادمی'' کو حاصل ہو رہا ہے اس کی توجہ دلانے، اجازت مرحمت فرمانے اور اس کتاب پر مقدمہ لکھ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمانے پر ہم حضرت مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم کے دل و جان سے مشکور ہیں۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے عنوان سے محمود احمد عباسی کے کردار اور اَفکار پر مشتمل چند تحریروں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے تاکہ اس فتنہ پرداز آدمی کا اصل کردار، اسلام کے خلاف اس کی سازشانہ ذہنیت اور اصل حقیقت لوگوں پر آشکارا ہو جائے اور لوگ اس مکروہ الفطرت اور ابن سباء کے حقیقی جانشین کے تصنیفی دام تزویر کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ اللہ پاک سے دست بدُعا ہیں کہ ہماری دوسری مطبوعات کی طرح اس کو بھی عقائد کی اصلاح اور درستگی کا ذریعہ بنائے اور یہ تمام کاوشیں ہمارے پیر و مرشد حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہٗ کی

صحت، تربیت اور توجہات عالیہ کے ثمرات دلنواز ہیں اللہ پاک اُنہیں اپنی شایانِ شان انوار و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

ہم اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کے سلسلہ میں حضرت قاری شرافت اللہ پانی پتی، حضرت مولانا عبدالحفیظ ظفر، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ثانی، صاحبزادہ سید زید الحسینی شاہ، محمد عرفان شجاع، مولانا محمد عابد، مفتی سید علی رضا جعفری، مفتی شعیب احمد، مفتی عبدالرحمٰن نذر، رانا جاوید، رانا پرویز (ریحان اختر)، رانا نعیم، رانا بابر، چودھری منصور صادق، محسن خواجہ، میاں سعید، میاں نعیم صاحبان اور ''حلقہء احبابِ نفیس'' کے تمام کرم فرماؤں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ پاک سے دُعا کرتے ہیں کہ ہماری اس عاجزانہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، ہم سب کو دارین کی کامیابی اور آخرت میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

خاکپائے شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ
احقر رضوان نفیس
۱۵ رشعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

تائید

حضرت مولانا علامہ مفتی عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ

حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

محمود احمد عباسی امروہی نے جب دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آڑ میں خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ پر بے جا اعتراضات کئے تو حضرات علماء اہل السنۃ نے بروقت ان کے باطل نظریات کا تعاقب کیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ ان کے نام نہاد دلائل کے جوابات دیئے اور حضرات اہل بیت کرام کا دفاع کیا، احقر کے والد ماجد نے بھی اس خارجی فتنہ کے رد میں ''محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ احقر کو خوب

یاد ہے کہ ساہیوال کے علاقہ میں ایک جلسہ میں تقریر کے بعد حضرت علامہ تونسوی صاحبؒ جامعہ حقانیہ تشریف لائے تو حضرت والد صاحب نے انہیں اپنی یہ کتاب سنائی، حضرت علامہ صاحب نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے کتاب کو سنا اور حضرت والد صاحب کو فرمایا:

> حضرت ہمیں آپ کی تحریر سے حرف بحرف اتفاق ہے، ہم پکے سنی اور دیوبندی ہیں، یزید اور اس کی جماعت اور خارجیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھتے ہیں۔ محمود احمد عباسی کی تحقیق غلط ہے۔ آپ نے اس کی تردید میں جو کچھ لکھا ہے وہ حق اور صحیح ہے۔
>
> (مجلہ الحقانیہ ص ۹ بابت ماہ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ/فروری ۲۰۱۳ء)

تقریظ: حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ

فاضل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور وبانی مدرسہ اشرفیہ سکھر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

میرے قدیمی محسن وکرم فرما مولانا سید عبدالشکور صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ پرہیزگاری اور تقویٰ کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور ''تجدد پسند'' اور محرفین کے کید ومکر کی گرفت کرنے کی صلاحیت سے بھی حصہ وافر عطاء ہوا ہے۔ مولانا موصوف نے ''خلافت معاویہ ویزید'' کے مصنف کے مغالطات کو واضح کرنے کی ابتدائی سعی فرمائی ہے۔

یہ مقالہ مختصر ہونے کے باوجود اصولاً جامع ہے، جس سے ''تحقیق وریسرچ'' کے نام پر کام کرنے والے متجددین کی تلبیسات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں مختلف حضرات نے یہ بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ وہ دین اور تاریخ کے مسلمات کو بھی تحقیق وریسرچ کے نام سے مجروح کر دینے اور عوام کو اسلاف سے کاٹ کر دین کی قطع وبرید کے زہر ہلاہل کو ان کے گلے سے اتار دیں۔

اگر تحقیق وریسرچ کا نام نہ دیا جاتا تو امت مسلمہ ان کی تحریفات وتلبیسات کو برداشت نہ کرسکتی۔ مگر ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے اپنا حاصل مطالعہ بنا کر جب کسی بات کو عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ چونکہ ان کے اندرونی زہریلے اثرات سے واقف نہیں ہوتے اس لئے شکار کرنے والوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔

ہمارے ملک کے مجددین نے یہ طریقہ اپنے غیرملکی اساتذہ اور آقاؤں (مستشرقین یورپ) سے سیکھا ہے اور تیرہ سو سالہ مسلمات کو مشکوک بنا کر پیش کرنا ہی ان کا منتہائے نظر ہے اور مسلمانوں کو اپنے ماضی سے کاٹ کر الحاد و بے دینی کی راہ پر لگا دینا چاہتے ہیں۔

بڑے سے بڑے محدث کو بھی مطعون کرنے میں باک نہیں کرتے۔ صحیح سے صحیح حدیث کو بھی جعلی اور من گھڑت کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں، یہ سب کچھ ایک سمجھی بوجھی سکیم اور خصوصی حلقۂ فکر ونظر پیدا کرنے کے لئے کیا جارہا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس قسم کے حضرات کے لٹریچر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور ان کی جملہ تلبیسات کو طشت از بام کیا جائے تاکہ آنے والی امت ان کے مکروفن سے واقف ہوسکے اور امت اسلامیہ ان کے سنہری جال میں نہ آسکے۔

دین پسند اہل قلم اور علماء امت سے مخلصانہ استدعاء ہے کہ وہ اس فتنہ کے انسداد کے لئے ابھی سے کوئی متفقہ پروگرام بنائیں کہ ابھی تو اس فتنہ کی ابتداء ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے اور بعد میں ہم کو خدا کے حضور جواب دہی کرنا پڑے۔

محمد احمد تھانوی
مہتمم مدرسہ اشرفیہ سکھر
حال وارد سرگودھا
۱۴/اکتوبر ۶۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

جدید تحقیق وریسرچ کے مذموم مقاصد

چودہ سوسالہ قدیمی مذہب اسلام سے برگشتہ اور منحرف کرنے کا کام چونکہ اسلام کی اعتمادی شخصیتوں سے بداعتمادی پیدا کرنے کے بغیر انجام نہیں پاسکتا اور دین اسلام میں تحریفات وتلبیسات اس وقت تک برداشت نہیں کی جاسکتیں جب تک کہ مسلمانوں کا رشتہ اپنے اسلاف کے ساتھ مستحکم اور مضبوط اور سلف صالحین کے ساتھ ان کا اعتماد قائم ہے، اس لئے ہمارے ملک میں تاریخی تحقیق وریسرچ کے نام پر کام کرنے والی مختلف تحریکوں نے اپنے ذمہ یہ کام لے رکھا ہے کہ مسلمانوں کو اسلاف سے بداعتقاد بنا کر ان کا باہمی تعلق منقطع کردیا جائے، اس کے بعد مذہبی عقائد کی تحریف اور اسلامی مسلمات کی تبدیلی کرنے کا کام بڑی آسانی کے ساتھ قابل قبول ہوسکتا ہے۔

چودہ سوسالہ مسلمات کو ''تحقیق وریسرچ'' کے نام پر مشکوک بنا کر پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے اعتماد کا رشتہ ماضی کی قابل اعتماد شخصیتوں سے کاٹ کر دین میں قطع وبرید اور الحاد وبے دینی کی راہ کو ہموار کیا جائے۔ اسی طرح ان مؤرخین نے اپنی نام نہاد تاریخی تحقیق کے نتیجہ میں اسلام کی معیاری شخصیتوں، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بھی (جن پر اسلام کے ثبوت اور اس کی حقانیت کا انحصار ہے) اعتماد ویقین کی بنیادوں ہی کو ہلا کر رکھ دیا اور ان معتمد علیہ شخصیتوں کے بارہ میں بدظنی رکھنے والوں، روافض وخوارج، نیز منکرین حدیث بلکہ غیر مسلم ناقدین اسلام کے ہاتھ میں بھی ایک کارگر حربہ دے دیا ہے۔

یہ ایک تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام میں جتنے بھی فرقے پیدا ہوئے ہیں اور جس نے بھی مسلمانوں میں افتراق وانتشار کا فتنہ پھیلانا چاہا ہے، فتنہ انگیزی کے ان بانیوں کو کھلم کھلا اسلام کی مخالفت کرنے کی جرأت کبھی نہیں ہوسکی بلکہ ایسے لوگوں نے ہمیشہ زیر پردۂ نفاق اسلام دوستی کے رنگ میں ہی اپنے خلاف اسلام عزائم کی تکمیل کی کوشش کی ہے اور ایسے سب لوگوں کا مشترک طور پر اس اصول پر عمل رہا ہے کہ جن مقدس ہستیوں کے واسطہ سے امت تک اسلام پہنچا ہے ان سے مسلمانوں کو بدظن اور بداعتقاد کردیا جائے، اس لئے یہ لوگ ان پر افتراء پردازی اور بہتان تراشی سے کام لے کر ان کو مجروح اور ناقابل اعتبار قرار دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

فتنہ سبائیت

عبداللہ بن سبا یانی مذہب شیعہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے بلکہ اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا، اس نے بھی اسی اصول پر عمل پیرا ہونے کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے سب سے مفید سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان اور عامہ مسلمین میں ان اساطین اسلام کے متعلق بداعتقادی اور بدظنی پیدا کر کے ان کو مجروح قرار دینے کو اپنے مذہب سبائیت کی بنیادی پالیسی قرار دیا تھا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام میں تمام اختلافات اور فتنوں کی جڑ یہی فتنۂ سبائیت ہے، اس نے کبھی شیعت کے رنگ میں ظہور کیا اور کبھی اپنی خارجیت کی صورت میں اپنا جلوہ دکھلایا اور ضرورت پیش آنے پر اعتزال اور باطنیت کا لبادہ اوڑھنے سے بھی اس نے گریز نہیں کیا۔ غرضیکہ ہر زمانہ میں اس نے اس صورت کو جلوہ نمائی کے لئے اختیار کیا جو اس زمانہ کے فکری ذوق اور خصوصی مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے زمانہ کے ماحول کے مطابق تھی۔

موجودہ زمانہ میں بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جنہوں نے سبائیت کو نئے لباس سے آراستہ کر کے پیش کرنے کی خدمت انجام دی ہے، اس زمرہ کے لوگوں میں سے ''جناب محمود احمد عباسی اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحبان'' کی شخصیتیں خاصی معروف اور مشہور ہیں۔

اپنے پیشرو فرقہ بند لوگوں کی طرح انہوں نے بھی اپنی ذہانت وطباعی سے اندازہ کرلیا کہ سبائیت کا پرانا اسلحہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اس کا پرانا لباس فیشن سے خارج ہوگیا ہے۔ نئی نسل اسے قدیم شکل میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ان کی فکر رسانے زمانہ کے مطابق ایسی صورت پیش کی اور سبائیت کو جدید لباس پہنانے میں ایسا کمال دکھلایا کہ اہل سنت میں سے بعض لوگوں کے اذہان بھی اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور اس طرح شیعیت اور خارجیت کے جراثیم سنیوں میں بھی سرائیت کر گئے۔

کتاب خلافت وملوکیت

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی ''خلافت وملوکیت'' نامی کتاب میں بھی یہی خدمت انجام دی ہے، موصوف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف تاریخ کی آڑ لے کر غلط اور موضوع الزامات کا انبار جمع کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت کو مجروح اور ناقابل اعتماد قرار دینے کا سامان بڑی دیدہ ریزی اور سعی بلیغ کے بعد فراہم کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب کی یہ کتاب ایک ناواقف آدمی کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے بارہ میں بے اعتمادی بلکہ نفرت اور حقارت کا جذبہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی بے اعتمادی اور تحقیر، خود گمراہی ہونے کے ساتھ بہت سی دوسری گمراہیوں کا دروازہ کھولنے کے لئے کافی ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی اس کتاب میں جس خوبصورتی اور سلیقہ کے ساتھ سبائیت کے تلخ زہر کو شیریں بنا کر ناواقف اہل سنت کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی ہے اگر بانی سبائیت عبداللہ بن سباء کو اس کا علم ہوجائے تو اس کی روح وجد میں آ کر رقص کرنے لگے۔ اسے دیکھ کر اس کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ موصوف نے بلاشبہ سبائیت کی وکالت کا حق خوب ہی ادا کیا ہے۔

خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بے بنیاد الزامات

مودودی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' میں جہاں حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے اکابر صحابہ کرام پر الزامات لگانے کی جسارت کی ہے، وہاں انہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات پر بھی بے بنیاد الزامات عائد کر کے روح سبائیت کو خوش کرنے کا سامان فراہم کیا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی رائے گرامی

حضرت تھانوی قدس سرہ نے بالکل ابتداء میں ہی مودودی صاحب کی تحریک کے بارہ میں اپنی خداداد بصیرت کی بناء پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار فرمادیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانی کے خط کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا: ''یہ تحریک دل کو نہیں لگتی۔'' (خاتمۃ السوانح)

کتاب خلافت وملوکیت پر علماء کی تنقید

پھر جب کہ مودودی صاحب کے افکار ونظریات منظر عام پر آنے لگے اس وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے اکابر علماء نے موصوف کی غلطیوں پر باقاعدہ تصانیف کے ذریعہ گرفت فرمائی اور فتاویٰ کی صورت میں ان کے غلط افکار ونظریات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالخصوص خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برملا تنقیص وتوہین کا ارتکاب کرنے کے بعد تو مودودی صاحب بالکل ہی بے نقاب ہو چکے ہیں اور اس سے واضح ہو گیا ہے کہ موصوف کا طرز فکر اور انداز تحریر مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بالکل موافق ہے اور ان کا قلب ودماغ عظمت صحابہ سے بالکل خالی ہو چکا ہے۔

اس کتاب کے بارہ میں مختلف اہل علم نے اپنی آراء کا اظہار فرمایا اور اس پر تنقید وتبصرہ کر کے اس کے خلاف حق وتحقیق مقامات کی نشاندہی کا فرض ادا کیا۔

محدث وقت مولانا الشیخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم ٹنڈوالہ یار نے بھی بالکل شروع میں ہی جس وقت مودودی صاحب کا یہ مضمون رسائل میں ہی شائع ہو رہا تھا اور ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا اپنے ایک طویل مقالہ ''برأت عثمان'' میں اس کا تحقیقی جائزہ لیا اور مودودی صاحب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عائد کردہ الزامات کی تردید فرمائی، پھر جب یہ مضمون کتابی شکل میں ''خلافت وملوکیت'' کے نام سے شائع ہوا تو مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری نے ایک مفصل کتاب ''عادلانہ دفاع'' اس کی تنقید میں تحریر کی۔ بخاری صاحب نے اس کے ذریعہ مودودی صاحب کا خوب ہی تعاقب کیا اور اس طرح اہل سنت کی طرف سے دفاع کا حق بھی اچھی طرح ادا کر دیا۔ جزاهم الله خيراً!

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی نے ''تجدید سبائیت'' کے نام سے اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے پہلے اپنے ماہنامہ ''البلاغ'' میں مودودی صاحب کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور مغالطہ انگیزیوں کے جواب میں قلم اٹھایا اور موصوف کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین آمیز افکار ونظریات کا ماشاء اللہ بڑے ہی متین انداز اور مضبوط طرز استدلال کے ذریعہ تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ بعد میں یہ مضمون ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی کا نتیجہ

دین اسلام کو رسول اکرم ﷺ سے براہ راست سیکھنے اور حاصل کرنے والے اور اس کے سب سے اوّل ناقل اور دوسروں تک دین کے پہنچانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہی اگر اعتماد باقی نہ رہے اور وہ ناقابل اعتبار قرار پائیں تو اس زنجیر کی پہلی کڑی ہی ٹوٹ جائے گی جو امت کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ وابستہ کرتی ہے اور اس کے بعد تمام کڑیاں بے کار ہو جاتی ہیں اور دین اسلام کا تسلسل واتصال ختم ہو کر سرچشمہ ہدایت، قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کا دامن امت کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

وحی ربانی اور صاحب وحی دونوں کا مشاہدہ کرنے والی جماعت کو غیر معتبر اور مجروح قرار دے کر دین اسلام کو مشکوک بنانے اور امت کو ہدایت ربانی سے محروم کرنے کے سواء اور کیا نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

خلافت وملوکیت کا تاثر

جو بھی ناواقف مسلمان یا غیر مسلم شخص اس کتاب کو پڑھے گا، اس کے دل میں یہ تاثر قائم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ابھی پندرہ سال کا زمانہ ہی گزرا تھا کہ ان کے جلیل القدر اور زمرہ "سابقون الاولون" کے صحابی داماد، خلیفہ راشد نے اسلام کے مقررہ نظام حکومت میں اپنے شخصی مصالح کے پیش نظر رخنہ ڈالا اور خدا ورسول کے منشاء سے انحراف کرکے اپنی رائے کے مطابق تبدیلی کا آغاز کیا اور ابھی چالیس سال بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام نے مل کر صریحاً خدا اور رسول کے منشاء کے خلاف اسلام کے نظام حکمرانی کو تبدیل کرڈالا۔

جس شخص کے دل میں یہ تاثر قائم ہوجائے تو کیا وہ دوسرے اصحاب رسول ﷺ کو شک وشبہ سے بالاتر سمجھ سکتا ہے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اس طرح شک وشبہ کا شکار ہوجانے کے بعد ان کے نقل کردہ اسلام کے بارے میں کیا ان حضرات کی معیاری اور اعتمادی حیثیت اس کی نظر میں باقی رہ سکتی ہے؟

ایک الزام کی حقیقت

مودودی صاحب حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کرتے وقت حقیقت واقعہ سے بالکل چشم پوشی کرلیتے ہیں اور صحیح صورت حال سے آنکھیں بند کرکے الزام عائد کرتے چلے جاتے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لئے مثال کے طور پر اس واقعہ کو ہی لے لیجئے جس کا تذکرہ مودودی صاحب نے حضرت عثمان پر اپنے خاندان بنوامیہ کے ساتھ بے جا مراعات کے الزام کے ثبوت میں کیا ہے کہ: ''انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵/لاکھ دینار) مروان کو بخش

دیا۔'' حالانکہ اس واقعہ کی حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے اور اس حقیقت کو خود اسی مؤرخ طبری نے بھی نقل کیا ہے جس کے بکثرت حوالجات سے مودودی صاحب نے اپنی اس کتاب کو مرتب کیا ہے لیکن معلوم نہیں اس خاص واقعہ میں انہوں نے اس کے حوالہ کو کیوں نظر انداز کر دیا۔

طبری نے ج ۳ ص ۱۲۹ پر صاف طور پر لکھا ہے کہ: ''افریقہ کے مال غنیمت کا یہ خمس ۵ لاکھ دینار میں مروان نے خرید لیا تھا، حضرت نے اسے بخشا نہیں تھا۔''

اس واقعہ کی حقیقت تو یہ تھی کہ افریقہ کے خمس کو ۵ لاکھ دینار میں مروان نے خرید لیا تھا مگر الزام تراشی کے لئے مودودی صاحب کو بعض راویوں کے بے جا تصرف سے مسخ شدہ اس کی یہ صورت پسند آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو ۵ لاکھ دینار کا خمس بے جا رعایت کے طور پر بخش دیا تھا۔

خمس غنیمت کا بطور عطیہ کے بخش دیا جانا امام وقت کے لئے جائز ہے۔ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہم کے دور میں اس پر عمل بھی ہو چکا ہے۔ (طبری ج ۲ ص ۳۸۴) لیکن پھر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی مرحلہ پر بھی اس جائز مراعات سے اپنے خاندان کو بہرہ ور نہیں فرمایا یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کی مہم پر یہ کہہ کر بھیجا گیا تھا کہ فتح کے بعد خمس ان کو دیا جائے گا مگر بعد میں ان کو بھی اس خمس کے بیت المال میں داخل کرنے پر راضی کر لیا تھا۔

ایسی احتیاط پر عمل کرنے کے باوجود معلوم نہیں کہ بے جا مراعات کی الزام تراشی کس مقصد کے لئے کی جا رہی ہے اور اس کے عوامل کیا ہیں؟ جب ایک صحابی رسول بالخصوص خلیفہ راشد کی شایان شان یہ واقعہ کتب تاریخ میں ملتا ہے تو پھر اسے ترک کر کے واقعہ کی اس صورت کو قبول کر لینا جس سے صحابی کی ذات ملوث و مطعون ہوتی ہے۔ بلاشبہ انتخاب واقعات میں یک طرفہ رجحان کے بغیر ایسا طرز عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

شیعیت کی ترجمانی

امام ابن تیمیہ کی ''منہاج السنۃ'' اور شاہ عبدالعزیز کی ''تحفہ اثناء عشریہ''

وغیرہ شیعوں کے اس قسم کے الزامات کے جوابات کو تو مودودی صاحب نے یہ کہہ کر بے وزن کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ وکیل صفائی کی یک طرفہ بحث ہے اور اس طرح شیعیت کی راہ سے بہت بڑی رکاوٹ کو انہوں نے ہٹانا چاہا ہے، شیعہ صاحبان کو خوش ہونا چاہئے کہ مودودی نے ان کی ایسی امداد کی ہے اور ان پر اتنا بڑا احسان کیا ہے جسے انہیں کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

کوئی ناواقف سنی اگر شیعیت کے زہر سے متاثر ہو جائے تو یہ کتابیں اس کے لئے تریاق کا کام دے سکتی ہیں اور کل دنیائے شیعہ ان کتابوں کے سنگین جوابات اور مدلل بحثوں کے جواب سے عاجز ہو رہی تھی لیکن مودودی صاحب نے ان کی عاجزی اور بے بسی میں دستگیری کرنا ضروری سمجھا اور ان کتابوں کو بے وزن اور غیر معتبر قرار دے کر ہدایت کا یہ دروازہ بھی بند کر دیا اور شیعی زہر کا یہ تریاق بھی اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

مودودی صاحب کا منہج تحقیق

مودودی صاحب نے تاریخی واقعات کے انتخاب میں نہ تو قرآن مجید کی ان آیات کو پیش نظر رکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت وعدالت پر سب سے زیادہ وزنی شہادت ہیں اور نہ ان احادیث کو ہی ملحوظ رکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلند کرداری اور بے غرضی پر شاہد ہیں اور جن کی روشنی میں ہر صحابی کے عمل کی صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے یہاں تک کہ ان واقعات سے متعلق بہت سی قدیم ومستند تاریخی کتب کو بھی، جن میں سے دوسری طرح کی روایتیں مل سکتی ہیں حوالہ اور انتخاب واقعات کے لئے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اس سے بڑھ کر ایک ہی کتاب میں دونوں طرح کی روایات موجود ہوتے ہوئے بھی ان کی نگاہ انتخاب ان ہی روایات پر پڑی ہے جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کی جاسکتی تھی، کیا مودودی صاحب کے قرآن وحدیث اور کتب تاریخ سے آنکھیں بند کر کے انتخاب واقعات میں اس یک طرفہ الزام تراش رجحان اور تاریخ سازی کا نام ''تاریخی تحقیق وریسرچ'' رکھ دیا گیا ہے؟

پہلے سے قائم کردہ اپنے رجحان کے مطابق ایسی تاریخی کتابوں سے جن میں کچی پکی اور رطب و یابس ہر طرح کی روایات پائی جاتی ہیں اپنی پسند کے چند واقعات کو منتخب کر کے ان کو قابل اعتراض شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دینے کا نام تاریخی تحقیق تو ہو نہیں سکتا البتہ اس کو تاریخ کا بگاڑ اور تاریخ نویسی کا فساد ضرور کہا جاسکتا ہے۔ جب اس آزادانہ طریقے سے جس میں صحافتی دیانت وامانت کا پاس ولحاظ بھی نہ رکھا گیا ہو، مرتب کردہ تاریخی واقعات کا یہ مجموعہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے گا۔ جن کی عملی دسترس مودودی صاحب کی کتابوں اور رسائل تک ہی محدود ہے تو پھر ان کے اندر حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کیسے کیسے گمراہ کن خیالات پیدا ہوں گے، اس کا اندازہ ہر سمجھدار آدمی آسانی سے لگا سکتا ہے۔

اہل سنت کا اصول

اہل سنت کے اصول کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن ہی نہیں حسن عقیدت رکھنا اہل سنت کا شعار اور ان کا امتیازی نشان ہے۔ صحابہ کرام کی عدالت اور ان کی پاکیزگی سیرت اور بے لاگ اوصاف وکردار کی گواہی کتاب الٰہی اور زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ان حضرات کے بارے میں ایسے تاریخی بیانات اور بے سروپا روایات کو جن سے ان کی سیرت وکردار پر حرف آتا ہو اور ان کی پاکیزہ اسلامی زندگی داغدار قرار پاتی ہو ہرگز قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکتا، جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور پاکیزہ سیرت وکردار کے جو نقوش قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور وہ ہمارے ایمان کا جزو قرار پا چکے ہیں، ان کے خلاف تاریخ کے بیانات پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

کتاب ''خلافت معاویہ ویزید''

اس کتاب کے مؤلف محمود احمد عباسی صاحب نے بھی مودودی صاحب کی طرح بے لاگ تحقیق وریسرچ کی آڑ میں اہل سنت کے مسلمہ عقائد ونظریات کو بدلنے

کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور بہت سے مسلمہ اسلامی عقائد، ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال وغیرہ سے بھی ان کو انکار ہے اور احادیث نبویہ صلی اللہ علی صاحبہا السلام والتحیہ کے موضوع اور جعلی ومہمل کہنے میں بھی وہ بڑے جری اور بے باک ہیں۔

اس طرح عباسی صاحب کی اس تاریخی ریسرچ کے نام پر انکار حدیث، مرزائیت، خارجیت وغیرہ بہت سے فتنوں کی پشت پناہی کا کام انجام پا رہا ہے، چونکہ کسی بھی باطل فرقہ کا مقصد اسلام کی قابل اعتماد ہستیوں اور معیاری شخصیتوں پر تنقید کر کے ان کو غیر معتبر قرار دینے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے عباسی صاحب نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا اور اپنے مشن کی کامیابی کے لئے اہل بیت عظام کو اپنی تنقید کا ہدف بنانا ضروری سمجھا، جس طرح مودودی صاحب نے خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور دوسرے بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کر کے حمایت روافض کی خدمت انجام دی ہے، اسی طرح اس کے بالمقابل عباسی صاحب نے خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض اہل بیت کو اپنے تیر ونشتر اور طعن وتشنیع کے لئے منتخب کر کے تائید خوارج کا حق ادا کیا ہے۔

مسلک اہل سنت

اہل سنت کے نزدیک حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ اور خلافت راشدہ موعودہ تھی جس طرح حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں کسی طرح کی سوءظنی اور ان حضرات ثلاثہ کی خلافت کی حقانیت کے بارہ میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا مردود اور رفض وشیعیت کا شعار ہے اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے بارہ میں کسی کی تنقیص کا پہلو نکالنا ناقابل برداشت اور مسلک اہل سنت سے خروج ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافت اور عباسی صاحب کا موقف

اہل سنت کے اس مسلک کے برعکس عباسی صاحب کا مؤقف یہ ہے کہ جس سے انہوں نے اپنی اس کتاب کی ابتدا کی ہے کہ حضرت علیؓ کا خلافت قبول کر لینے

کا اقدام ہی درست نہیں تھا اور صحیح طور پر ان کی خلافت کا انعقاد ہی سرے سے نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی..... نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب..... تھا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی بیعت کرنے سے گریز کیا..... عظمائے ملت وارباب حل وعقد نے بیعت نہیں کی۔

(طبری ومحاضرات الخضری، خلافت معاویہ ویزید ص ۵۳)

اور عباسی صاحب نے اس کا ذکر کرنے کے بعد کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت لینے سے) منع کیا اور کہا کہ: ''گھر میں بیٹھ رہیں یا اپنی جاگیر ینبوع چلے جائیں۔'' (خلافت ص ۵۲) نیز لکھا ہے:

''مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا اور بیعت لے لی۔'' (خلافت ص ۵۲)

عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے حالات واختلافات کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے کہ سبائی مفسدوں کے ساتھ ان کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آ پڑتی ہے، اس کے علاوہ انہوں نے یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت جتنے بھی مسلمان تھے وہ گویا سب کے سب سبائی تھے اور ان کے اثر سے ہی یہ خلافت قائم ہوئی تھی ارباب حل وعقد نے ان سے بیعت نہیں کی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سبائیوں کے ایک مجبور قسم کے آلہ کار تھے۔ چنانچہ عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجبور آلہ کار ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''سبائیوں کی من مانی کاروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرا لیتے ہیں ان کے بعض عزیز واقارب بھی بیزار ہو گئے۔'' (خلافت ص ۵۹)

اور آگے لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادر بزرگ حضرت عقیل کی دور بین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑا غرق کئے بغیر نہ رہیں گے۔'' (خلافت ص ۵۹)

پھر انہیں حضرت عقیل کو صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف دوسرے کیمپ میں دکھلا کر عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔''

(خلافت ص ۵۹)

مسلک اہل سنت سے انحراف

خلافت راشدہ کے چوتھے ستون خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں عباسی صاحب کا یہ نقطہ نگاہ کہ یہ خلافت اہل حل وعقد کی بیعت سے محروم رہی اور یہ اس وجہ سے منعقد ہی نہیں ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو غلط باور کرانے کی کوشش کرنا مسلک حقہ اہل سنت والجماعت سے انحراف اور خروج کے مترادف ہے اور تاریخی حیثیت سے بھی مسئلہ کا یہ انتہائی جانبدارانہ بلکہ معاندانہ اور غیر حقیقت پسندانہ غلط جائزہ ہے، معلوم نہیں عباسی صاحب نے کن خارجی اثرات سے متاثر ہو کر حقائق سے چشم پوشی کا یہ رویہ اختیار کیا ہے؟ ایک خلیفہ راشد کی تنقیص شان میں جو انداز عباسی صاحب نے اختیار کیا ہے وہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے، محمود احمد عباسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی منقصت کا جو تصور اپنے ناظرین میں قائم کرنا چاہا ہے وہ یہ ہے کہ موصوف کی خلافت سبائی گروہ کے غلبہ اور اثر سے قائم ہوئی تھی اور وہی سبائی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاست پر غالب اور مستولی تھا اور جو چاہتا ان سے کروالیتا تھا، گویا حضرت موصوف سبائی

گروہ کے عزائم کی تکمیل کے لئے آلہ کار تھے، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت اور ارباب حل وعقد نے ان سے بیعت نہیں کی تھی، اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ عباسی صاحب کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شرعی طریقہ سے منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ سبائی گروہ کے غلبہ کا نتیجہ تھی خلافت راشدہ کے متعلق اس قسم کے تصور کی مسلک اہل سنت میں ہرگز گنجائش نہیں ہے

عباسی صاحب کی مغالطہ انگیزی

عباسی صاحب نے ''عرض مؤلف طبع سوم'' میں بعض علیگ اور ایڈووکیٹ نیز بعض جے پوری وبدایونی احباب کی توجہ فرمائی کو لائق شکر قرار دیتے ہوئے مغالطہ انگیزی کے لئے لکھا ہے:

> ''یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محب قوم کی یاد آرہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان پتافی مرحوم ومغفور صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان .....مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پوراں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں شکریہ واجب ہے۔'' (خلافت ص ۳۳)

اور اس سے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ سردار احمد پتافی مرحوم ومغفور وغیرہ مسلک اہل سنت کے یہ خادم اور مبلغ بھی خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خارجیانہ انداز فکر کے ہمنوا اور موصوف کی انتہا پسندی کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مسلک اہل سنت کے خلاف عباسی صاحب کے اس نظریہ کی اہل سنت کا کوئی ادنیٰ فرد بھی تائید وحمایت نہیں کرسکتا۔

ایک تائیدی رائے پر تبصرہ

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کی تائید میں یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ:

> ''کتاب عقائد ومناظرہ کی ہرگز نہیں ہے اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنا لینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی

قوت نقد ونظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث ونظر تمام تر تاریخی ہے۔" (صدق جدید، خلافت ص ۲۰)

معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں نے اس کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا ہے اس لئے اس کی صحیح حیثیت ان پر واضح نہیں ہوسکی اور انہوں نے اس کو ایک تاریخی بحث سمجھ لیا۔ حالانکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنقید کرنا اور مسلک اہل سنت کے متفقہ عقیدہ خلافت راشدہ کی حقانیت کی اساس وبنیاد کو متزلزل کرنے کی کوشش کرنا اور ملت اسلامیہ کی مقدس ہستیوں کو مورد الزام اور ہدف مطاعن ٹھہرانا کسی طرح بھی صرف تاریخی بحث ونظر کے دائرہ میں نہیں آتا اور مسلک اہل سنت کی رو سے خلافت راشدہ پر عدم اعتماد اور تنقید کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نظریاتی کتاب ہے اس میں عباسی صاحب نے تاریخی تحقیق وریسرچ کی آڑ لے کر عقائد اہل سنت کو مجروح کرنے کی پوری کوشش کی ہے، سطح بین لوگوں نے صرف اس کی تاریخی روایات پر نظر کی اور اس کو عقائد ومناظرہ کی کتابوں سے خارج سمجھ کر اس کے کتاب الحرب ہونے کی نفی کردی، مگر یہ ایسے لوگوں کی ظاہر بینی کا نتیجہ ہے، حقیقت بینی اور گہری نظر سے کام لیا جائے تو صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ عباسی صاحب نے اس کتاب میں اپنے خاص نظریہ کے مطابق اپنی پسند کی تاریخی روایات کو جمع کر کے خارجی مکتب فکر کی ہمنوائی کی ہے اور ان کی اس تمام تر بحث ونظر میں خارجیانہ طرز فکر کام کر رہا ہے اور اس کتاب کے تاریخی ڈھانچہ اور قالب میں اس کی یہی روح پنہاں اور مستور ہے، اس لئے اس کتاب کی روح پر نقد ونظر کرنا ظلم نہیں ہے بلکہ نئی نسلوں کو اس سے متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دینا یہ اس نئی نسل پر ظلم کے مترادف ہوگا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف پروپیگنڈا

محمود احمد عباسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف پروپیگنڈا کر کے ناظرین کے دلوں میں جو خارجیانہ تصورات قائم کرنے کی نامحمود کوشش کی ہے

اس کو حقیقت واقعہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور یہ کہنا حقیقت پسندی کے قطعاً خلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سبائی گروہ کی پیداوار ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین وانصار اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ برداشت کرنا قبول فرمایا تھا جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

انتخاب خلافت کا ایک طریقہ مجلس شوریٰ کا قیام ہے کہ خلیفہ وقت اس معاملے کو شرائط خلافت کی ایک جامع جماعت کے سپرد کردے کہ اس جماعت میں سے جس کو اہل مشورہ منتخب کرلیں وہی خلیفہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لئے اسی طریقہ کو اختیار فرمایا اور درج ذیل چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس شوریٰ قائم فرمائی تھی، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوگئے تھے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا حق سپرد کردیا تھا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنادیا تھا۔

اب منتخب ارکان میں سے صرف تین حضرات انتخاب خلافت کے حق دار رہ گئے تھے مگر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی یہ فرما کر کہ میں خلافت کا خواہش مند نہیں ہوں، خود کو خلافت کے حقداروں سے علیحدہ کرلیا تھا، اس لئے اہل حل وعقد کے اجماع سے اب خلافت کے حق دار صرف حضرت عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہی رہ گئے تھے، یہ دونوں حضرات تاحین حیات خلافت کے حق دار تھے اور اب جب کبھی بھی ان سے بیعت لی جاتی اس کے وہ مستحق تھے اور ان کی بیعت وخلافت اسی مجلس شوریٰ کی منتخب شدہ خلافت قرار پائے گی۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اکثریت کی خواہش پر انتخاب خلافت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم رکھے گئے اور سب نے اس انتخاب کو قبول کیا، لیکن عبداللہ بن سباء کا گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعض واقعات کو غلط رنگ میں پیش کرتا رہا، آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ بلوائیوں نے مکان کا محاصرہ کرکے خلیفہ برحق کو ظلماً شہید کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لی تھی جیسا کہ ذیل کے حوالجات سے واضح ہو رہا ہے۔

مدارس عربیہ میں داخل نصاب شرح عقائد نسفی میں ہے:

"فاجتمع کبار المهاجرین والانصار علی علی رضی اللہ عنہ والتمسوا منه قبول الخلافة وبایعوه لما کان افضل اہل عصره واولهم بالخلافة"

(ص ۱۰۵)

پس جمع ہوئے اکابر مہاجرین اور انصار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اور آپ سے بیعت کی کیونکہ آپ اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے۔

"شرح فقہ اکبر" میں علامہ علی قاری حنفی نے خلافت علی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ بھی توجہ کا محتاج ہے فرماتے ہیں:

"فعرضوا الخلافة علی علی رضی اللہ عنہ فامتنع علیهم واعظم قتل عثمان ولزم بیته ثم عرضوها بعده علی طلحة رضی اللہ عنه فابیٰ ذٰلک وکرهه، ثم عرضوها علی الزبیر رضی اللہ عنه فامتنع ایضًا اعظاماً لقتل عثمان فلما مضت ثلثة ایام من قتله اجتمع المهاجرون والانصار وسألوا علیاً وناشدوه باللہ فی حفظ الاسلام وصیانة دار ہجرة للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلیٰ آله وسلم فقبلها بعد شدة وبعد ان رأٰه مصلحة لعلمهم وعلمه انه اعلم من بقی من الصحابة وافضلهم واولهم به فبایعوه (شرح فقہ اکبر ص ۶۷ قدیمی کتب خانہ)

انہوں نے خلافت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ قتل کو عظیم قرار دیتے ہوئے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور گھر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی، پھر اس کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تو

انہوں نے بھی انکار کیا اور اس کو مکروہ سمجھا، پھر اس کو پیش کیا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر انہوں نے بھی قتل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ عظیمہ کی وجہ سے انکار کر دیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو تین دن گزر گئے تو مہاجرین اور انصار نے جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت کے قبول کرنے کی التجاء کی اور انہوں نے اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت کی حفاظت اور بچاؤ کی سخت مطالبہ کے بعد اس میں مصلحت دیکھتے ہوئے اس کو قبول فرمالیا اور یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باقی ماندہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم والے سب سے افضل اور امور خلافت میں سب سے زیادہ لائق ہیں آپ سے سب نے بیعت کر لی۔

''صواعق محرقہ'' میں علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''فقال علی لیس ذٰلک الیکم انما ذٰلک الی اہل بدر فمن رضی بہ اہل بدر فہو خلیفۃ فلم یبق احد من اہل البدر الا اتی علیہ فقالوا لا نری احدا احق لہا منک فمد یدک نبایعک فبایعوہ'' (صواعق ص ۷۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انتخاب خلیفہ تمہارا کام نہیں ہے، یہ کام اہل بدر کا ہے وہ جس کو منتخب کر لیں وہی خلیفہ ہے۔ اہل بدر میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ آیا ہو۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے زیادہ اور کسی کو حق دار نہیں دیکھتے آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں ہم آپ سے بیعت کریں پھر ان سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔

پیش نظر حوالجات اور ان جیسے اور بہت سے حوالوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کی اصلی صورت واقعہ سامنے آجاتی ہے اور ایک ایسا شخص جس کے دماغ میں خارجیت کا سودا خام نہ پک رہا ہو اس حقیقت کے پالینے میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بلوائیوں کے اثر سے قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی منتخبہ مجلس شوریٰ کے رکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام اہل بدر اور

مہاجرین وانصار نے اس وقت سب سے زیادہ افضل اور حق دار سمجھ کر ان سے بیعت کی تھی اور اس استحقاق اور اہل حل وعقد کے بیعت کر لینے سے ان کی خلافت قائم ہوئی تھی اور بلوائیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا تھا کہ انتخاب خلیفہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے اگرچہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر یہ دونوں حضرات حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے حق میں پہلے سے ہی دستبردار ہو چکے تھے اس لئے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سب سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے اور مہاجرین وانصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت لے کر اس وقت کے سب سے زیادہ حق دار کو خلافت کا حق پہنچایا تھا۔

ان حقائق اور اصل صورت واقعیہ سے چشم پوشی کر کے عباسی صاحب کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ: ''اکثر اکابر صحابہ اور اہل حل وعقد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں لی تھی اور اس طرح یہ خلافت راشدہ قائم ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ بلوائیوں اور باغیوں کے ٹولہ کے عزائم کی تکمیل کا آلہ کار ہونے کی حیثیت سے یہ خلافت قائم ہوئی تھی۔'' مسلک اہل سنت کی ترجمانی نہیں بلکہ اس کو خارجیانہ ذہن کی پیداوار اور مذہب خوارج کی عکاسی اور تصویر کشی کہا جائے گا۔

اور ان کے اس ذہنی مرض خروج اور خوارج کی تائید کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں مذہب خوارج کی ترجمانی کرنے کے لئے ''خلافت سے معزولی اور شہادت'' کا عنوان قائم کر کے تحریر کیا ہے کہ:

''ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اہل حل وعقد کے مشورہ پر منحصر کیا۔'' الخ! (خلافت ص ۶۳)

ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے معزولی کا نظریہ ہرگز اہل سنت کے مسلک حق کے موافق نہیں ہے یہ سب خوارج کے ہذیانات میں سے ہے۔

دوسرا پروپیگنڈا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو غیر شرعی حیثیت میں پیش کرنے کے لئے عباسی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دوسرا پروپیگنڈا یہ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود قدرت کے قاتلین سے قصاص نہیں لیا تھا، حالانکہ ان سے قصاص لینا واجب تھا۔ لکھتے ہیں:

''قاتلین عثمان جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے۔'' (خلافت ص ۶۲)

حالانکہ اس صورت میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اہل سنت کے نزدیک بالکل درست اور صحیح تھا کیونکہ حالت ایسی تھی کہ قاتلین اور سازش قتل میں شریک لوگوں کا تعین شہادتوں کے ذریعہ امر مشتبہ کی حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا اور یقینی تعیین کے بغیر قصاص لینے کی کوئی صحیح صورت نہیں بن سکتی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص میں تاخیر فرمائی تھی۔

حضرت ملا علی قاری حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی توجیہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ومن یری الباغی مؤاخذا بذٰلک فانما یجب علی الامام استیفاء ذٰلک منہم عندانکسار شوکتہم وتفرق منعتہم ووقوع الامن لہ علٰی اثارۃ الفتنۃ ولم یکن شیء من ھٰذہ المعانی حاصلاً بل کانت الشوکۃ لہم بالقبیلۃ والمنعۃ قائمۃ جاریۃ وعزائم القوم علی الخروج علٰی من طالبہم بدمہ دائمۃ ماضیۃ وعند تحقق ہٰذہ الاسباب یقتضی التدبیر الصائب الاغماض منہم والاعراض عنہم" (شرح فقہ اکبر ص ۸۱)

اسی لئے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ طالبین قصاص کا موقف محققین اہل سنت کے نزدیک خطاء اجتہادی پر محمول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے بھی ''ازالۃ الخفاء'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد ثابت کرتے ہوئے طالبین قصاص کو مجتہد مخطی قرار دیا ہے اور یہی اہل سنت کا مسلک حق ہے اور حق کے بعد سوائے ضلالت اور گمراہی کے اور کیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی پر طعن کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ حضرات بھی اہل اجتہاد تھے اور بروئے حدیث اجتہادی خطاء پر مواخذہ نہیں بلکہ مجتہد مخطی بھی اجر وثواب کا مستحق ہے۔ اگرچہ مجتہد مصیب دوہرے اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

''نبراس'' شرح ''شرح عقائد نسفی'' میں ہے:

''وقال اہل السنۃ کان الحق مع علی وان من حاربہ مخطئ فی الاجتہاد فہو معذور وان کلا من الفریقین عادل صالح ولا یجوز الطعن فی احد منہم للاحادیث المشہورۃ فی مدح الصحابۃ والنہی عن سبہم وبذا ہو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال'' (ص ۵۰۴)

اہل سنت کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا ان سے جنگ کرنے والوں کے سے اجتہادی غلطی ہوئی اس لئے وہ معذور ہیں اور بے شک دونوں فریق نیک اور عادل تھے کسی پر اعتراض جائز نہیں۔ احادیث مشہورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف اور ان کو برا کہنے سے ممانعت کا تقاضہ یہی ہے۔ یہی حق ہے۔ اس کے علاوہ سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔

''والمجمل انہم کانوا یطلبون الحق ولکن یصیب بعضہم فی الاجتہاد ویخطی بعضہم والمخطی فی الاجتہاد غیر ماخوذ بل ماجور'' (ص ۵۵۰)

خلاصہ یہ کہ یہ حضرات طالب حق تھے لیکن بعض حضرات اجتہاد میں

صواب پر تھے اور بعض خطاء پر، اجتہاد میں خطاء ہونے والوں پر بھی مؤاخذہ نہیں بل کہ وہ بھی ماجور ہیں۔

حضرت علی کی خلافت راشدہ کے بارہ میں جن خیالات کا اظہار عباسی صاحب نے اپنی اس تحقیق میں کیا ہے اس کو تاریخی تحقیق کے بجائے خارجیوں کے پروپیگنڈے کا نام دینا زیبا ہے۔

اہل حل وعقد کا ان سے بیعت نہ کرنا ثالثوں کا ان کو معزول کر دینا وغیرہ نیز سبائیوں کی کاروائیوں کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی ذمہ دار قرار دینا، یہ نہ تو خلافت راشدہ کی شان ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک کہلایا جا سکتا ہے، یہ صرف اہل بیت کے مخالفین اور خلافت راشدہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کے غلط خیالات ہیں جن کی وکالت کا حق ادا کرنے کے لئے عباسی صاحب نے اس کتاب کو تاریخی تحقیق وریسرچ کے نام پر پیش کیا ہے اور اس پوری کتاب میں عباسی صاحب کی یہی خارجیانہ ذہنیت کام کر رہی ہے۔

حضرت حسینؓ اور یزید کے بارہ میں عباسی صاحب کا رویہ

خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں تو آپ نے عباسی صاحب کا رویہ ملاحظہ کر لیا اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارہ میں ان کا رویہ ملاحظہ ہو۔

یزید کی مدح سرائی اور اس کے فضائل ومناقب کے بیان کرنے میں تو عباسی صاحب ہر رطب ویابس کو قبول کر لیتے ہیں پھر نہ وہ اس کے راویوں کے عادل وثقہ ہونے کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کے مفہوم ومراد کے متعین کرنے میں الفاظ کی دلالت کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ان کے خیال میں رہتی ہے، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مدح وستائش پر وہ اس طرح چیں بجبیں نظر آتے ہیں جیسے ان کے گھر سے کچھ جا رہا ہو اور دور از کار قیاس آرائیوں سے کام لے کر اس مدح وستائش کا ایک ایک حرف، حرف غلط کی طرح مٹا دینے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ اصولی معیار ہے جس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے معاملہ میں عباسی

صاحب کی اس تحقیق وریسرچ کو جانچا جاسکتا ہے، عباسی صاحب کی یہ پوری کتاب اس دوطرفہ متضاد قسم کی انتہاپسندی سے بری طرح متاثر نظر آتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نے یزید کے بارہ میں پہلے یہ نظریہ قائم کرلیا ہے کہ یزید ایک پرہیزگار اور متقی خلیفہ وقت تھا پھر اس نظریہ کی تائید میں جس جگہ سے بھی کچی پکی روایت سے قطع نظر یزید کی تعریف ومنقبت میں کوئی جملہ ان کو نظر آیا انہوں نے اسے غنیمت سمجھ کر حاصل کرلیا اور اسی عبارت میں جو جو جملے ایسے نظر آئے جن سے اس کی منقصت اور ہجو کا پہلو واضح ہورہا تھا عباسی صاحب نے تحقیق وریسرچ کا حق ادا کرنے کے لئے ایسے جملوں کو حذف کردیا، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب کا ذہن بالکل دوسری طرح سوچتا ہے اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے کیا جاسکتا ہے۔

مثلاً ایک جگہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام ابومخنف کی روایت سے حضرت عبداللہ بن جعفر کی ایک تحریر کا ذکر کرکے جس میں آپ کو ''نورالاسلام'' کے لفظ سے یاد کیا گیا تھا۔ لکھتے ہیں:

''طبری نے ''نورالاسلام'' کے بجائے ''نورالارض'' کے الفاظ لکھے ہیں۔ بہرکیف ''نورالاسلام'' کے لفظ ہوں یا ''نورالارض'' کے یہ فقرے ان راویوں کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔''

پھر اس پر زور لگاتے چلے گئے ہیں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی ذمہ دار آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ سے یاد کرے، جو باعتبار معنی ومطالب حقیقت سے بعید ہیں۔

حالانکہ ایسے ہی مشتبہ راویوں سے وہ یزید اور اس کے حامیوں کو فائدہ پہنچانے والی ایسی تحریروں کو بے چون وچرا تسلیم کرانا چاہتے ہیں جن کے اندر وضعیت کی صریح شہادتیں موجود ہیں۔

''البدایہ والنہایہ'' وغیرہ میں مروان کا ایک خط منقول ہوا ہے جو روایت کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قصد کوفہ کے بعد ابن زیاد کو لکھا گیا تھا کہ:

''فایاک وان تهیج علی نفسک مالا یسده شیء ولا تنساه العامة ولا تدع ذکره آخر الدهر''

خبردار تم کوئی ایسا معاملہ نہ کر بیٹھنا جس کا مداوا نہ ہو سکے جسے عوام کبھی بھلا نہ سکیں اور رہتی دنیا تک جس کا ذکر نہ چھوڑیں۔

اس کو نقل کر کے عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات سے حضرت مروان کو کیسی کچھ الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکا نہ ہونے پائے، یہ وہی مروان ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے۔'' الخ! (خلافت ص ۱۹۸)

اس خط کے الفاظ اپنی وضعیت کا آپ ثبوت ہیں مگر عباسی صاحب نے مروان کی صفائی کے لئے پورے شرح صدر کے ساتھ اس کو استعمال کیا ہے۔ حالانکہ یہی الفاظ اگر مروان کی صفائی کا فائدہ نہ دے رہے ہوتے اور ان سے صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدح ہو رہی ہوتی تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن جعفر کے خط کی طرح اس خط کی بھی دھجیاں بکھیر دینے کے لئے پورا زور صرف کر دیتے۔

اس ریسرچ کا عام اصول

عباسی صاحب کی ریسرچ کا یہ عام اصول ہے کہ اپنے مقصد کے خلاف جس تاریخی روایت پر وہ کوئی معقول جرح نہیں کر سکے اس کو بغیر دلیل کے وضعی کہہ کر بے دھڑک رد کر ڈالتے ہیں۔

محض احتمالات اور ظنیات سے استدلال

اسی طرح ذہنی جنبہ داری کے ماتحت عباسی صاحب اپنے دعویٰ کی دلیلوں میں مخالف احتمال کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں اور محض ظنیات سے اس طرح استدلال کرتے ہیں جیسے کہ ان کے استدلال کی بنیاد قطعی ہے۔

مثال نمبر: (۱)

حضرت محمد بن حنفیہ کے یزید سے بیعت کر لینے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے کو عباسی صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے لئے کھلا ثبوت

قرار دیا ہے کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف یہ اقدام مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔''

(ص ۱۳۸)

حالانکہ اس واقعہ میں اس دعویٰ کا ذرا بھی کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ اس اقدام میں جن حضرات نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عملاً ساتھ نہیں دیا، اس کی یہ وجہ متعین نہیں ہے کہ وہ اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے بلکہ اس میں دوسرا احتمال بھی ہے۔ (جیسا کہ آگے آرہا ہے)

مثال نمبر: (۲)

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ان میں سے کسی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔'' اور اس کو بدیہی دلیل قرار دیتے ہیں کہ: ''نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔'' (ص ۱۳۵)

اور لکھتے ہیں:

''کردار خلیفہ (یزید) میں کوئی خامی یا برائی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا'' (ص ۱۴۲) حالانکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کردار خلیفہ میں خامی یا برائی سب کچھ ہو مگر ممانعت خروج کی احادیث کے پیش نظر (جن کو عباسی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ساتھ نہ دیا ہو۔ پھر اس نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کسی خامی یا برائی اور جواز خروج کی نفی پر دلیل بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

اس سے بھی بڑھ کر جس واقعہ میں عباسی صاحب کی مفروضہ بنیاد کے احتمال وامکان کی بھی ادنیٰ گنجائش نہیں پائی جاتی وہاں بھی وہ پورے وثوق ویقین کے ساتھ اس واقعہ کو اپنے مفروضہ کی بنیاد ٹھہرا لیتے ہیں اور اپنی مرضی کے موافق نتیجہ نکال لیتے ہیں۔

مثال نمبر: (۳)

حضرت حسین کے دوسرے بھائی عمر الاطراف کے متعلق یہ بیان کر کے کہ وہ بھی حضرت حسین کے اقدام کے مخالف تھے پھر شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف ''عمدۃ الطالب'' سے یہ نقل کر کے کہ جب شہادت حسین کی خبر آئی تو انہوں نے کہا: ''انا الغلام الحازم ولو اخرجت معهم لذهبت في المعركة وقتلت'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۲۹) میں ایک عقل منداور محتاط جواں ہوں اور اگر میں بھی ان کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔'' رقمطراز ہیں: ''ظاہر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت وخلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز اور مناسب نہ تھا۔''

حالانکہ حضرت عمر الاطراف کے مذکورہ الفاظ کے بعد عباسی صاحب کے اس ظاہر کا ادنیٰ احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ حضرت عمر الاطراف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو صرف حزم واحتیاط کے خلاف قرار دے رہے ہیں نہ کہ ناجائز، لیکن عباسی صاحب اس کو اپنے مفروضہ کی بنیاد ٹھہرا رہے ہیں اور اپنی پسند کے موافق نتیجہ نکال رہے ہیں۔

مناقب یزید میں محویت

عباسی صاحب نے مناقب یزید کے شمار کرنے میں اپنی محویت کی وجہ سے ایسی چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے کہ جن سے کسی قسم کی منقبت ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی اپنی خوش فہمی ہوتی ہے۔ مثلاً عباسی صاحب نے مدینہ منورہ سے یزید کے انس ومحبت کے ثبوت میں لکھا ہے کہ: ''مدینہ طیبہ سے انس ومحبت ہی کی وجہ سے اپنی شریک زندگی کے لئے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔'' (ص ۱۱۰)

اس واقعہ میں خواتین سے انس ومحبت کے سوا اور کسی چیز سے انس ومحبت کا ثبوت نہیں ہوتا جیسا کہ سلامہ نامی ایک مغنیہ کنیز کے واقعہ سے بھی جس کو خود عباسی

صاحب نے بھی یزید کی منصف مزاجی کے عنوان سے لکھا ہے واضح ہو رہا ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

یزید کے فضائل میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''اپنے زمانہ خلافت میں امیر یزید ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیر المؤمنین کی حیثیت سے جمعہ وعیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود ہی امامت کرتے اور بعد اداء نماز وہیں مجلس علم منعقد کرتے۔'' (ص ۹۲)

ان فضائل کے ثبوت میں ''منتخبات تاریخ الیمن'' کے حوالہ سے جو واقعہ انہوں نے لکھا ہے اس کے آخر میں یہ لفظ ہیں:

''ثم دخلوا مسجد دمشق یوم الجمعة علی یزید'' (ص ۸۷)

پھر یہ لوگ جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس پہنچے۔

یزید کے لئے جمعہ وعیدین کی امامت کو تو عباسی صاحب نے صرف ظاہر ہے سے ہی ثابت کر کے دکھلانا کافی سمجھا، دوسرا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے، شاید ان کے نزدیک کسی نائب کا امامت کرانا درست ہی نہیں ہے اس لئے اس کا احتمال ہی ان کو نہیں ہوا۔ اوّل تو اس واقعہ میں جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس کچھ لوگوں کے پہنچنے کا ذکر ہے اس میں یزید کے نماز پڑھنے یا نماز پڑھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہاں تک کہ اس واقعہ میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے کہ یہ لوگ نماز جمعہ کے بعد یزید کے پاس پہنچے تھے، صرف یوم الجمعہ کا ذکر ہے، اب اگر یزید کے جامع مسجد میں ہونے سے ہی اس کی امامت نماز اور مجلس علم منعقد کرنے کا ثبوت ہو جاتا ہے تو پھر بھی دوام اور ہمیشگی کا تو اس میں کوئی ادنیٰ سا اشارا بھی نہیں پایا جاتا۔

عباسی صاحب نے خالد بن یزید کے علمی کمالات (کیمسٹری کی ایجاد) اور علمی شغف (یونانی اور مصری کتابوں کے ذخائر کی فراہمی، دار الترجمہ کی تاسیس اور تصنیف وغیرہ) کا ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

اولاد میں علم وفضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی

کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں آتی نہ کہ بقول کذا بین غنا وموسیقی کی۔

خالد کے دنیوی علوم وفنون کے ساتھ شغف کو قال اللہ اور قال الرسول کی آوازوں کا نتیجہ قرار دینا عباسی صاحب کا ہی کمال ہے۔ ورنہ کمیسٹری کی ایجاد اور یونانی کتابوں کے ذخائر کی فراہمی کو قرآن وحدیث کی آواز کا نتیجہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر قرآن وحدیث کی آوازیں گھر کے ماحول میں ہوتیں تو علوم قرآن تفسیر وحدیث میں مہارت کی صورت میں اس کا نتیجہ نکلنا قرین قیاس تھا نہ کہ یونانی علوم میں شغف کی صورت میں؟

محمود احمد عباسی کے پیش کردہ حوالوں کے آئینہ میں یزید کی صورت

یزید کی مدح سرائی اور مناقب خوانی میں اس قدر مبالغہ آرائی کرنے کے باوجود محمود احمد عباسی صاحب نے خود بھی اپنی نئی کتاب میں ایسا مواد فراہم کر دیا ہے جس کے آئینہ میں یزید کی اصلی صورت اور اس کا غیر شرعی کردار نظر آ سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''سیرت یزید کے بارہ میں غیر مسلم مؤرخین ومحققین کی رائیں ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ رائیں ہوسکتی ہیں۔ ان غیر مسلم مؤرخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنے بے جا نہ ہوں گے۔''

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقمطراز ہیں:

''یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لاابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مؤرخین نے بیان کیا ہے..... وہ خود شاعر تھا۔ موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب وآرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۷۵)

عباسی صاحب نے یزید کے غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ ہونے اور لاابالی اور بے پرواہ حکمران ہونے سے متعلق مؤرخین کے بیان کے مقابلہ میں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے غیر مسلم لائق مقالہ نگار کی رائے کو آزاد اور بے لاگ قرار دیا ہے۔

24

عباسی صاحب کے اس مسلمہ اور لائق مقالہ نگار نے سیرت یزید کی جو یہ صورت کشی کی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ شاعر تھا اور موسیقی کا ذوق ہی رکھتا تھا بلکہ وہ ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا، اس میں حقیقت کے متلاشی کو یزید کی صحیح صورت نظر آ سکتی ہے اور اس کا غیر شرعی کردار واضح ہو جاتا ہے اور عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے جو انہوں نے قال اللہ و قال الرسول کی آوازوں کے گونجنے کا کہا ہے اب یزید کے غنا اور موسیقی سے نہ دلچسپی اور شغف بلکہ اس فن شریف کی سرپرستی بھی عباسی صاحب کے مسلمہ ولائق مقالہ نگار کے مطابق ہوگئی۔ یہ تو کذا بین کی روایت نہیں ہے۔ اس کو تو عباسی صاحب کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں ہو سکتا۔

موسیقی شریعت کی نظر میں

2

اب دیکھنا یہ چاہئے کہ شریعت مقدسہ کی نظر میں اس موسیقی کا ذوق اور ادب و آرٹ جس کی تربیت اور سرپرستی کا فرض یزید نے انجام دینا اپنے ذمہ لیا ہوا تھا، اس کا کیا درجہ ہے:

"عن ابی امامة قال قال النبی ﷺ ان اللہ تعالٰی بعثنی رحمةً للعالمین وھدیً للعالمین وامرنی ربی عزوجل بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاہلیة" (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے واسطے سبب رحمت اور رہنمائی کے لئے بھیجا ہے اور میرے رب عزت و بزرگی والے نے مجھے حکم دیا ہے باجوں اور مزامیر اور بتوں اور صلیب اور تمام رسومات جاہلیت کے مٹانے کا۔

موسیقی اور ادب و آرٹ کے آلات وغیرہ جن چیزوں کے مٹانے کا شریعت نے حکم دیا ہے ان کی سرپرستی کرنا اور ان کو رواج دینا کیا یزید کے فسق اور اس کی سیرت و کردار کی خرابی کا کھلا ثبوت نہیں ہے؟ اور کیا اس سے عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت واضح نہیں ہو جاتی کہ: "کردار یزید میں کوئی خرابی نہیں تھی جس سے اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔"

منصف مزاجی

عباسی صاحب نے اس عنوان کے تحت یزید کی منقبت کے ضمن میں غیر شعوری طور پر اس کی بھی نشاندھی کردی ہے کہ یزید کے اردگرد کس قسم کے آزاد منش لوگوں کا گروہ رہتا تھا اور وہ اس کو کس طرح حسن و جمال کا دلدادہ اور گانے بجانے والی لونڈیوں پر فریفتہ کرتا رہتا تھا۔ لکھتے ہیں:

''ابن کثیر نے سلامہ نامی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی، قرآن شریف اچھی قرأت سے سناتی شاعرہ اور مغنیہ تھی..... اس کنیز کی امیر یزید سے بہت کچھ ثناء وصفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا..... کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کرلیا گیا، کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آ کر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوگئی لیکن جب یہ راز فاش ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں، امیر یزید نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی ان دونوں نے فی البدیہ اشعار میں اقرار محبت کیا..... امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا: اے احوص اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے تم اسے لے لو پھر اسے اچھا انعام عطاء کیا۔''

اس واقعہ کو نقل کر کے عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضا تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا۔'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۷۱)

مال و منال اور حسن و جمال میں سے سب سے زیادہ عورت کے دیندار ہونے کو ملحوظ رکھنے کی شریعت میں ہدایت کی گئی ہے۔ کسی عورت کے حسن و جمال کو سن کر ہی اس کا طلبگار ہو جانا کیا کچھ کم معیوب تھا، اس سے بڑھ کر اس کا مغنیہ ہوتے ہوئے داخل

حرم کر لینا تو آزاد منش اور عیاش قسم کے لوگوں ہی کا طریقہ ہوسکتا ہے ایک متدین کیا بلکہ شریف آدمی کے لئے بھی یہ بات قابل شرم اور باعث ننگ وعار ہوتی ہے۔

جب ایک عورت مغنیہ ہونے کے ساتھ ہمہ صفت موصوف تھی، پھر کیسے ہوسکتا تھا کہ مغنیہ ہونے کے لوازم عشق ومعاشقہ سے وہ محفوظ رہ سکتی یہ تو گویا غنا اور ادب وآرٹ کا خاصہ لازمہ ہے، اب اس پر قدغن لگانا اور تنبیہ وسرزنش کرنا امیر یزید کی اہل ہنر اور شعراء کی قدردانی اور ادب آرٹ کے مربی اور سرپرست ہونے کے منصب کے خلاف ہوتا اس لئے امیر یزید نے اس غیر شرعی معاشقہ پر سرزنش کرنے کی بجائے ان کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے حوصلہ افزائی اور قدردانی کو ضروری سمجھا اور اپنی داخل حرم عورت کو مزید انعامات کے ساتھ اس کے عاشق کے حوالہ کر دیا۔ عباسی صاحب محض حمایت یزید میں اس کو انصاف پسندی کا تقاضا کہہ کر انصاف کا خون کر رہے ہیں۔

یزید کے بارہ میں اکابر امت کی آراء

(۱) فتح الباری اور قسطلانی میں طبری سے منقول ہے:

"ان یزیدبن معاویة کان امرعلی المدینة ابن عمه عثمان بن محمدبن ابی سفیان فاوفدالی یزیدجماعةمن اہل المدینة منهم عبدالله بن غسیل الملائکة وعبدالله بن ابی عمروالمخزومی فی آخرین فاکرمهم واجازهم فرجعوا فاظهرواعیبه ونسبوه الی شرب الخمروغیرذٰلک" (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳)

ترجمہ: یزید نے مدینہ پر اپنے چچازاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو امیر مقرر کیا، پھر اس نے یزید کے پاس اہل مدینہ کا ایک وفد بھیجا جس میں غسیل الملائکہ کے بیٹے عبداللہ اور عبداللہ بن ابی عمرو مخزومی اور دوسرے لوگ تھے۔ پس یزید نے ان کا اکرام کیا اور ان کو عطیات دیئے پھر جب وہ واپس مدینہ لوٹے تو انہوں نے یزید کے عیب ظاہر کئے

اور اس کے افعال شراب پینے وغیرہ کا ذکر کیا۔

(۲) فتح الباری میں ہے کہ:

"کقوله (ای ابی ہریرة) اعوذ باللہ من رأس الستین وامارة الصبیان یشیر الیٰ خلافة یزید بن معاویة فانها کانت سنة ستین واستجاب اللہ دعاء ابی ہریرة فمات قبلها بسنة"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کہ میں اللہ تعالیٰ سے بچوں کی امارت اور ۶۰ھ سے پناہ چاہتا ہوں، سے یزید کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ساٹھ ہجری میں امیر بنا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور وہ ۵۹ھ میں ہی انتقال فرما گئے۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۲۳)

(۳) حافظ ابن کثیر مطاعن یزید سے متعلق چند روایات کی تردید کرنے کے باوجود فرماتے ہیں:

"وکان فیه ایضاً اقبال علی الشہوات وترک بعض الصلوٰة فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳)

نیز اس کے اندر شہوتوں پر توجہ دینا اور بعض نمازوں کا چھوڑنا بعض اوقات میں اور اکثر اوقات میں نمازوں کا قضاء کر دینا بھی تھا۔

(۴) ابوالحسن المعروف بالکیا الہراسی احد الفقہاء الکبار من رؤس الشافعیة سے یزید کے بارہ میں استفتاء کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

"فذکر عنه تلاعباً وفسقاً وجوز شتمه" (البدایہ والنہایہ ج ۲، ۱ ص ۱۷۳)

اس کے فسق اور کھیل کود کا ذکر کرتے ہوئے اس کے شتم کو جائز قرار دیا۔

(۵) ابوالفرج شیخ ابن جوزی نے شیخ عبدالمغیث بن زہیر کی کتاب "فضل یزید" کی تردید میں کتاب لکھی اس کے بارہ میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

"وقد رد علیه ابوالفرج ابن الجوزی (وہو من شیوخ الحنابلة) فاجاد واصاب" (البدایہ ج ۲ ص ۳۲۸)

ابوالفرج ابن الجوزی نے (جو حنابلہ کے شیوخ میں سے ہیں) اس پر بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"قال یحی بن عبدالملک بن ابی غتبۃ احد الثقات ثنا نوفل بن ابی عقرب ثقۃ قال کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید بن معاویۃ فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر تقول امیر المؤمنین یزید فامر بہ فضرب عشرین سوطاً" (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

ترجمہ: یحییٰ بن عبدالملک بن ابی عتبہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ: "امیر المؤمنین یزید نے یہ کہا" خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: "تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے۔" اور اس شخص کے لئے بیس کوڑے مارنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اس کے بیس کوڑے مارے گئے۔

(۷) حافظ ابن تیمیہ جن کے برابر یزید پر وارد کردہ الزامات کے جوابات اور اس کے دفاع میں شاید ہی کسی نے حصہ لیا ہو مگر اس نصرت کے باوجود وہ بھی ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مع انہ کان فیہ من الظلم ما کان ثم انہ اقتتل ہو وہم وفعل باہل الحرۃ امورًا منکرۃ" (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۷)

اس کے ساتھ اس میں جو ظلم تھے، پھر اس نے اور انہوں نے قتال کیا اور اہل حرہ کے ساتھ نازیبا سلوک کیا۔

(۸) فتاویٰ ابن تیمیہ میں لکھا ہے:

"بل الحق فیہ انہ کان ملکاً من ملوک المسلمین لہ حسنات ولہ سیئات والقول فیہ کالقول فی امثالہ من الملوک لانحبہ ولانسبہ

وہو اول من غزا قسطنطیۃ وقال رسول اللہ ﷺ اول جیش یغزوبا یغفرلھم وفعل فی اہل المدینۃ مافعل وقد توعد رسول اللہ ﷺ من قتل فیھا قتیلاً ولعنہ" (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۳۱۰)

ترجمہ: بلکہ یزید کے بارے میں حق یہ ہے کہ وہ مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ اس کی اچھائیاں بھی ہیں اور اس کی برائیاں بھی ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا قول وہی ہے جو اس کی مثل دوسرے بادشاہوں کے بارے میں ہے ہم نہ اس سے محبت کرتے ہیں اور نہ اس پر لعن طعن کرتے ہیں اور وہ پہلا شخص ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر جہاد کرے گا ان کی مغفرت ہو جائے گی اور اس نے اہل مدینہ کے بارے میں کیا جو کچھ کیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں (عذاب کی) وعید سنائی ہے اور اس پر لعنت کی ہے جو مدینہ میں قتل وقتال کرے۔

حاصل یہ ہے کہ یزید کے فسق وفجور کے بارہ میں جو مبالغہ آمیز اور ناقابل اعتبار تاریخی روایات بطور افتراء اور بہتان کے مشہور ہو چکی ہیں اور معائب یزید کی جن روایات کا ان کے راویوں کے کذب ودجل اور تلبیس کی وجہ سے موضع اور من گھڑت ہونا ثابت ہو چکا ہے اگر ان سب سے قطع نظر کر کے صرف عبارات بالا ہی کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو یزید کے بارہ میں اس حقیقت پر یقین کر لینے سے چارہ نہیں ہے کہ یزید کی طرف سے پورا دفاع کرنے کے باوجود جس کا اقرار حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کو بھی اپنے مذکورہ بالا الفاظ میں کرنا پڑا ہے۔

عباسی صاحب کا نظریہ اور ان کے حوالوں کا جائزہ

اکابر امت کی آراء کے برخلاف محمود احمد عباسی صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ یزید ایک نہایت ہی متقی، پارسا مناقب جلیلہ اور اوصاف حمیدہ کا مالک شخص تھا اس کے لئے عباسی صاحب نے کتابوں کی عبارتوں میں قطع برید کرنے اور بعض عبارتوں کا ترجمہ

تک غلط کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ بطور نمونہ چند حوالوں کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس جائزہ سے عباسی صاحب کی ریسرچ کا حقیقی منظر واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

(۱) عباسی صاحب نے حافظ ابن کثیر کا یہ قول: "وله مصنف فی فضل یزیدبن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب" نقل کر کے اس کا ترجمہ اپنے مطلب کے موافق اس طرح کیا ہے: "اور ان (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے غریب وعجیب حالات بیان کئے ہیں۔"

حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع میں "غرائب وعجائب" کا استعمال اچھے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ ان کے غیر مستند ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیر کا مقصد بھی اس سے یہی بتلانا تھا کہ اس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سے کتاب کی مدح کا پہلو کشید کر لیا۔

دوسرے "اتی فیه بالغرائب والعجائب" سے ملی ہوئی فوراً ہی بعد جو یہ عبارت تھی: "وقدرد علیه ابوالفرج بن الجوزی فاجاد واصاب" ابوالفرج ابن جوزی نے اس پر بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے۔ اس عبارت کو اپنے مقصد کے خلاف دیکھ کر عباسی صاحب نے چھوڑ دیا۔

ابن جوزی کی اس کتاب کا نام "الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید" ہے۔ (مذکورہ کتاب کا اُردو ترجمہ ہمارے ادارہ "شاہ نفیس اکادمی" سے شائع ہو چکا ہے۔ ر۔ن)

یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لئے عباسی صاحب نے علامہ ابن کثیر کی عبارت کا غلط مفہوم پیدا کرنے اور اس سے متصل کی عبارت کو حذف کر کے ناظرین کو مغالطہ دینے کی کس طرح کوشش کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

(۲) عباسی صاحب لکھتے ہیں: "خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارہ میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا۔ علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

"فسأله الخليفة عن يزيد ايلعن ام لا؟ فقال لااسوغ لعنه لانی

لوفتحت بذاالباب لافضی الناس الٰی لعن خلیفتنافقال الخلیفتولم؟ قال لانه یفعل اشیاء منکرة کثیرة منهاکذاوکذاثم شرع یعدد علی الخلیفة افعاله القبیحة ومایقع منه المنکر"

(البدایہ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

پھر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"خلیفہ ناصر نے (شیخ عبدالمغیث) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں، انہوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے۔" (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۰۶، ۱۰۷)

"لااسوغ لعنه" کا ترجمہ "لعن کرنا ہرگز جائز نہیں" صحیح نہیں ہے، صحیح ترجمہ اس کا یہ ہے: "میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔" لعن کا جائز نہ ہونا اور بات ہے اور جائز ہوتے ہوئے کسی مصلحت کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دینا اور بات ہے۔ خلیفہ ناصر بھی چونکہ بعض منکرات اور برائیوں پر عمل پیرا تھے۔ اس وجہ سے شیخ نے یزید پر لعنت کی اجازت دینے سے خلیفہ وقت پر بھی لعنت کے دروازے کے کھل جانے کا اندیشہ کیا۔ اس لئے لعنت کی اجازت نہیں دی اور خلیفہ وقت کو متنبہ کر دیا کہ جن منکرات کی وجہ سے وہ یزید کو مستحق لعنت سمجھتے ہیں۔ ویسے ہی امور منکرہ کے وہ خود بھی مرتکب ہو رہے ہیں تو کیا شیخ کے اس قول سے یزید کی کوئی منقبت ثابت ہو رہی ہے؟ یا اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یزید اور خلیفہ ناصر دونوں ہی امور منکرہ اور افعال قبیحہ کے مرتکب ہیں۔

(۳) عباسی صاحب نے یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل عبارت بھی بیان کی ہے:

"وکان (ابوایوب الانصاری) فی جیش یزید بن معاویة والیه اوصی وبوالذی صلی علیه" (البدایہ ج ۸ ص ۵۸)

ترجمہ: ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے۔ انہوں نے اس (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۷۷)

یزید کے نماز جنازہ پڑھانے سے اس کی فضیلت ومنقبت پر کچھ روشنی نہیں پڑتی۔ بحیثیت امیر لشکر ہونے کے نماز پڑھانا ان کا حق تھا۔ "صلوا خلف کل بر وفاجر" فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہمیشہ اسی طرح عمل ہوتا رہا ہے، ائمہ جور کے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے نمازیں ادا کی ہیں مگر اس سے ان ائمہ کا ثقہ اور عادل ہونا ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کے باوجود بھی وہ امام جائر ہی رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے زمانہ میں سبائیوں کا سرغنہ مسجد نبوی میں نماز پڑھاتا تھا اور حضرت عثمان خلیفہ راشد نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ج ۱ ص ۹۶ پر موجود ہے، مگر اس کی امامت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے سے اس کی ثقاہت اور عدالت کا ثبوت نہیں ہوا۔

بخاری شریف میں ہے:

"ویصلی لنا امام فتنة ونتحرج فقال الصلوٰة احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساء وا فاجتنب اساءتهم"

(بخاری ج ۱ ص ۹۶)

(۴) عباسی صاحب نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لئے "البدایۃ" کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے:

"وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأی فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرة" (البدایۃ ج ۸ ص ۲۳۰)

اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم وکرم وفصاحت وشعر گوئی وشجاعت وبہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے

تھے اور خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۰۰)

مگر اس سے ملی ہوئی حسب ذیل عبارت کو عباسی صاحب نے ریسرچ کا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا:

"وکان فیه ایضاً اقبال علی الشهوات وترک بعض الصلوٰت فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات" (البدایہ ج ۸ ص ۲۳۰)

ترجمہ: اور نیز اس میں شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا تھا اور نمازوں کا بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات تھا۔"

عباسی صاحب کی منقولہ عبارت سے یزید کے اندر حلم وکرم وغیرہ اوصاف مذکورہ کے پائے جانے سے جو کہ ایک غیر مسلم اور غیر متقی میں بھی پائے جاسکتے ہیں۔ یزید کا ثقہ اور متقی ہونا کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ جس کے لئے عباسی صاحب بہت بے چین نظر آتے ہیں۔

خلافت معاویہ ویزید کے طبع چہارم میں اس عبارت پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

"اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لئے حذف کر دیئے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انہوں نے امیر یزید کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے۔ مثلاً برادر حسین رضی اللہ عنہ، محمد بن حنفیہ وغیرہ نے جو دوسری جگہ درج ہے، نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر ہے۔" (حاشیہ ص ۱۰۰)

فتح الباری وغیرہ کی عبارت منقولہ (۱) میں موجود ہے:

کہ یزید کے چچازاد بھائی امیر مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس جماعت کو یزید کے حالات معلوم کرنے کے لئے اہل مدینہ کی طرف سے بطور وفد کے دمشق روانہ کیا تھا اس وفد نے مدینہ منورہ واپس آکر یزید کے عیوب کو بیان کیا تھا اور شراب پینے کو اس کی طرف منسوب کیا تھا۔ تو کیا اس وفد نے یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت حاصل کئے بغیر ہی یہ بیان دے دیا تھا؟ یہ بیان آخر کیوں نا قابل قبول

ہے؟ مختلف احوال میں مختلف حالات کا دیکھنے والوں کے علم میں آجانا کیا کوئی ناممکن بات ہے؟ برادر حسین محمد بن حنفیہ نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال دیکھا ہوگا انہوں نے اس کو بیان کردیا دوسرے وقت میں اس کے دوسرے حالات ظاہر ہوئے تو اس کو دیکھنے والوں نے بیان کردیا اس میں تعارض وتخالف کی کیا بات ہے؟

حافظ ابن کثیر کی پوری عبارت کو نقل کرکے اس کے کسی حصے سے اختلاف ظاہر کیا جاتا تو یہ اور بات ہوتی اور عبارت میں قطع برید کرکے اس کے ایک حصے کو نقل کرنا اور دوسرے حصے کو حذف کرکے اس کو حافظ ابن کثیر کی طرف منسوب کرنا ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنا اور بددیانتی اور تلبیس سے کام لینا ہے۔

(۵) اکابر امت کی آراء کے تحت (۶) پر ابن حجر عسقلانی کی روایت سے اس واقعہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کسی نے یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کیا تو انہوں نے بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا۔''

حافظ ابن حجر نے اس واقعہ کو یحیٰی بن عبدالملک بن ابی عتبہ سے اور انہوں نے نوفل بن عقرب سے روایت کیا ہے۔ اس سند کے راوی یحیٰی بن عبدالملک کی توثیق ابن حجر نے ''احد الثقات'' کہہ کر کی ہے اور دوسرے راوی نوفل بن ابی عقرب کا ثقہ ہونا ''ثقہ'' کی تصریح کرکے بتلادیا ہے۔ مگر عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحیٰی بن عبدالملک ونوفل بن عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۹۴)

عباسی صاحب کا ان راویوں کو مجہول الحال کہنا ابن حجر کی توثیق کے باجود کیا وزن رکھتا ہے؟ یہ بھی قابل غور ہے۔

عباسی صاحب اس واقعہ پر عمل جراحی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تہذیب التہذیب'' میں امام ابن حجر عسقلانیؒ امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحیٰی بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جس کو وہ ''احد الثقات'' یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں یہ قول اپنی ہی

طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے امیر المؤمنین کہہ کر کیا تھا۔ (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۹۳)

عباسی صاحب کے مغالطات

(الف) حافظ ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' میں ایسے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں جو راوی حدیث نہیں ہوتا اور مقصد دو ہم ناموں میں اشتباہ کو دور کرنا ہوتا ہے۔ اس جگہ حافظ ابن حجر نے صحاح کے راوی یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز کرنے کے لئے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح خود حافظ موصوف نے فرمادی ہے۔ ''ذکرتہ للتمیز بینہ وبین النخعی'' میں نے یزید کا ذکر اس میں اور النخعی میں تمیز کرنے کے لئے کیا ہے۔

عباسی صاحب نے اس سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یزید بھی صحاح کا راوی ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت صرف یہ ہے جو حافظ صاحب موصوف کی زبانی ابھی لکھی گئی ہے۔

(ب) عبارات بالا میں عباسی صاحب نے اس قول کو یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ان کا ذکر ہی ''تہذیب التہذیب'' میں سرے سے نہیں ہے۔ البتہ یحییٰ بن عبدالملک بن غنیۃ الخزاعی ابوزکریا الکوفی کی روایت سے اس قول کو علامہ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں روایت کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔

(ج) جب ثقہ اور معتبر راویوں کے ذریعہ سے یہ واقعہ ثابت ہے تو اس بناء پر اس کے رد کرنے کی کوشش کرنی کہ عباسی صاحب کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا شرعی جرم نہیں ہے، کیسے درست ہوسکتی ہے؟

اگرچہ عباسی صاحب کے نزدیک یہ شرعی جرم نہیں ہے مگر خیر التابعین خلیفہ

راشد عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا ایسا شرعی جرم تھا جس پر انہوں بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔

(د) اس واقعہ کے نقل اور اس کے راویوں کی توثیق کرنے سے حافظ ابن حجر کے نزدیک یزید کی حیثیت اور اس کا مرتبہ واضح ہو رہا ہے۔ اسی سے اس کا ذکر رواۃ احادیث میں کرنے کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے اور خود علامہ ابن حجر نے تصریح کردی ہے۔ "ولیست لہ روایۃ تعتمد" اس (یزید) کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہے اور علامہ ذہبی نے یزید کے متعلق فرمایا ہے:

"(یزید بن معاویۃ) بن ابی سفیان الاموی روی عن ابیہ وعنہ ابنہ خالد وعبدالملک بن مروان مقدوح فی عدالتہ لیس بابل ان یروی عنہ وقال احمد بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنہ"

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۴)

یزید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبدالملک بن مروان نے روایت کی ہے، اس کی عدالت مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابن حجر اور علامہ ذہبی جیسے اسماء الرجال کے ماہرین نے جب یزید کو مجروح اور ناقابل اعتماد قرار دے دیا ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں عباسی کا ص ۹۴ پر یزید کے بیٹے خالد وغیرہ کی ان سے روایت کرنے کی وجہ سے اس کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش یزید کی بے جا حمایت ہے۔

(ہ) اور عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ: "مراسیل ابی داود میں ان (یزید) سے روایت ہے۔" اس کے بارہ میں علامہ ابن حجر کی عبارت اس طرح ہے: "ثم وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داود وقد نبہت علیہا فی الاستدراک"

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

عبارتوں کی قطع برید کرنے اور ان کے غلط ترجموں سے یزید کے مناقب اور محاسن ثابت کرنے کی اس دیانتدارانہ کوشش کے بارہ میں ہی کیا یہ کہا جارہا ہے کہ عباسی صاحب کی ''اس ریسرچ نے حقیقت سے پردہ اٹھادیا ہے؟''

حضرت حسینؓ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خیالات

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب نے چونکہ اپنے خیالات کی ترجمانی کے لئے مستشرقین کا کندھا استعمال کیا ہے اور مرتبہ ناشناس غیر مسلموں کے نہایت ناشائستہ اور گھناؤنے الفاظ کو بغیر تنقید کے انہوں نے نہ صرف نقل کردیا ہے بلکہ بعض جگہ ان الفاظ کو قابل لحاظ قرار دے کر اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بھی ان کو پیش کیا ہے۔ اس طرح عباسی صاحب نے سیدنا حسین کی برملا تنقیص کرنے میں ان مستشرقین کی ہمنوائی اور موافقت کا ارتکاب کیا ہے، عباسی صاحب کے خیالات کی ترجمانی کے لئے ان کی حسب ذیل عبارات قابل لحاظ ہیں:

(۱) خلافت معاویہ ویزید کے ص ۱۲۵ پر مؤرخ دوزی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے ایک انوکھی لغزش اور خطاء ذہنی قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔''

عباسی صاحب نے اس کو نقل کرتے ہوئے قابل لحاظ قرار دیا ہے۔ لکھا ہے:

''مشہور مؤرخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارہ میں قابل لحاظ ہے۔''

(ص ۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ عباسی صاحب کے خیالات بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اسی طرح کے ہیں۔

(۲) ص ۱۹۵ پر مؤرخ دوزی کا درج ذیل فقرہ نقل کرتے ہوئے اس کو

برمحل قرار دیا ہے، مؤرخ دوزی کا یہ فقرہ بے محل نہ ہوگا۔ ''حسین نے حب جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور پر نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوتے رہے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔''

(۳) ص ۲۰۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں خلیفہ بنایا جائے۔''

(۴) ''حضرت حسین نسبی وخاندانی دعویٰ سے بے جا و بے محل خروج کرنے میں بقول مؤرخ ''الخضری'' ص ۲۳۵ ''عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔'' موجودہ دور تحقیق وریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کے لئے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکی ہیں اور یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت کے ان خروجوں نے جن کا سلسلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج سے شروع ہو کر ان کی اولاد میں صدیوں تک جاری رہا وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا۔'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۴۶۸)

ان عبارات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جس قدر گستاخانہ انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے وہ ہرگز کسی مسلمان کے لئے قابل برداشت نہیں ہوسکتا مگر بدقسمتی سے اس انداز تحریر کو تحقیق وریسرچ کے نام پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جارہا ہے اور خارجیت کے اس تلخ زہر کو ''تاریخی تحقیق'' کی چاشنی کے ذریعہ اہل سنت کے لئے قابل برداشت بنانے اور ان کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بدظنی کے اس نظریہ کی جس کو عباسی صاحب نے پیش کیا ہے اہل سنت والجماعت کے مسلک میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسلک اہل سنت کی رو سے اس کو روافض کے غلو اور افراط کے مقابلہ میں یقیناً خوارج کی تفریط اور خطرناک ضلالت اور سخت گمراہی کہا جائے گا۔

اہل بیتؓ کی محبت عین ایمان ہے

اہل سنت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت اور حسن ظن رکھنے کے ساتھ آپ کے اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بھی حسن ظن رکھنا اور ان کے ساتھ محبت کرنا عین ایمان ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبی قرابت قریبہ ہونے کے علاوہ صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے کسی طرح کی بدگمانی کا تصور کرنا اور حضرت موصوف کے بارہ میں ''حب جاہ اور باغی نیز بناوٹی ولی اللہ اور شیخی خور'' ہونے کا نظریہ رکھنا جیسا کہ اوپر کی عبارات سے عباسی صاحب کا یہی نظریہ ظاہر ہو رہا ہے، اس کو مسلک اہل سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ عباسی صاحب نے اپنی خارجیانہ ذہنیت اور باغیانہ خیالات کا مظاہرہ کیا ہے۔

حضرت حسینؓ کی صحابیت سے انکار

عباسی صاحب کی یہی ذہنیت ہے جو ''تحقیق وریسرچ'' کی آڑ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف میں شمار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

عرض مؤلف طبع سوم میں اگرچہ عباسی صاحب نے اس الزام کے جواب میں مغالطہ دینے کے لئے پہلے یہ لکھا ہے کہ: ''حضرت حسین کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا۔'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۲۴)

مگر اس پردہ برقرار نہیں رہ سکے اور اسی صفحہ پر اپنے مافی الضمیر کا اس طرح برملا اظہار کر دیا کہ:

> ''جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔'' (ایضاً ص ۲۴)

مگر یزید کے حامی عمر بن سعد کے بارہ میں عباسی صاحب بالکل دوسری طرح سوچتے ہیں اور حضرت حسین اور عمر بن سعد دونوں کے ہم عمر ہونے کے باوجود

عمر بن سعد کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن سعد اور حضرت حسین بن علی دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں۔''

(خلافت ص ۲۴۴)

پھر لکھا ہے: ''عمر بن سعد خود صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے۔''

(ایضاً ص ۲۳۰)

جس سن وسال میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عباسی صاحب کے نزدیک اسی سن وسال میں عمر بن سعد رضی اللہ عنہ صحابیت کے شرف سے بھی مشرف ہیں اور زمرہ صحابہ میں بھی شامل ہیں۔ اب اس کو عباسی صاحب کی خارجیانہ ذہنیت کے مظاہرہ کے سوا اور کیا نام دیا جائے؟

حضرت حسینؓ کی شہادت سے انکار

عباسی صاحب یزید کے خلاف حضرت حسین کے اس اقدام کو چونکہ ''ناجائز خروج'' سمجھتے ہیں، اس لئے وہ حضرت حسینؓ کے شہید ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ عباسی صاحب نے اپنی دوسری کتاب ''تحقیق سید وسادات'' میں لکھا ہے:

''حضرات حسنین کے ذکر میں ایک صاحب (حسن) کے بعارضہ ذیابیطس کے وفات پانے اور دوسرے صاحب (حسین) کے سیاسی جھگڑوں میں مقتول ہوجانے کو ایک فرقہ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر قتل فی سبیل اللہ سے تعبیر کرنا حقیقت سے قطعاً بعید ہے۔''

(تحقیق سید وسادات ص ۲۹۶)

اور لکھا ہے:

''حضرت حسین کی اور ان کے عزیزوں اور بعض ساتھیوں کی عزیز جانیں تو طلب خلافت کے خروج میں اور ہم عصر مسلمانوں کے ساتھ آویزش میں ہی تلف ہوئیں، کربلا کی وضعی داستانوں میں ان کی موت کو شہادت عظمیٰ کا درجہ دیا جاتا ہے، شہید تو وہی ہے جو دین کی حمایت اور

کفار کے مقابلہ میں اپنی جان قربان کرے ایسی شہادت قتل فی سبیل اللہ تو رسول اللہ ﷺ کے نواسوں میں آپ کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابوالعاص کی تھی۔'' (ص ۲۹۴)

اوراس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے صفحہ ص ۲۴۰ پر بھی لکھا ہے:

''حضرت حسین اوران کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن وملال کے تاثرات پیدا کرتا ہے۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو سیاسی جھگڑوں میں قتل اور طلب خلافت کے خروج میں جان تلف اور ضائع ہونے سے تعبیر کرنا یہ مسئلہ کا کس قدر غلط اور جانبدارانہ جائزہ اور توہین آمیز نظریہ ہے وہ کسی اہل علم وفہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حضرت حسنؓ کی وفات

محقق عصر عباسی صاحب نے ''تحقیق سید وسادات'' کی عبارت بالا میں تو لکھا ہے کہ حضرت حسن نے بعارضہ ذیابیطس وفات پائی، مگراس سے قبل ص ۲۹۴ کی عبارت میں لکھا ہے: ''حضرت حسن نے بعارضہ تپ محرقہ چالیس دن بیمار رہ کر وفات پائی تھی۔'' اور خلافت معاویہ ویزید کے ص ۱۴۲ پر لکھا ہے: ''۴۸ھ میں حضرت حسن نے وفات پائی۔ آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ زہر خورد نی سے جو محض غلط مشہور ہے۔''

یہ ہے تحقیق محقق عصر کی کہ کہیں کچھ لکھ دیا کہیں کچھ لکھ دیا۔

اوپر کے اقتباسات سے عباسی صاحب کا نظریہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امام حسینؓ محض نواسہ رسول اور فرزند علیؓ ہونے کی حیثیت سے ہی خلافت کے استحقاق کا دعویٰ فرماتے تھے، دوسری کوئی بات موجب فضیلت اور باعث منقبت ان کے نزدیک حضرت موصوف میں نہیں پائی جاتی تھی اوران کے نزدیک حضرت موصوف کا یزید کے خلاف یہ اقدام بھی بے جاو بے محل ناجائز خروج قرار پاتا ہے اسی لئے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کی بجائے سیاسی مقتول سمجھتے ہیں اور چونکہ وہ حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان فضائل ومناقب کے بھی مستحق ومصداق نہیں ہیں جو قرآن وحدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ثابت ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات عالیہ سے روگردانی اوراعراض کرنے کا جواز عباسی صاحب کے ہاتھ کیسے آ گیا جن سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل کا ثبوت ان کے نام کی تصریح کے ساتھ ہو رہا ہے۔

ایک حدیث میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا محبوب بھی فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے آپ کی محبوبیت کے لئے دعا بھی فرمائی ہے۔

حدیث ترمذی میں ہے:

"فقال هذان ابنای وابنا ابنتی اللهم انی احبهما فاحبهما واحب من یحبهما" (ص ۲۱۷ قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: حسن وحسین یہ دونوں میرے بیٹے، میری بیٹی کے بیٹے، اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو اپنا محبوب بنا اور جو ان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت کر۔

اس طرح کی احادیث کا عباسی صاحب کے نزدیک آخر کیا مطلب ہے؟ کیا خدا اور رسول کے محبوب (حضرت حسین) کی سیرت ایسی ہی تھی جس کا نقشہ عباسی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، تعصب کی انتہاء ہے کہ یزید کی طرفداری میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مسلک ومؤقف کو مسخ کرنے اور آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑنے کے لئے پورا زور لگا دیا گیا ہے۔ کیا یہ وہی حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہونے کی بشارت نام لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی مگر افسوس کہ سرداری جنت کی یہ حدیث بھی عباسی صاحب کے نزدیک وضعی ہے۔ (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا)

اسی طرح "لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة" کا مصداق امراء بنی امیہ کو بتاتے ہوئے بھی عباسی صاحب سخت تعصب کا شکار ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان خلفاء میں خلفاء راشدین کو شمار نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک سب سے

پہلے خلیفہ جو اس حدیث کے مصداق ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، پھر آگے چل کر تو حد ہی کر دی کہ امراء بنی امیہ کی تعداد بارہ کے بجائے جب چودہ بن گئی تو آخری امیر کو تو اس لئے اس میں شمار نہیں کیا کہ اس پر حکومت بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کے باوجود بھی بارہ کے بجائے تیرہ امراء رہے تو درمیان سے امت محمدیہ کے مجدد اور عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے خلیفہ راشد کو بھی ان خلفاء کی فہرست سے پوری بے دردی کے ساتھ خارج کر دیا گیا جن کے زمانہ میں اسلام کے طاقتور اور مضبوط رہنے کی پیشین گوئی اس حدیث مذکور "لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة" میں دی گئی ہے۔

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ ناروا سلوک

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ بے جا سلوک ان کی کتاب میں کئی جگہ ملے گا۔ مثلاً:

(۱) ص ۲۴۴ پر صحیحین کی حدیث کو اس لئے "محل نظر" قرار دے دیا کہ اس کی رو سے عمرو بن سعد زمانہ نبوی کا مولود ثابت نہیں ہوتا اور عباسی صاحب کو یہ ثابت کرنا تھا کہ عہد نبوی کا مولود ہے۔

(۲) نیز ص ۴۰۵ پر ابوداؤد وغیرہ صحاح کی حدیث "خلافة النبوة ثلثون سنة ثم یوتی اللہ الملک من یشاء" (ابوداؤد ص ۲۵۹) کو وضعی ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ وہ عباسی صاحب کے نقطہ نظر کے بالکل خلاف ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تمام ائمہ رجال کے نزدیک ایک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ ہیں، منکر الحدیث ہیں، یہ حدیث حشرج سعید بن جمہان مصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور حضرت سفینہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا، ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے، پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات ہوئی انہوں نے یہ حدیث ان سے کب سنی اور کہاں سنی۔ (ص ۴۰۵)

حالانکہ ابوداؤد کی حدیث مذکور میں سعید بن جمہان سے حشرج کی بجائے سلیمۃ الوارث بن سعید روایت کرتے ہیں۔ ابوداؤد کی سند میں یہ حشرج نہیں ہیں اور بخاری کی تاریخ صغیر ص ۹۷ پر سعید بن جمہان سے حضرت سفینہ سے ملاقات کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔

(۳) ص ۱۳۶ پر حدیث "لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین" کی صحت میں شک وشبہ کا امکان مان لیا ہے۔

(۴) اسی طرح ص، ۲۵ پر لکھ دیا: "مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور "البدایہ والنہایہ" میں بھی ان (عائشہ) کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور ﷺ کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔"

حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان بخاری شریف میں موجود ہے کہ نکاح کے وقت میری عمر چھ سال کی تھی اور خلوت صحیحہ کے وقت نو برس کی "قالت تزوج النبی ﷺ وانا بنت ست سنین (الی) فاسلمنی الیہ وانا یومئذ تسع سنین" (بخاری ج ۱ ص ۵۵۱) بخاری میں ہونے کے باوجود بھی مؤلف ان روایتوں کے راویوں کو "وضاع" کہہ رہے ہیں۔

مؤلف کی ایک دوسری کتاب

اس جگہ یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب کی ایک دوسری تالیف "تحقیق سید وسادات" کے بھی چند اقتباسات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے جائیں کیونکہ ان سے ان کا نظریہ احادیث کے متعلق معلوم کرنے میں مدد ملنے کے علاوہ عباسی صاحب کے دوسرے، عقائد کا علم بھی ہوگا اور یہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ وہ بھی منکرین حدیث کے گروہ کی طرح احادیث کو مجروح اور زخمی کرنے میں بڑی بے باکی اور جرأت سے کام لیتے ہیں اور اپنی غرض ومقصد کے خلاف دیکھ کر جس حدیث کو چاہتے ہیں موضوع قرار دے دیتے ہیں۔ دراصل عباسی صاحب کا

نقطہ نظر احادیث کے متعلق بالکل وہی ہے جو منکرین احادیث کا ہے۔

۸ رلاکھ ۹۳ رہزار دوسواکتیس حدیثوں کو وضعی جعلی اور مہمل قرار دینا

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''احادیث کی سب سے پہلی کتاب الموطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ میں نہ مناقب کی حدیثیں ہیں اور نہ جنت کی سرداری کی، امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم ۲۶۱ھ نے صحیحین میں جوانان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث نہیں لی، حالانکہ ان دونوں ائمہ حدیث نے تقریباً نولاکھ حدیثوں کے انبار میں سے جوان حضرات نے جمع کیا تھا صرف دوہزار سات سواکسٹھ حدیثیں اپنے اصول پر منتخب کیں باقی آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دوسواکتیس کو وضعی وجعلی اور مہمل قرار دے کر رد کر دیا۔''

(ص ۲۴۳، ۲۴۴)

عبارت بالا میں عباسی صاحب نے آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دوسواکتیس حدیثوں کو کس بے دردی سے وضعی وجعلی اور مہمل قرار دے دیا اور پھر کس دیدہ دلیری سے امام بخاری اور امام مسلم کی طرف غلط طور پر یہ بات منسوب کر دی کہ ان دونوں اماموں نے حدیثوں کی اتنی بڑی مقدار کو وضعی وجعلی اور مہمل قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جن احادیث کو اپنی اپنی صحیح میں روایت نہیں فرمایا ان سب کو کہیں بھی وضعی وجعلی اور مہمل قرار نہیں دیا، یہ عباسی صاحب کا ان بزرگوں پر محض افتراء اور خالص بہتان ہے، جس کا ان کے پاس کچھ ثبوت نہیں ہے، بلکہ امام بخاری سے منقول ہے: ''قال البخاری ما اوردت فی کتابی ھذا الا ما صح ولقد ترکت کثیرا من الصحاح'' (مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ دہلوی اور مقدمہ بخاری شریف محدث سہارنپوری)

''امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو میں نے ترک کر دیا ہے۔''

اسی طرح امام مسلم کا قول ہے:

"قال مسلم الذی اوردت فی هذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ما ترکت ضعیف"

"جو حدیثیں میں نے اس کتاب میں نقل کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ جو احادیث میں نے چھوڑ دی ہیں وہ ضعیف ہیں۔"

مقدمہ مشکوۃ میں لکھا ہے کہ:

"ان البخاری و مسلما لم یحکما بانه لیس احادیث صحیحة غیر ما خرجاه فی هذین الکتابین

یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے یہ حکم کہیں نہیں لگایا کہ جن حدیثوں کو انہوں نے اپنی دونوں کتابوں میں روایت نہیں کیا وہ صحیح نہیں ہیں اور امام بخاری سے یہ بھی منقول ہے کہ:

"انه قال حفظت من الصحاح مائة الف حدیث و من غیر الصحاح مائتی الف" (مقدمہ مشکوۃ)

ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں میں نے یاد کی ہیں۔

جب ایک لاکھ حدیثیں امام بخاری کو ایسی یاد تھیں جو صحیح تھیں تو پھر وہ صحیح بخاری میں درج شدہ حدیثوں کے علاوہ دوسری حدیثوں کو جعلی اور موضوع کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور خود مسلم شریف میں ہی امام مسلم نے فرمایا ہے: "قال لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ہٰهنا انما وضعته ہٰهنا ما اجمعوا علیه" (ص ۴۴ صحیح مسلم) یہ بات نہیں کہ میرے نزدیک جو بھی (حدیث) صحیح ہے اس کو میں نے اس جگہ لکھ دیا ہے۔ یہاں صرف وہ (حدیثیں) لکھی ہیں جن پر اجماع ہے۔

عباسی صاحب کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بخاری و مسلم کی احادیث کو تو معتبر مانتے ہیں اور ان کے علاوہ سب احادیث کو "جعلی، وضعی اور مہمل" قرار دیتے ہیں، مگر دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) منتخب حدیثوں کی جو تعداد اوپر انہوں نے بتلائی ہے اس سے پھر یہ بات مشکوک ہوگئی۔ کیونکہ صرف صحیح بخاری ہی میں غیر مکرر احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں بھی چار ہزار کے

قریب احادیث ہیں۔

مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ دہلوی میں ہے: "ومبلغ ماوردنی ہذاالکتاب مع التکرار سبعة آلاف ومائتان وخمس وسبعون حدیثاً وبعدحذف التکرار اربعة آلاف" اسی طرح مقدمہ بخاری للشیخ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری میں ہے اور مسلم شریف کے مقدمہ کے متعلق "فتح الملہم" میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال الجزائری واماصحیح مسلم فجملةمافیه باسقاط المکررنحو اربعة آلاف حدیث" (مقدمہ ص ۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کی بھی سب حدیثیں عباسی صاحب کو مسلم اور قبول نہیں ہیں بلکہ ان میں سے صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ حدیثیں ان کے نزدیک معتبر ہیں، باقی سب غیر معتبر ہیں۔

عباسی صاحب نے ص ۲۴۴ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: "بخاری کی اصل احادیث کی تعداد ۲۷۶۱ ہے اور مکررات کے اعتبار سے ۷۲۷۰ ہے، ہم نے شمار اصل احادیث کا کیا ہے۔"

اس حاشیہ کے تو یہ معنی ہوئے کہ سوائے بخاری کے ان کے نزدیک مسلم شریف کی احادیث بھی "وضعی جعلی اور مہمل" ہی قرار پائیں، کیونکہ دو ہزار تین سو چھبیس (۲۳۲۶) حدیثیں تو ایسی ہیں کہ جن کی روایت میں بخاری اور مسلم دونوں شریک ہیں۔

مقدمہ مشکوٰۃ میں ہے: "مجموع الاحادیث المتفقةعلیہماالفان وثلثمائة وستة وعشرین" تو اب متفق علیہ احادیث کی تعداد کے علاوہ تقریباً چار ہزار احادیث میں سے مسلم شریف کی چار سو پینتیس (۴۳۵) حدیثیں عباسی صاحب قابل اعتبار سمجھتے ہیں باقی ہزاروں حدیثیں مسلم شریف کی بھی "جعلی وضعی اور مہمل" قرار دیتے ہیں۔ استغفراللہ العظیم!

عباسی صاحب کا بخاری شریف کے ساتھ سلوک

اس کے علاوہ بخاری شریف میں حضرت فاطمہؓ کے متعلق حدیث "سیدة نساء اہل الجنة" موجود ہے مگر عباسی صاحب کا نظریہ اس کے بارہ میں یہ ہے کہ:

''خاتونان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث اس عنوان کے تحت اسناد کے ساتھ درج نہیں ہے۔ابواب کی فہرست میں صرف یہ الفاظ ہیں ''باب مناقب فاطمة'' مگر مطبوعہ نسخہ میں اس عنوان کے ساتھ ''قال النبی ﷺ فاطمة سیدة نساء اہل الجنة'' بغیر اسناد کے لکھ دیا ہے۔ حالانکہ امام بخاری ہر حدیث کی اسناد درج کرتے ہیں۔ شاید اس نسخہ کے کاتب کا یہ اضافہ ہو۔ (ص ۲۴۹)

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث پر وضعی ہونے کا حکم لگانا

آگے چل کر ص ۲۵۲ پر تو صاف طور سے ہی اس کے موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''کہنا یہ ہے کہ: ''مصباح الظلم'' کے مؤلف نواب امداد امام صاحب نے ''سیدا شباب اہل الجنة اور سیدة نساء اہل الجنة'' کی وضعی حدیثوں ہی کی بناء پر ''خلعت سیادت'' کا دربار خداوندی سے مرحمت ہونا بیان کیا ہے۔''

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث سے استہزاء اور تمسخر

مزید برآں عباسی صاحب ''بخاری شریف'' کے ''باب علامات النبوة فی الاسلام'' سے دو روایتوں کو نقل کر کے ایک جگہ اس کے مضمون پر اس طرح استہزاء اور تمسخر کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''پھر حدیث بیان کرنے والے نے حضرت فاطمہؓ کے منہ سے کہلوایا میں روئی تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم تمام جنت والی عورتوں کی یا یہ فرمایا کہ تمام مسلمانوں کی سردار ہوگی، پس اس وجہ سے میں ہنسی۔ پہلی میں ہنسنے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ آپ کے قرابت داروں میں سے پہلے وہی عالم ارواح میں آپ سے ملیں گی اور دوسری میں سبب ہنسنے کا خاتونان جنت کی سرداری کی بشارت بتایا گیا ہے۔

راوی نے کسی حدیث میں یہ نہیں بتایا کہ حضرت فاطمہؓ کی جو تین سگی بہنیں ان سے پہلے عالم ارواح میں پہنچ چکی تھیں وہ ان سے پہلے اپنے والد ماجد سے کیوں نہ ملیں گی۔" (ص ۲۴۹)

مگر عباسی صاحب کو کون سمجھائے کہ مفارقت کے سبب صدمہ زندوں کو ہوا کرتا ہے اس لئے ان کو ہی ملاقات کی خوشخبری سے تسلی دینے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ وفات شدہ کو۔ اس حدیث کا روئے سخن زندہ قرابت داروں کی طرف ہے۔ باقی رہا حضرت فاطمہؓ کے ہنسنے کا سبب تو حدیث میں جن دو سببوں کا تذکرہ ہے وہ دونوں سبب ہو سکتے ہیں اور دونوں میں بڑی مناسبت ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو اپنے بعد جلدی ملاقات کے مژدہ کے ساتھ خاتون ان جنت کی سرداری کی خوشخبری بھی سنادی۔ مگر عباسی صاحب ایک کو دوسرے کے منافی سمجھ کر رد کرنے کے درپے ہیں۔

ترمذی شریف کے متعلق

عباسی صاحب ترمذی شریف کے بارہ میں بھی ایک جگہ رقمطراز ہیں:

"سیداشباب اھل الجنۃ" کی حدیثیں بھی امام بخاری اور امام مسلم نے یقیناً زمرہ موضوعات میں قرار دے کر صحیحین میں درج نہیں کیں اور نہ بعد میں کسی وراق کو اندراج کا موقع ملا، امام بخاری کی وفات سے تقریباً ۲۴ برس بعد محدث ابوعیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں البتہ درج کر دیں۔ (ص ۲۴۴)

لیکن امام بخاری اور امام مسلم "سیداشباب اھل الجنۃ" کی حدیث اپنی اپنی صحیح میں درج بھی کر لیتے تو کیا عباسی صاحب سے یہ امید تھی کہ وہ اس کو تسلیم کر لیتے اور اس کو اپنی "تحقیق وریسرچ" کی خراد پر چڑھا کر وضعی نہ قرار دیتے جیسا کہ انہوں نے حدیث: "سیدۃ نساء اھل الجنۃ" کو باوجودیکہ وہ بخاری میں موجود ہے وضعی قرار دے دیا۔

عباسی صاحب کی یہ بھی عجیب تحقیق وریسرچ ہے کہ امام بخاری المتوفی

۲۵۶ھ اور محدث ابوعیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی وفات کے زمانہ میں ۲۴ سال کے فرق ہونے سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ترمذی نے یہ وضعی حدیثیں امام بخاری کی وفات کے تقریباً ۲۴ رسال بعد اپنی کتاب میں درج کرلیں۔ حالانکہ محدث ابوعیسیٰ محمد ترمذی نے اپنی کتاب جس میں یہ حدیث درج ہے، ان کی اپنی وفات سے..... برس پہلے تالیف کرلی تھی۔

ناظرین کرام! غور فرمائیں گے کہ مؤلف نے بخاری شریف کی حدیث: "سیدۃ نساء اھل الجنۃ" کے ساتھ کیا روّیہ اختیار کیا ہے؟ ایک جگہ تو اس کے بغیر اسناد تعلیقاً روایت ہونے پر اس کے متعلق یہ حکم صادر کردیا کہ وہ کاتب کا اضافہ ہے۔ حالانکہ تعلیقات بخاری بھی محدثین کے نزدیک حکم میں متصل کے ہیں مگر عباسی صاحب کو محدثین سے کیا۔ غرض اوران کے اصولوں سے انہیں کیا واسطہ ہے اور یہ بھی تو دیکھئے کہ اس اضافہ پر انہوں نے کون سی دلیل بیان کی ہے؟ کیا بخاری کے کسی دوسرے نسخے میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں؟

اوراب تک جب کسی محدث اورشارح نے اس پر تنبیہ نہیں فرمائی کہ یہ اضافہ ہے تو اس کو اضافہ کیسے کہا جاسکتا ہے، اس طرح تو ہر جگہ اضافہ کا احتمال ہو کر پوری کتاب سے ہی اعتماد اٹھ جاتا ہے، مگر اب آ کر غلطی کی اصلاح کی تو عباسی صاحب نے کی، جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ بخاری میں تعلیقات بھی ہوتی ہیں بلکہ وہ تعلیق (بغیر اسناد کے ذکر کرنے) کو کاتب کا اضافہ سمجھتے ہیں۔

بریں علم ودانش بباید گریست

اس طرح تو بخاری شریف میں بہت جگہ اضافات ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ اس میں تعلیقات بھی کثرت سے ہیں۔

طرفہ تماشا یہ کہ دوسری جگہ جب بخاری شریف میں ہی یہ حدیث سند کے ساتھ آئی ہے تو اس کو تمسخر اور استہزاء کے ساتھ رد کردیا اور ص ۲۵۲ پر تو اس کو صاف طور سے وضعی حدیثوں میں شمار کرلیا جیسا کہ اوپر گزرا۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری شریف کے ص ۵۱۲ پر یہ حدیث: "سیدۃ نساء

اھل الجنۃ" اسناد کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے۔ پھر ص ۵۳۲ پر اس کو بخاری نے تعلیقاً بغیر اسناد کے ذکر کر دیا ہے۔ کیونکہ بخاری کا طریقہ ہے کہ وہ کسی حدیث کو بغیر اسناد کے ذکر کر دیتے ہیں، جس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث معلوم ہے اور اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ مقدمہ بخاری میں ہے:

"وقد یذکر المتن بغیر اسناد وقد یورد معلقاً وانما یفعل ہذا لانہ اراد الاحتجاج للمسألۃ التی ترجم بہا واشار الی الحدیث لانہ کان معلوماً وقد یکون مما تقدم وربما تقدم قریباً" (ص ۵)

کبھی متن کو بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں اور کبھی تعلیقاً اور یہ اس لئے کہ وہ مسئلہ مترجم بہا پر دلیل کے طور پر اس کو ذکر کرتے ہیں اور حدیث کی طرف بھی اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

عباسی صاحب کا التحیات کے بعد درود شریف کا اور ہر درود میں آل محمدؐ کے ہونے کا انکار کرنا

ایک اور جگہ اپنی اس تحقیق "سید وسادات" میں عباسی صاحب لکھتے کہ:

"درود میں خواہ تشہد کا ہو یا عام درود آل محمد کا شمول عہد صحابہ میں ثابت نہیں۔"

(ص ۲۸۲)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اسی طرح دیگر صحابہ ابو ہریرہ، ابوموسیٰ الاشعری، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، نیز ام المؤمنین (حضرت) عائشہؓ کے تشہدات بھی کتب احادیث میں درج ہیں۔ مروجہ درود ان میں سے کسی میں شامل نہیں۔ کیونکہ اصلی درود تو خود التحیات ہی کی عبارت میں شامل ہے..... التحیات کا یہ درود "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کی صحیح صحیح تعمیل ہے۔ صحابہ آپ کی حیات میں یہی پڑھتے تھے جب آپ کی وفات ہوگئی ضمیر خطاب ترک کر کے "السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پڑھنے لگے۔" (ص ۳۱۱)

دیکھا! آپ نے التحیات کے بعد نمازوں میں: "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد" الخ! کے الفاظ سے جو درود شریف تمام امت مسلمہ پڑھتی ہے اور اس میں آل محمد کا کلمہ شامل ہے مگر عباسی صاحب کے نزدیک اس پر امت کے تعامل وتوارث کے باوجود اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اصلی درود تو التحیات ہی کے اندر "السلام علیک ایھا النبی" میں شامل ہے اور اسی سے عباسی صاحب کے نزدیک حکم خداوندی "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کی صحیح تعمیل ہوجاتی ہے۔ التحیات میں "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" سے "سلموا تسلیما" کی تعمیل کا ہوجانا تو واقعی امر ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ پر سلام عرض کیا جاتا ہے جس کا حکم "سلموا تسلیما" میں دیا گیا ہے۔ مگر اس سے "صلوا علیہ" صلوۃ عرض کرنے کی تعمیل کا بھی ہوجانا عباسی صاحب کا اپنا خود ساختہ اجتہاد ہے جو تمام امت مسلمہ کے خلاف ہے۔

حکم عرض صلوٰۃ کی تعمیل تو "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد" الخ! درود شریف کے پڑھنے سے ہی ہوگی۔ جیسا کہ تمام امت درود شریف کے ذریعہ تعمیل کرتی ہے۔ مگر عباسی صاحب کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ان کا اجتہاد تمام امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہے یا موافق ہے۔ اسی واسطے وہ ایک جگہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے اجماعی اور قطعی عقیدہ کے انکار کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

امام مہدی اور نزول عیسیٰ اور قتل دجال کا انکار

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

"ہمیں امامیہ (شیعہ) کے مہدی منتظر کی تردید وتکذیب سے تو یہاں بحث نہیں اور نہ عوام میں جو یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے، مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے۔ یہ باتیں بھی ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ قرآن شریف میں نہ تو مہدی کا ذکر ہے اور نہ نزول عیسیٰ کا۔"

(تحقیق سید وسادات ص ۲۰۸، ۲۰۹)

آپ کو معلوم ہوا کہ عباسی صاحب کو نہ صرف یہ کہ امامیہ کے مہدی منتظر کی تردید وتکذیب سے ہی بحث نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے اور مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کرنا بھی ان کے موضوع بحث سے خارج ہے ان کے نزدیک مہدی کے ذکر سے ہی نہیں بلکہ نزول عیسیٰ کے ذکر سے بھی قرآن کریم خالی ہے اور جس مسئلہ کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے عباسی صاحب اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ ''قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے'' تو عباسی صاحب کے نزدیک یہ بات عوام میں مشہور کر کھی ہے اس کی ان کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں، احادیث کے بارہ میں عباسی صاحب کا نظریہ منکرین حدیث پرویزی وغیرہ کے کس قدر مطابق ہے ناظرین کو اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، اس سے زیادہ اور کیا کہتے ہیں، پھر اب عباسی صاحب کے منکر حدیث ہونے میں کیا شبہ رہا؟

درود شریف میں آل محمدؐ کے انکار کی دلیل کا جواب

درود شریف میں آل محمد ﷺ کے ہونے کا انکار کرتے ہوئے اور اس کو اضافہ ثابت کرتے ہوئے عباسی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

''شرح مسلم میں ابومسعود انصاری کی حدیث جو پہلے درج ہو چکی ہے آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ: ''اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد'' کہو اس میں آل محمد کا اضافہ ہے اور راوی اس حدیث کا ابوعبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی ہے، اس کی دوسری حدیث الہیثمی کے ''مجمع الزوائد اور منبع الفوائد'' میں بھی ہے، ابوحاتم نے اس راوی کو کذاب کہا ہے، امام احمد فرماتے ہیں: ''احادیثہ کلھا موضوعۃ''

(میزان الاعتدال ج۱ ص۲۶۸، ص۵۸۲، تحقیق سید وسادات: ص، ۳۱۲)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

''مسلم شریف کی شرح میں ''النووی'' نے جو خود شافعی عالم تھے بدری صحابہ حضرت مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا تھا کہ صلوٰۃ آپ پر ہم کیسے کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو: ''اللھم صل علیٰ محمد'' اس میں آل محمد کا شمول نہیں تھا۔ چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک درود بس اسی قدر ہے اور آل محمد کا اس میں شمول کوئی چیز نہیں لیس بشیء''

(ص ۲۸۰)

اس کے متعلق گذارش ہے کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں ابومسعود انصاری کی حدیث کے تحت پہلے تو یہ لکھا ہے کہ تشہد (التحات) اخیرہ کے بعد درود شریف کے بارہ میں علماء کا یہ اختلاف ہے کہ بعض کے نزدیک درود شریف پڑھنا سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو ان کے نزدیک نماز ہی صحیح نہیں ہوگی، اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں کہ نماز میں تشہد کے بعد درود کے وجوب پر جو ہمارے اصحاب نے حدیث ابومسعود انصاری سے استدلال کیا ہے یہ استدلال اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک کہ اس حدیث کے ساتھ اس دوسری روایت '' کیف نصلی علیک اذانحن صلیناعلیک فی صلوتنافقال صلی اللہ علیہ وسلم قولوااللھم صل علی محمدوعلی آل محمد الخ'' کو نہ ملایا جائے کیونکہ اس روایت میں یہ بات صاف طور پر واضح کردی گئی ہے کہ یہ سوال نماز کے اندر درود شریف پڑھنے کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا اور یہ زیادتی ''اذانحن صلینا علیک فی صلوتنا'' جو اس دوسری روایت میں ہے اس کے متعلق بھی نووی نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے، ابوحاتم ابن حبان اور حاکم ابوعبداللہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں: ''والواجب عنداصحابنااللھم صل علی محمد ومازاد علیہ سنۃ'' ہمارے نزدیک واجب ''اللھم صل علی محمد'' ہے اور اس سے زیادہ سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ: "اللھم صل علی محمد" تک پڑھنا ان کے نزدیک نماز کے اندر واجب ہے اور "وعلی آل محمد" سے آخر تک پڑھنا سنت ہے، اب عباسی صاحب بتلائیں کہ وہ جو امام نووی کے ذمہ یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ وہ "آل محمد" کے شمول کو کہتے ہیں کہ یہ "کوئی چیز نہیں" ہے اس کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے؟ جس چیز کو امام نووی اگلی عبارت میں "لیس بشئی" فرما رہے ہیں اس کا تعلق تو "اللم صل علی محمد" کے بعد "آل محمد" کے بطور وجوب شامل کرنے سے ہے، یعنی یہ کوئی چیز نہیں کہ "آل محمد" کا پڑھنا بھی "اللھم صل علی محمد" کے بعد "آل محمد" کی طرح نماز کے اندر واجب ہے جیسا کہ ایک شاذ قول شوافع کا یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ علی محمد کی طرح صلوۃ علی ال آل بھی نماز میں واجب ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک واجب صرف "اللھم صل علی محمد" تک پڑھنا ہے اور "آل محمد" سے آخر تک پڑھنا سنت ہے اور وجوب صلوۃ علی ال آل کا قول شاذ ہے "ولنا وجہ شاذ انہ یجب الصلوۃ علی الآل ولیس بشیء" (ج ا ص ۱۷۵)

جب امام نووی نماز میں "آل محمد" سے آخر تک پڑھنے کو پہلی عبارت میں میں صراحۃً سنت فرما چکے ہیں تو پھر ان کے "لیس بشیء" فرمانے سے "آل محمد" کے اضافہ ہونے کا اور اس کے شمول کا کوئی چیز نہ ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ "اور ہمارا ایک شاذ قول یہ ہے کہ آل پر صلوٰۃ واجب ہے مگر یہ کچھ نہیں۔" حاصل یہ کہ شوافع کے نزدیک صلوٰۃ علی محمد تو بالاتفاق نماز میں واجب ہے اور صلوٰۃ علی ال آل کے نماز میں واجب یا سنت ہونے میں اختلاف ہے راجح اس کا سنت ہونا ہے، بعض نے اس کو بھی واجب کہا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صلوٰۃ علی ال آل کا نماز میں بعض کے نزدیک سنت سے بھی زائد درجہ واجب کا تو ثابت ہے، مگر "لیس بشیء" کسی نے نہیں کہا ہے۔

اب یا تو عباسی صاحب نے کم فہمی سے علامہ نووی کی عبارت کا مطلب خود ہی غلط سمجھا ہے یا پھر انہوں نے دیدہ دانستہ ناواقف لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

اب رہا عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ ''شرح مسلم میں ابومسعود انصاری کی حدیث جس میں: ''اللھم صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد'' کہنے کا حکم ہے۔اس میں ''آل محمد'' کا اضافہ ہے اور اس حدیث کا راوی ابوعبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی بن خطاف ہے اور وہ کذاب ہے۔''

سو شرح مسلم میں تو ہرگز اس حدیث کا راوی ابوعبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی بن خطاف نہیں ہے بلکہ اس میں اس حدیث کے راوی وہی ہیں جو ''خود مسلم شریف'' میں ہیں۔اس لئے کہ یہ حدیث ''صحیح مسلم شریف'' کی ہے اور اس کی سند ''مسلم شریف'' میں اس طرح ہے: ''حدثنا یحی بن یحی التیمی قال قرأت علیٰ مالک عن نعیم بن عبداللہ المجران محمد بن عبداللہ بن زید الانصاری عبداللہ بن زید ہو الذی کان رأی النداء بالصلوٰۃ اخبرہ عن ابی مسعود الانصاری الخ'' (ج ۱ ص ۱۷۵)

اس میں راوی مذکور کا کہیں بھی پتہ ونشان نہیں اب اگر کسی دوسری سند میں یہ راوی آیا بھی ہو تو اس حدیث کی صحت پر اس سے کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ جب کہ مسلم شریف کی سند میں یہ راوی نہیں ہے۔عباسی صاحب نے اس راوی کا پتا نہ معلوم کس کتاب سے لگایا ہے اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

دوسرے عباسی صاحب اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ یہ حدیث خود مسلم شریف میں موجود ہے اس سے وہ شاید یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی نہیں ہے کیونکہ اگر اس حدیث کا صحیح مسلم میں ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو لوگوں کی نظر میں اس حدیث کی وقعت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور درود شریف میں آل محمد کا ثبوت صحیح مسلم کی حدیث سے ہی ہو جاتا ہے اور پھر اس سے انکار کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اس لئے اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر کے اس کے وزن اور اس کی حیثیت کو کم کرنا منظور ہے۔اگر عباسی صاحب نظر اٹھا کر شرح مسلم کی اسی صفحہ پر اوپر دیکھ لیتے تو ان کو یہ حدیث مسلم شریف میں ہی نظر آ جاتی اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ مسلم شریف کی سند میں یہ مجروح راوی نہیں ہے

اور بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۰ پر بھی یہ حدیث مروی ہے اس کی سند یہ ہے:

"حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحکم قال سمعت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال لقینی کعب بن عجرة فقال الا اہدی لک ہدیة ان النبی ﷺ خرج علینا فقلنا یا رسول اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک فقال قولوا اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد الخ"

بخاری کی سند مذکور میں بھی یہ الحکم وہ مجروح راوی نہیں ہے بلکہ یہ الحکم بن عتبہ الکندی ہے ان کے بارہ میں امام نسائی اور ابن مہدی کا قول ہے کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں اور ابن معین اور ابوحاتم بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں "قال ابن مہدی الحکم بن عتبة ثقة ثبت... وقال ابن معین ابو حاتم والنسائی ثقة زاد النسائی ثبة الخ"

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳)

اس شخص کو دیکھ کر صحیحین کی اس متفق علیہ صحیح حدیث کو سند میں ایک مجروح روای کے ہم نام راوی کو دیکھ کر اور اس کی آڑ لے کر کس طرح لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے اور دلیری کے ساتھ اس کو رد کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ!

پھر عباسی صاحب صحیحین کی متفق علیہ روایت کو تو تسلیم کرنے کے دعویدار ہیں مگر اب اس متفق علیہ روایت کو تسلیم کرنے سے نہ معلوم کیوں گریز کر رہے ہیں؟ شاید اس لئے کہ حدیث ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔

"تحقیق سیدوسادات" کی مندرجہ اقتباسات سے عباسی صاحب کے خیالات وعقائد کا معلوم کر لینا آسان ہے کہ وہ کس نظریہ اور مکتب فکر کے آدمی ہیں کہ ان کے نزدیک احادیث رسول اور آل محمد اور تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا، نزول عیسیٰ، ظہور مہدی اور خروج دجال کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اصل موضوع کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی طرف رجوع

اب اس کے بعد ہم پھر اصل موضوع "کتاب خلافت معاویہ ویزید" کے

متعلق عرض کرتے ہیں کہ عباسی صاحب نے جو نظریہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اس کتاب میں پیش کیا ہے جس کا ذکر نمونۃً سطور بالا میں درج شدہ اقتباسات سے واضح طور پر سامنے آچکا ہے، کیا یہ نظریہ اہل سنت والجماعت کا نظریہ ہوسکتا ہے؟ اور کیا کسی بھی دینی عظمت و بزرگی رکھنے والی شخصیت کے متعلق کوئی شخص یہ نظریہ قائم کرسکتا ہے جو عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق قائم کیا ہے، اب اگر کسی کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اس لئے ان کی شان اقدس میں کسی گستاخی اور بے ادبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اور بات ہے ورنہ جو مسلمان بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا دینی پیشوا مانتا ہے اور جس قلب میں بھی ان کی عظمت و برتری کا عقیدہ موجود ہے وہ ہرگز عباسی صاحب کے ان مندرجات کو اہل سنت کے مسلک کے موافق نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی وہ ان کے نظریات سے اتفاق کرسکتا ہے۔

نزاع کی حقیقت

کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی ایک اہم بحث حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے نزاع کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔

اس بحث میں بھی عباسی صاحب نے حسب عادت بڑی افراط وتفریط سے کام لیا ہے ایک طرف تو انہوں نے یزید کی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے ایسے دعوؤں سے کام لیا ہے جن کا کوئی ثبوت وہ پیش نہیں کرسکے محض سخن پروری اور عبارت آرائی سے ہی ان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کیس کمزور کرنے کے لئے مستشرقین تک کا کندھا استعمال کرنا بھی انہیں گوارا ہے۔

عباسی صاحب نے اس نزاع میں یزید کی پوزیشن کو ''ولی عہدی'' کے وقت سے ہی مضبوط کرکے دکھلانا چاہا ہے اور یہیں سے افراط کا معاملہ بھی شروع کردیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''جہاں تک یزید کی اہلیت وقابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی۔''

مگر سب جانتے ہیں کہ سب کے نزدیک مسلم ہونے کا دعویٰ بالکل بے ثبوت ہے۔ اس کو بجز غلو اور افراط کے کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن عباسی صاحب نے اس پر بھی بس نہیں کیا اس سے بڑھ کر ہی لکھ دیا کہ:

''امیر یزید کی ولی عہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آئے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایک ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔''

ملت کی محبوبیت کا اتنا بڑا دعویٰ اور ثبوت کچھ بھی نہیں؟

عباسی صاحب نے حمایت یزید کے جوش میں غور نہیں کیا کہ بیعت لئے جانے کے جس غیر معمولی اہتمام کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور اس کو محبوبیت کا ثبوت بتانا چاہا ہے وہ تو الٹا اس محبوبیت کے خلاف ہی کچھ ثبوت فراہم کرتا ہے اور حقیقتاً اس اہتمام سے جو واقع بھی ہے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ بات محبوبیت عام کی تو کجا مسلمہ اہلیت کی بھی نہ تھی، بلکہ وقتی مصالح اور حالات کے تقاضہ کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقا کی ولی عہدی کی اس تجویز کو قبول فرمایا تھا۔

ولایت عہدی کی کارروائی سے حضرت امیر معاویہؓ پر الزام دینا درست نہیں

ولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام دینا درست نہیں مگر ولایت عہدی کی اس کاروائی پر جس کی تجویز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک کے بغیر ان کے بعض رفقا کی طرف سے ہوئی تھی اور انہوں نے اس وقت کے بعض مصالح کی پیش نظر اس کو قبول فرمالیا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کرنا اور ان کو اس پر الزام لگانا کسی طرح جائز نہیں ہے، اس لئے کہ خلیفہ کے بعد اس کے رشتہ دار کا جانشین مقرر کرنے کا عدم جواز کسی نص میں نہیں ہے، جانشین کی صلاحیت اور قابلیت پر اس کا دارومدار ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی اس تجویز کو اپنی

دانست میں امت کی بہتری کے لئے قبول فرمایا تھا اور یزید پر نیکی اور صلاحیت کا گمان فرما کر اس کو ولی عہد مقرر فرمایا تھا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اگر اس کی حالت بدلی اور بگڑی ہوئی ظاہر ہوئی تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی طرح کا الزام اور حرف نہیں آ سکتا۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

''اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کردے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے کیونکہ جیسا وہ اپنی زندگی میں سارے امور ومعاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلہ دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہئے ..... ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔'' (مقدمہ ص ۲۴)

عباسی صاحب کا ایک نکتہ

عباسی صاحب نے یزید کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے لئے ایک نکتہ یہ بھی پیدا کیا ہے کہ: ''حضرت حسین یزید کی ولایت عہد کے بعد بھی حضرت معاویہ کے آخری دم تک حسب معمول ہر سال دمشق جاتے اور عزیزوں کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم ہوتے اور گرانقدر وظائف وعطایا حاصل کرتے رہے۔'' اور یہ کہ: ''حضرت حسین کے خروج سے پہلے تک ان کے اور یزید کے تعلقات بہت خوشگوار اور انس ومحبت کے رہے۔''

مگر کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے اس کا کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کیا، یزید کے حق میں وہ بغیر کسی حوالہ کے ہی بات منوانے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آخری دم تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حسب معمول ہر سال دمشق جانا اور وظائف وعطایا حاصل کرنا اس سے حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کی بریت کا ثبوت تو ہوسکتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس ولایت عہد کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں سمجھتے تھے مگر ان کے ساتھ حسب معمول تعلقات رکھنے سے یزید کی پوزیشن کسی طرح مضبوط نہیں ہوتی۔

غرضیکہ عباسی صاحب نے یزید کی صفائی اور بے جا حمایت میں پورا زور صرف کر دیا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس کے خلاف اقدام کرنے کو ناجائز خروج اور بغاوت ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

حضرت حسینؓ کا موقف

حالانکہ اکابر امت کی آراء کے تحت ناظرین پر واضح ہو چکا ہے کہ یزید کے بارہ میں فسق و فجور اور شرب خمور کی نسبت عام طور پر شہرت کے اس درجہ پر پہنچ چکی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے بعض حضرات کو بھی یزید کے فسق و فجور کا یقین ہو چکا تھا، اسی وجہ سے حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف اقدام کیا تھا۔

یزید کے خلاف اقدام کا جواز

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام یزید کے خلاف ایسے وقت میں کیا تھا کہ اس وقت تک اس کی حکومت کو استحکام اور تسلط حاصل نہیں ہوا تھا اور صورت حال یہ تھی کہ نہ تو حجاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے اس کی بیعت کی تھی صرف شام کے لوگوں نے ہی عام طور پر یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا تھا اس وقت تک یزید کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ اوّل تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یزید کی ولی عہدی کے وقت اہل حل وعقد نے اس کی بیعت سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ دوسرے اگر اس وقت بیعت پر تمام اہل حل وعقد کا اتفاق بھی ہو جاتا تب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ حجت شرعیہ نہیں تھا اس لئے کہ جدید خلیفہ کے انتخاب کا جو حق اہل حل وعقد کو حاصل ہوتا ہے وہ خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد ہوتا ہے۔ ایک

خلیفہ کی زندگی میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے وہ حق ساقط نہیں ہوتا۔ اسی اصول کی بناء پر جب خلیفہ سلیمان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کو کافی نہیں سمجھا بلکہ خلیفہ سلیمان کی وفات کے بعد عام استصواب کے لئے فرمایا۔ جب سب اہل حل وعقد نے آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیا، تب آپ نے اس کو قبول کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی متصلاً تمام اہل حل وعقد کا یزید کی بیعت پر اتفاق نہیں ہوا تھا صرف شام کے لوگوں نے یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جب صورت حال یہ تھی کہ ابھی تک کل اہل حل وعقد کے اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے یزید کی حکومت پورے طور پر قائم ہی نہیں ہوئی تھی اور جو شخص (یعنی یزید) حکومت پر مسلط اور قابض ہونا چاہتا تھا اس کے فسق وفجور کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یقین تھا تو اس کے خلاف اقدام کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے۔

اب مؤلف صاحب اگر اس معقول وجہ سے اغماض اور چشم پوشی کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو ناجائز خروج اور بغاوت کہتے ہیں تو کہا کریں، مگر اہل سنت والجماعت اس اقدام کو صحیح اور جائز ہی کہتے ہیں۔

محمود احمد عباسی کے نزدیک چاہے کردار خلیفہ کی کوئی خامی یا برائی ایسی نہ ہو کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک کردار خلیفہ خامیوں سے ملوث اور برائیوں سے داغدار تھا تو کیا ان حالات میں ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے حتی المقدور روکنے کی کوشش کرنا ان پر فرض نہیں تھا؟ خصوصاً جبکہ ایسے اقدام کے جواز کے لئے مدعی خلافت کا نااہل ہونا یا ملت کے نقصان کا صرف اندیشہ ہونا ہی کافی ہے۔ اگرچہ مدعی خلافت صالح ومتدین ہی کیوں نہ ہو، فسق وفجور کا گمان ایسے اقدام کے جواز کے لئے ضروری نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں کہ حکومت ابھی تک قائم نہیں ہوئی تھی ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے روکنے کی کوشش کی جو ان کے خیال میں فسق وفجور اور بعض دیگر وجوہ کی بناء پر مستحق خلافت نہ تھا، ظاہر ہے کہ یہ اقدام

ایسے وقت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر فرض تھا خاص طور پر جب کہ انہیں اعوان وانصار کے بھی میسر آنے کی قوی امید تھی اور مددگاروں کے دعوتی خطوط کی کثرت سے ان کو ظن غالب بھی اپنی کامیابی اور مدمقابل کی مدافعت کا ہو چکا تھا۔

مزید برآں اس اقدام پر ان کو ایک یہ امر بھی مجبور کر رہا تھا کہ انہیں یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا جیسا کہ ''البدایہ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ بایں الفاظ نقل کیا ہے ''لان اقتل مکان کذا کذا، احب الی ان اقتل بمکۃ وتستحل بی'' (البدایہ ج ۸ ص ۱۶۵) حالانکہ خلافت کے قائم ہوجانے کے بعد بھی ہر ہر فرد کے ذمہ بیعت کرنا فرض نہیں ہوتا۔ فرض صرف اتنا ہے کہ کوئی فرد اطاعت سے سرکشی اور بغاوت نہ کرے، اب جب کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت نہ کرنے پر خوف قتل بھی تھا تو مدافعت عن النفس اور اپنی جان بچانے کی خاطر یہ اقدام اور بھی مؤکد ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا نظریہ بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موافق تھا۔ چنانچہ ''کامل ابن اثیر'' میں ہے:

''فقال لہ ابن الزبیر اما لو کان لی بھا مثل شیعتک لما عدلت عنھا ثم خشی ان یتھمہ فقال لہ اما انک لو اقمت بالجماعۃ ثم اردت ھذا الامر ھھنا لما خالفنا علیک وساعدناک وبایعناک ونصحناک الخ'' (کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۵)

ابن الزبیر نے ان سے کہا کہ اگر میرے ساتھ تیری طرح گروہ ہوتا تو میں کبھی عدول نہ کرتا، پھر وہ تہمت سے ڈرتے ہوئے کہنے لگے اگر آپ جماعت کے ساتھ رہتے پھر اس معاملہ کا ارادہ رکھتے تو ہم آپ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ تائید وبیعت اور خیر خواہی کرتے۔

مصالحت کی تین تجویزیں

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس اقدام کو اپنا شرعی فرض سمجھ کر ہی نکلے تھے، مگر

بعد میں جب معاونین (کوفہ میں بلانے والے وہ لوگ جنہوں نے آپؓ کو خطوط لکھے تھے اور آپؓ سے تعاون کا وعدہ کیا تھا، اُنہوں) نے بدعہدی کی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر (خوف اور لالچ میں) یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حکومتِ یزید کے (کوفہ میں) استحکام اور کامل طور پر اس کے قیام کا علم ہو گیا تو اس وقت آپ کے اس (کوفہ جانے کے) نظریہ میں بھی تبدیلی آ گئی اور آپ نے عبداللہ بن زیاد (یزید کے گورنر) کے مقرر کردہ فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے تین تجویزیں پیش کر دیں۔

(۱) مجھے مدینے واپس جانے دو۔ (۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تاکہ باقی زندگی کفار کے ساتھ جہاد میں گزار دوں۔ (۳) مجھے یزید سے ملنے دو میں خود اس کے ساتھ فیصلہ کر لوں گا۔

عمرو بن سعد نے اگرچہ ابن زیاد کو ان میں سے کسی ایک تجویز کے قبول کر لینے کا مشورہ بھی دیا تھا مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے ان تینوں مصالحتی تجویزوں کو رد کر دیا۔

ان خالص امن پسندانہ مصالحت کی تجویزوں کو مسترد کر کے ابن زیاد کا صرف (یزید کی) بیعت پر اصرار کرنا اور اس کے بغیر مصالحت کی کسی تجویز پر آمادہ ہی نہ ہونا خالص ظالمانہ اور سنگدلانہ رویہ تھا جس کو ابن زیاد وغیرہ عمال یزید نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیتؓ کے حق میں روا رکھا۔

سید الشہداء

شریعت اسلام کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتی کہ وہ اپنی جان اور اپنے اہل وعیال کو اپنے اختیار سے ظالموں کے قبضہ میں دے دے اور ذلت کی زندگی قبول کر لے اس لئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزت نفس اور کمال عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور مردانہ طریقہ سے ظالموں کا دفاع اور مقابلہ کر کے اپنی جان اور اہل وعیال کی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مقام شہادت حاصل کر لیا اور "من قتل دون مالہ وعرضہ فھو شہید" کے مصداق ثابت ہوئے۔

نیز حدیث: "سید الشہداء یوم القیمۃ حمزۃ بن عبدالمطلب ورجل قام الی امام جائر فامرہ ونہاہ فقتلہ" (للاوسط بضعف جمع الفوائد ج ۲ ص ۴۲۸) کے بموجب سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔

فائدہ

اس حدیث میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ سید الشہداء کا اطلاق ایسے شخص پر بھی کیا گیا ہے جو امام جائر کے مقابلہ میں شہید ہوئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقابلہ بلاشبہ امام جائر سے تھا، تو اب سید الشہداء کا اطلاق حضرت امام کے اوپر اسی حدیث کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے مطابق ہی ثابت ہوجاتا ہے، جس حدیث کے اوّل حصہ کی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہا جاتا ہے، اس سے یہ شبہ بھی دور ہوگیا جو بعض اہل علم کو پیش آیا کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لقب کسی صحابی کو عطا فرمایا ہے اس کا استعمال کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس بناء پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو سید الشہداء کہنا جائز نہیں۔ مگر اسی حدیث میں حضرت حمزہ پر سید الشہداء کے اطلاق کے ساتھ ایسے شخص پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے جو امام جائر کے مقابلہ میں شہید ہوجائے۔

درحقیقت شبہ مذکور حدیث کے صرف ابتدائی حصہ کے پیش نظر واقع ہوتا ہے ورنہ پوری حدیث کے ملاحظہ کر لینے کے بعد یہ شبہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ خود اس حدیث میں ہی تصریحاً سید الشہداء کا اطلاق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے شخص پر بھی لسان نبوت نے فرمایا ہے پھر اس لقب کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے کیا معنی ہوئے؟

لفظ امام

(فائدہ نمبر ۲) اسی طرح امام حسین کو امام کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں، اگرچہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی بیعت کے ذریعہ حکومت وخلافت میسر نہیں ہوئی اور اس اصطلاحی معنی کے اعتبار سے آپ امام نہیں تھے کہ آپ کو حکومت ملی مگر لفظ امام کا اطلاق مطلق دینی پیشوا کے متعلق بلانکیر شائع اور ذائع ہے۔ حتیٰ کہ محاورات شرعیہ عرفیہ میں یہ لفظ پیش نماز پر بھی بولا جاتا ہے اور اس کو امام کہا جاتا ہے اور اس کو عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''تحقیق سیدوسادات'' میں تسلیم کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''عام لغوی معنوں میں یہ لفظ امام تو محض امیر، خلیفہ، حاکم، مقتدا و پیشوا نیز حدیث وفقہ وغیرہ علوم میں مہارت تامہ رکھنے والے حتیٰ کہ پیش نماز کے لئے مستعمل ہے۔'' (ص ۳۰۵، سیدوسادات)

اور کسی نے اس کو اس وجہ سے منع نہیں کیا کہ اس سے شیعوں کی اس مصطلحہ امامت کا شبہ ہوتا ہے جس کے لوازم میں سے ان کے یہاں عصمت (گناہوں سے معصوم ہونا) ہے جو کہ اہل سنت کے نزدیک صرف انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کا خاصہ ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چونکہ یقیناً دینی پیشواء اور مذہبی مقتداء ہیں۔ اس لئے بایں معنی ان پر لفظ امام کا اطلاق بلاشبہ جائز ہے، مگر عباسی صاحب کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے اس لفظ امام کا استعمال گوارا نہیں ہے لکھتے ہیں:

''حضرت حسنؓ وحسینؓ جو نہ امیر تھے نہ حاکم اور نہ عالم حدیث وفقہ میں کوئی درجہ ان کو حاصل تھا، علاوہ ازیں نہ کسی جہاد میں امیر یا سپہ سالار ہوئے اور نہ امیر حج ہوئے اس لئے وہ اپنے زمانہ میں کبھی امام نہیں کہلائے۔ ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال جب کہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً شبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں حرام ہے اور ختم نبوت کے انکار کا مستلزم۔'' (تحقیق سیدوسادات ص ۳۰۵)

عباسی صاحب کی دھاندلی ملاحظہ ہو کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ حضرت حسنؓ سے بھی امیر وحاکم ہونے کی نفی کردی۔ حالانکہ حضرت حسن ۶ ماہ تک امیر وحاکم بھی رہے ہیں اور ان دونوں کے مذہبی مقتداء وپیشوا ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ہے اور اس اعتبار سے ان کو امام کہنے کا جواز بھی ثابت ہے اور اہل سنت اسی اعتبار سے ان

کو امام کہتے بھی ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سیدھی اور صحیح بات کو چھوڑ کر لفظ امام کے آخر میں علیہ السلام کا ضمیمہ ملا کر اور اس میں تشبہ بالروافض پیدا کر کے اس کو ناجائز ہی نہیں حرام بنا کر دم لیا، اچھا! ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال جب کہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً تشبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں، حرام ہے تو لفظ امام کا استعمال جب کہ نام کے آخر میں علیہ السلام نہ ہو تو اس وقت اس کا استعمال جو جائز تھا، اس کو ناجائز صورت کے ساتھ کیوں خلط کر دیا؟

باقی رہا یہ شبہ کے اس لفظ کے اطلاق میں مشابہت ہے شیعوں کے ساتھ یہ شبہ تشبہ اور تشابہ میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے حالانکہ دونوں میں بون بعید اور بہت فرق ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اہل بیت کا مرتبہ اہل سنت کے نزدیک جو کچھ ہے وہ معلوم ہے البتہ ان کو شیعوں کا اپنے اعتقاد کے موافق دوسرے حضرات صحابہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہ ہم سے افضل سمجھنا افراط اور غلو ہے لیکن اگر حب آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیعوں میں پائی جاتی ہے اور وہ اس میں غلو اور افراط سے کام لیتے ہیں یا یہ محبت آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی درجہ میں شیعوں کے ساتھ خاص سمجھی جانے لگے تو کیا اہل سنت والجماعت کو یہ رائے دی جائے گی کہ وہ حب آل نبی کو بھی چھوڑ دیں کیونکہ اس میں شیعوں سے مشابہت ہوتی ہے؟

یا یہ کہا جائے گا جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: ولنعم ماقال ؎

ان کان رفضا حب آل محمد

فلیشہد الثقلان انی رافضی

الغرض! عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ: ''حضرت حسینؓ کا یہ اقدام یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت ہے'' بالکل غلط ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس قائل کو اصول شرعیہ سے ناواقفیت کے ساتھ مستند تاریخی روایات سے بھی ذرہ بھر واقفیت نہیں ورنہ تاریخ صحیح پر نظر رکھنے والا شخص حضرت امام کے اس اقدام کو بغاوت کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتا، یا پھر عباسی صاحب کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وعناد اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو دیدہ دانستہ توڑ مروڑ کر ان سے

اپنا غلط مطلب نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ تفصیل بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام کسی قائم شدہ حکومت کے خلاف نہیں تھا جسے بغاوت کہا جاسکتا ہو، اس لئے کہ اس وقت تک نہ تو حجاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے بیعت کی تھی، مکہ، مدینہ، کوفہ اور اسی طرح کے دوسرے اسلامی مرکزی شہروں کے استصواب کے بغیر صرف اہل شام کا یہ مرتبہ نہیں تھا کہ وہ خلافت اسلامیہ کا گھر بیٹھے فیصلہ کر لیتے۔

حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد پر شبہ کا جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر اہل شام کی بیعت کے بغیر اس کا انعقاد کس طرح ہو گیا؟ کیونکہ آپ کی بیعت کرنے والا مہاجرین وانصار کا گروہ تھا جس کو یہ حق حاصل تھا کہ اس کے مشورہ سے ہی خلافت کا انعقاد ہو، مگر اہل شام کی یہ پوزیشن نہ تھی کہ استصواب رائے عامہ کے بغیر صرف ان کی بیعت سے حکومت مستحکم ہو جاتی اور حالت یہ تھی کہ ہر جگہ مخفی اور ظاہری طور پر ہر طرح سے یزید کی حکومت کے خلاف نفرت عام تھی، ایسی حالت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علم وفضل اور اپنے مرتبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری ان پر عائد ہو رہی تھی کہ نااہل لوگوں کو برسر اقتدار آنے سے روکیں اور جہاد کے میدان میں نکلیں خصوصاً جبکہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کی منتظر تھیں اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواستیں بھی ان سے کی جارہی تھیں۔

حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روکنے کی اصل وجہ

حضرات اہل بیتؓ کے جن افراد کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس اقدام سے روکنے کا ذکر عباسی صاحب نے کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرات یزید کے حسن کردار کی وجہ سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے جیسا کہ عباسی صاحب نے لکھا ہے بلکہ ان حضرات کی نظر کوفیوں کی بے وفائی پر تھی اور ان کا خیال تھا کہ اس آزمائش میں قدم رکھ کر اس سے عہدہ برآ ہونا بظاہر اسباب مشکل معلوم ہوتا ہے اور

اس برائی کے روکنے کے لئے جس طاقت کے مہیاء ہونے کی ضرورت ہے ان کے خیال میں وہ بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔

دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ اس وقت حالات ایسے ہیں کہ اس برائی کو اس کے مستحکم ہونے سے پہلے روکا جاسکتا ہے اور کوفیوں کے مواعید اور خطوط کی کثرت کے پیش نظر ان کو اطمینان اور غالب گمان اپنی کامیابی کا ہوگیا تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور مانعین میں یہی اجتہادی اختلاف حالات کے سازگار اور موافق ہونے یا نہ ہونے کے بارہ میں ہورہا تھا ورنہ حکومت یزید کے متعلق مدافعت کی تدبیر کے جواز سے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا موقف

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابل اہل عراق کا یہ اقدام کہ ان کو شہید کردیا محل انکار اور قابل اعتراض تھا چنانچہ "بخاری شریف" کی درج ذیل حدیث سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تأثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث بخاری شریف:

"عن ابن ابی نعم قال کنت شاہدالابن عمروسئلہ رجل عن دم البعوض فقال ممن انت؟ قال من اہل العراق قال انظروالی ہذا یسئلنی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی ﷺ وسمعت رسول اللہ ﷺ یقول ہما ریحانتای من الدنیا"

(بخاری ج ۲ ص ۸۸۶، ج ۱ ص ۵۳۰)

حضرت ابن ابی نعم فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے ان سے مچھر کو مارنے کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے دریافت فرمایا: تمہارا تعلق کس قوم سے ہے؟ اس نے جواب دیا میں اہل عراق میں سے ہوں۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو! یہ شخص مجھ سے مچھر کو مارنے کے بارے میں سوال کر رہا

ہے۔ حالانکہ یہ نواسہ رسول ﷺ کو قتل کر چکے ہیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسن وحسین میری دنیا کی بہار ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا مگر دوسری مصلحتوں کی بناء پر انہوں نے یزید سے بیعت کر لی تھی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جنہوں نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور مکہ مکرمہ میں اس کے خلاف اپنی حکومت قائم کر لی تھی ان کی شہادت پر جب شامیوں نے خوشی میں تکبیر کہی تو بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا: ''خدا کی قسم جن لوگوں نے ابن زبیر کی ولادت کی خوشی میں تکبیر کہی تھی وہ لوگ ان سے بہتر ہیں جو ان کے قتل پر خوشی میں تکبیر کہہ رہے ہیں۔'' (حاشیہ ابن کثیر ج ۳ ص ۵ بحوالہ البدایہ والنہایہ)

فسق یزید اور موقف صحابہ کرامؓ

عباسی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس موقف کو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا، اس کی دلیل قرار دیا ہے کہ:

''نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔'' (خلافت ص ۱۳۰)

مگر ان کی یہ دلیل حقیقت واقعیہ کے قطعاً خلاف ہے اس زمانہ کے سب بزرگ خواہ انہوں نے یزید سے بیعت بھی کر لی تھی مگر وہ بھی یزید کے فسق کے قائل تھے۔

اب رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یزید کے خلاف یزید کی نااہلیت اور اس کے فسق وفجور پر متفق ہونے کے باوجود اس کے خلاف اقدام نہ کرنا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حالات کے سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف اقدام کو مفید اور نتیجہ خیز نہیں سمجھا۔ اس لئے وہ اس کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ دوسرے حضرات نے اس اقدام کو مفید اور مثمر تصور فرمایا اس لئے وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا جو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں یزید کے خلاف اقدام کرنے کے بارہ میں رونما ہوا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حینئذ فی شانه فمنهم من رأی الخروج علیه ونقض بیعته من اجل ذٰلک کما فعل الحسین وعبداللہ بن الزبیر ومن اتبعهما فی ذٰلک ومنهم من اباه لما فیه من اثارة الفتنة وکثرة القتل مع العجز عن الوفاء به الخ"

(مقدمہ ۱۷۷)

اب جب یزید سے بداعمالیاں آزادانہ صادر ہونے لگیں تو اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف الرائے تھے بعض نے اس کے خلاف اٹھنے اور بیعت کو فسخ کرنے کا ارادہ کیا، جس طرح حضرت حسین وعبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم نے یا انہوں نے جو ہر دو اصحاب کے متبعین تھے اور بعض نے اس کے خلاف قدم اٹھانے کو خلاف مصلحت جانا اس خوف سے کہ کہیں فتنہ وفساد کی آگ نہ بھڑک اٹھے اور کشت وخون کا بازار نہ گرم ہو جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ اگر یزید کے خلاف قدم بھی اٹھایا تو اس کو نبھا نہ سکیں گے، الخ!

"واما غیر الحسین من الصحابة الذین کانوا بالحجاز ومع یزید بالشام والعراق ومن التابعین لهم فرأوا ان الخروج علی یزید وان کان فاسقًا لا یجوز لما ینشأ عنه من الهرج والدماء فاقصروا عن ذٰلک ولم یتابعوا الحسین ولا انکروا علیه ولا اثموه لانه مجتهد وهو اسوة المجتهدین" (مقدمہ ص ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام جو حجاز میں تھے یا یزید کے پاس شام وعراق میں تھے اور اسی طرح ان کے تابعین یزید پر خروج کو نامناسب جانتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا کیونکہ اس میں فتنہ وفساد وخونریزی کا خطرہ تھا۔ اسی لئے وہ اس سے بچے رہے اور حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا مگر یہ بھی نہیں کہ ان کو برا بتاتے یا ان کو گنہگار ٹھہراتے کیونکہ آخر آپ بھی تو مجتہد تھے اور مجتہدین کی یہی صفت ہے کہ ان کے اختلاف کو باعث گناہ نہیں سمجھا جاتا۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یزید کا ساتھ دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یزید متقی اور پارسا تھا بلکہ اس کو فاسق سمجھتے ہوئے فتنہ نزاع وجدال اور آپس کے خون خرابہ سے بچنے اور اس کو نتیجہ خیز نہ سمجھتے ہوئے اس اقدام میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عملاً ساتھ نہیں دیا تھا۔

اب عباسی صاحب کا اس کو یزید کے حسن کردار کی دلیل بنالینا ''تاریخی ریسرچ'' نہیں بلکہ تاریخ کی تکذیب ہے، اس لئے کہ اوپر تاریخ سے ثابت ہو چکا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے خلاف اقدام نہیں کر رہے تھے وہ بھی اس کو فاسق سمجھتے تھے اور یزید کے فسق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو رائیں نہیں تھیں۔

دونوں گروہ مجتہد تھے

حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں گروہ مجتہد تھے اپنے اپنے اجتہاد پر دونوں نے عمل کیا اس لئے نہ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر کوئی شرعی اعتراض ہوسکتا ہے نہ ہی ان دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کسی طرح کا الزام عائد ہوتا ہے جنہوں نے باہمی خون ریزی اور انتشار کے خطرہ کے پیش نظر اس اقدام میں عملاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔

چونکہ یزید کے خلاف اقدام کے قضیہ میں اجتہادی اختلاف کرنے کی گنجائش تھی اور اس میں کئی پہلو ایسے تھے کہ نیک نیتی کے ساتھ شرعاً اختلاف کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کے خلاف اقدام کیا تھا وہ بھی ان کا ایسا اجتہادی فعل تھا جو شرعاً درست تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے عملاً ان کا ساتھ نہ دے کر بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ظن غالب تھا کہ اس برائی کا ازالہ ہوسکتا ہے اور دوسرے حضرات کو اس کے خلاف ظن غالب تھا، دونوں

نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس معاملہ میں شرعاً دارومدار ظن غالب پر ہی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

"واما الحکم الشرعی فلم یغلط فیه لانه منوط بظنه وکان ظنه القدرة علی ذٰلک" (ص ۱۸۱)

رہا حکم شرعی تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی کیونکہ اس کا مدار آپ کے گمان پر تھا اور آپ کا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے۔

"والحسین فیها شهید مثاب وهو علی حق واجتهاد والصحابة الذین کانوا مع یزید علی حق ایضًا واجتهاد" (مقدمہ ص ۱۸۱)

اور حضرت امام شہید ہیں اور مستحق ثواب اور وہ اپنے اجتہاد پر ہیں اور حق بجانب اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم یزید کے ساتھ تھے وہ بھی چونکہ اپنے اجتہاد پر قائم تھے، اس لئے وہ بھی حق ہی کے پیرو مانے جائیں گے۔

علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"ولا یجب فی المبتدع الا اذا ظنوا القدرة علیه فان تحقیق القیام"

(نووی ج ۲ ص ۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ فسق ومعصیت کی وجہ سے کسی کے خلاف اقدام اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کو اس کے ازالہ پر قدرت کا ظن ہو اور یزید کے خلاف اقدام میں اختلاف کی بنیاد اس کا فسق اور عدم فسق نہیں تھا بلکہ اس کی مدافعت قدرت کا وجود اور عدم وجود تھا۔

اس کتاب کی ایک اور اہم تاریخی بحث

عباسی صاحب کو چونکہ یزید اور عمال یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی بہت فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اس لئے وہ ہر رطب ویابس اور کمزور سے کمزور بنیادوں پر بھی صفائی کی عمارت قائم کر لیتے ہیں۔

کربلا کا حادثہ فاجعہ بھی عباسی صاحب کی کتاب کی ایک اہم تاریخی بحث ہے اس میں بھی انہوں نے اپنی عادت کے موافق یزید اور عمال یزید کی طرف سے خوب خوب وکالت کا حق ادا کیا ہے اور جس طرح بھی ان سے بن پڑا اس حادثہ فاجعہ اور اس کے مظالم کی ذمہ داری سے ان کی بریت پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے اس بحث میں دو خاص دعویٰ جو عباسی صاحب نے کئے ہیں، ایک یہ کہ حادثہ کربلا سے پہلے اور پیچھے کے مظالم کی داستانیں سب وضعی ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حادثہ یزید اور عمال یزید کے قصد وارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گیا۔

حضرت حسینؓ کے سفر کا آغاز

وہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت حسین کا سفر ۸ رذوالحجہ کو نہیں ۱۰ رذوالحجہ کو شروع ہوا۔

ان کی بحث کمزور ہے تاہم یہ مان لینے کے بعد بھی کہ تاریخ روانگی ۱۰ رذوالحجہ ہی تھی۔ اس بات کی کوئی مضبوط دلیل ان کے پاس نہیں ہے کہ ۱۰ رمحرم سے پہلے قافلہ کربلا میں نہیں پہنچ سکتا۔

حسابی فارمولے اور عام تجربات کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس قافلہ کے حالات غیر معمولی اور خاص نوعیت کے تھے اور غیر معمولی حالات میں مہینوں کی مسافت ہفتوں میں اور ہفتوں کی دنوں میں طے کر لینے کے واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔

حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کرنا

عباسی صاحب اگرچہ حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کے لئے بھی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں مگر وہ نفی میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

کیسی الٹی بات ہے جو اس سلسلہ میں عباسی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ:

''عامل مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جب آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل ومرام لوٹ گئے تھے اس کے پاس ایسی کوئی فوج نہ تھی جس کے

تعاقب کا خوف وہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا۔'' (خلافت ص ۱۸۰)

حالانکہ عامل مکہ کے قاصدوں کا ناکام لوٹ جانا تو ایک ہوشمند آدمی کے لئے اس کا متقاضی تھا کہ سفر کے طے کرنے میں عجلت سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں آگے اور پیچھے دونوں طرف سے خطرہ بڑھ جانے کا قوی امکان تھا۔

گورنر مکہ کے پاس فوجی کارروائی یا پکڑ دھکڑ کی قوت کا نہ ہونا تو گورنروں کی ایسی بے بسی اور مجبوری کو تسلیم کر لینا عباسی صاحب کے سوا کسی اور کے لئے مشکل بات ہے۔

حسینی قافلہ کا بار بردار قافلہ پر قیاس کرنا

عباسی صاحب نے حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کر کے اس کو نہ صرف یہ کہ تمام قافلوں اور مسافروں کے زمرہ میں شمار کرنا چاہا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس کو بار بردار (بوجھ اٹھانے والے) قافلوں میں شمار کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس بحث میں سر رچرڈ ایف برٹن کے اس تجربہ کو وہ اپنا مشاہدہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں بوجھ سے لدا ہوا چل رہا ہو معمولی حالت کے وقت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل ہوتی ہے۔'' (خلافت ص ۱۸۵)

بوجھ سے لدا ہوا اور وہ بھی معمولی حالت کے وقت، اونٹ کی رفتار کو حسینی قافلہ کی رفتار کے لئے معیار قرار دے کر عباسی صاحب نے جس طرح اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کیا اس طرح کی زبردستی اور کھینچ تان ہی کو ریسرچ اور تحقیق کے نام پر پیش کر کے کربلا کے مظالم کی وضعیت کو ثابت کیا جا سکتا ہے؟

ایک بڑا خلا

اس بحث میں ایک بڑا خلا یہ بھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عمرو بن سعد کے درمیان ہونے والی جو گفتگوئیں مؤرخین نے نقل کی ہیں اور پھر عمرو بن سعد کی جو خط

وکتابت عمرو اور ابن زیاد کے درمیان ہونی بتائی گئی ہے، یہ گفتگوئیں اور خط وکتابت کربلا میں حسینی قافلہ کے پہنچنے کے بعد ہوئی اور ان میں ضرور کچھ وقت صرف ہوا ہوگا اور عباسی صاحب نے خود بھی ان گفتگوؤں اور خط وکتابت کی روایات کو تسلیم کرلیا ہے۔

اس طرح عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی تردید کا سامان خود ان کی تسلیم کردہ روایات سے ہی مہیا ہوجاتا ہے کہ حسینی قافلہ ۱۰ محرم سے پہلے کربلا میں کسی طرح نہیں پہنچ سکتا اس لئے پانی بند کرنے وغیرہ مظالم کی واقعیت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

عباسی صاحب کا دوسرا دعویٰ

دوسرا دعویٰ عباسی صاحب کا یہ تھا کہ:

''کربلا کا حادثہ فاجعہ یزید اور عمال یزید کے قصد وارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گیا'' اس کی بنیاد انہوں نے اس دعویٰ پر رکھی ہے کہ ''ابن زیاد نے حسینی قافلہ سے صرف ہتھیار رکھوانے کا حکم دیا تھا اور عمرو بن سعد نے اس غرض سے ان کے گرد گھیرا ڈالا تھا مگر حضرت حسین کے کوفی سبائی ساتھیوں نے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک حملہ کردیا۔'' (خلافت ص ۲۳۹)

مگر عباسی صاحب اس دعویٰ پر کوئی تسلی بخش ثبوت نہیں لا سکے؟

پہلا ثبوت

انہوں نے ایک تو ص ۲۴۰ پر ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' کے مقالہ نویسوں کا بیان اس باب میں پیش کیا ہے لیکن جب تک ان مقالہ نویسوں کی تحقیق کا ماخذ نہ معلوم ہو ان کا بیان قطعاً حجت نہیں، دوسرے یہ کہ عباسی صاحب پہلے لکھ آئے ہیں کہ:

''اور سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے۔'' (ص ۲۰)

اس لئے کوفیوں کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اور رفیق سفر کا دعویٰ درست نہیں معلوم ہوتا اور اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کچھ کوفی آپ کے ہمراہ تھے پھر

بھی ان کو عدم صلح اور اشتعال جنگ کے بارہ میں اپنے پیشرو سبائیوں پر قیاس کرنا اور یہ لکھنا کہ: ''وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے۔'' قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ جنگ جمل میں مصالحت کی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص سے بچنے کی کوئی صورت ان کو نظر نہیں آ رہی تھی قصاص سے بچنے کی خاطر آتش جنگ کو مشتعل کرنا ان کے لئے ضروری تھا۔ صلح ان کے لئے پیغام موت تھی لیکن یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی جنگ کی صورت میں قلت تعداد اور بے سروسامانی کی وجہ سے سخت مصائب کا سامنا تھا فتنہ انگیز اور اشتعال دلانے والے عناصر کو خود کو ایسے صبر آزما حالات میں پھنسانے کے لئے ازخود تیار ہو جانا بالکل غیر معقول بات ہے، اس قدر تفاوت اور فرق کے ہوتے ہوئے ان کو پہلوں پر قیاس کر کے جنگ کی تمام تر ذمہ داری حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر ڈال کر ابن زیاد وغیرہ کی براءت ثابت کرنا حقائق پر پردہ پوشی کے سوا اور کیا کہا جائے ؟ کیا اسی فریب کاری کا نام ریسرچ ہے؟

دوسرا ثبوت

دوسرا ثبوت وہ یہ دیتے ہیں کہ:

> ''حسینی قافلے کے بہتر (۷۲) مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگِ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی (۸۸) مارے گئے۔'' (خلافت ص ۲۴۱)

عباسی صاحب کے نزدیک یہ اس بات ثبوت ہے کہ فوجی دستہ صرف مدافعت کرتا رہا لیکن یہ بھی جتنا بے جان ثبوت ہے ظاہر ہے اور شاید عباسی صاحب کو یاد نہیں رہا کہ وہ اپنے ثبوت کی جڑ پہلے ہی کاٹ آئے ہیں ص ۱۳۱ پر وہ لکھ آئے ہیں کہ: ''عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر ماہر حرب وضرب۔'' اور اس سے بڑھ کر خاص ان اہل قافلہ کی تو دلیری اور شجاعت وشہامت کا بھی وہ بڑے زور وشور سے اثبات کر آئے ہیں۔ (ص ۱۸۰)

ویسے بھی اگر وہ اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے عمرو بن سعد کی فوج کے لئے ان کا مقابلہ کرنا ہی کیوں ضروری ہوا ان کو ویسے ہی گرفتار کرلیا ہوتا یہ خود ان کے ماہر حرب وضرب ہونے کی دلیل ہے۔

غرضیکہ عباسی صاحب نے یہ ایک نرالا دعویٰ کیا ہے مگر وہ اس کا کوئی قابل توجہ ثبوت فراہم نہیں کر سکے ایسی حالت میں اس پر اصرار کرنا یزید اور عمال یزید کی بے جا حمایت اور پاسداری کا ثبوت مہیا کرنے کے سوا اس کا اور کیا نام رکھا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے نزاع میں عباسی صاحب کو ان کے شدید تعصب نے حق وانصاف کے پالینے سے باز رکھا اور وہ جادۂ اعتدال سے دور ہو گئے اسی طرح مظالم کربلا کی تاریخی طور پر وضعیت ثابت کرنے کے لئے انہوں نے جو بنیاد فراہم کی ہے وہ بھی بہت ہی کمزور اور خالص تحکم کا درجہ رکھتی اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں روایات کا تانا بانا تیار کرنے میں تعصب کی شدید دخل اندازی ہوتی ہے اور اس لئے ان کو اصول نقد و درایت پر پرکھے بغیر ان پر اندھا دھند اعتماد نہیں کرلینا چاہئے مگر اس کی تردید کرنے میں عباسی صاحب نے جس بے جا موشگافیوں اور دور از کار قیاس آرئیوں سے کام لیا ہے، ان سے بھی حامیان یزید کے ساتھ عباسی صاحب کی بے جا ہمدردی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شدید تعصب کے ثبوت فراہم ہونے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تحقیق مزید در بارہ لعنت بر یزید

یزید کے بارہ میں علماء اختلاف قدیم سے ہے بعض علما نے تو حدیث بخاری:

"قال النبی ﷺ اوّل جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لہم"

ترجمہ: میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر کا جہاد کرے گا ان لوگوں کے لئے مغفرت ہو چکی۔

کی وجہ سے اس کو مغفور کہا ہے کیونکہ مدینہ قیصر پر جو اوّل غزوہ ہوا تھا اس میں اجلہ صحابہ کے ہمراہ یزید بھی تھا جیسا کہ قسطلانی میں ہے:

"کان اوّل من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة ومعه جماعة من سادات الصحابة کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری وتوفی بهنا ابو ایوب سنة اثنین وخمسین من الهجرة کذا قاله فی الخیر الجاری وفی الفتح قال المهلب فی هٰذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اوّل من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اوّل من غزا مدینة قیصر انتهی" (بخاری ج ۱ ص ۴۱۰، حاشیہ ۲)

مدینہ قیصر پر پہلا لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ ہے اور اس کے ساتھ کبار صحابہ کی جماعت تھی جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور حضرت ابوایوب انصاری کا تو اسی مقام پر ۵۲ھ میں وصال ہوا، اسی طرح خیر الجاری میں ہے اور فتح الباری میں ہے مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کی منقبت ہے کہ کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کی اور ان کے بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لئے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکر کشی کی۔

اور بعض علماء نے اس کی تکفیر کی ہے اور اس کو ملعون کہا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولٰئک الذین لعنهم الله فاصمهم واعمی ابصارهم۔ الآیة"

ترجمہ: پھر تم سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت مل جاوے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قربتیں یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔

"تفسیر مظہری" مصنفہ مولانا قاضی ثناء اللہؒ صاحب پانی پتی میں ہے:

"قال ابن الجوزی انه روی القاضی ابویعلی فی کتابه المعتمد الاصول بسنده عن صالح بن احمدبن حنبل انه قال قلت لابی یابت یزعم بعض الناس انانحب یزیدبن معاویةفقال احمدیابنی بل یسوغ لمن یؤمن بالله ان یحب یزیدولم لایلعن رجل لعنه الله فی کتابه قلت یابت این لعن الله یزیدفی کتابه قال حیث قال فهل عسیتم۔الآیة! (مظہری ج۸ ص۴۳۴)

ترجمہ: ابن جوزی نے فرمایا کہ قاضی ابویعلی نے اپنی کتاب "معتمد الاصول" میں اپنی سند کے ساتھ جوصالح بن احمد بن حنبلؒ سے ہے، روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ بیٹے جواللہ پرایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے اورایسے شخص پر کیونکر لعنت نہ کی جائے جس پرخودحق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے، میں نے کہا: ابا جان! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پرکہاں لعنت کی ہے؟ فرمایا اس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے: فهل عسیتم الخ!

لیکن تحقیق یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی موت کا کفر پر ہونا دلیل قطعی سے ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک اس کی تکفیراوراس پرلعنت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس صورت میں لعنت کرنے والے پرلعنت کے واپس لوٹنے کا اندیشہ ہے اس لئے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب کسی پرلعنت کی جاتی ہے اگروہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت اس کے قائل پرلوٹ آتی ہے (العیاذ باللہ) اوراس کی وجہ یہ ہے کہ لعنت کے معنیٰ ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا اور یہ امر وحی کے بتلائے بغیر کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے۔

اب بلا دلیل اگر یزید کے متعلق دعویٰ کیا جائے کہ وہ خدا کی رحمت سے دور

ہے تو اس میں خطرۂ عظیم ہے البتہ اگر وحی کے ذریعہ بھی اس کا رحمت سے دور ہونا معلوم ہو جاتا تو فرعون، قارون اور ہامان کی طرح اس پر بھی لعنت کرنا جائز ہوتا۔

مگر چونکہ کلام باری تعالیٰ اور دوسری نصوص شرعیہ میں نوع ظالمین اور قاتلین مسلم پر لعنت ہی کما قال اللہ تعالیٰ "الا لعنۃ اللہ علی الظالمین" ال آیۃ: ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاء ہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ ال آیۃ" اور آیت مذکور "فہل عسیتم ال آیۃ" میں بھی مفسدین اور قاطعین کی نوع پر ہی لعنت آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ قاتل اور آمر و راضی بقتل حسین پر لعنت ہے تو جائز ہے اس قید سے کہ اگر وہ بغیر توبہ کے مرا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون اس ظلم میں داخل ہے اور کون اس سے خارج ہے اب جن اکابر کے نزدیک روایات اور اخبار اور قرائن سے یہ محقق ہو گیا ہے کہ یزید ان مظالم سے راضی اور خوش تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا وہ اس پر لعن کے جواز کے قائل ہیں اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں وہ بوجہ حدیث "منع لعن مسلم" کے لعن سے منع کرتے ہیں۔ پس جواز اور عدم جواز لعن کا مدار تاریخ اور واقعات کی تحقیق پر ہے، اس مسئلہ کی تحقیق فتاویٰ رشیدیہ اور امداد الفتاویٰ میں دیکھی جائے۔ اس تحقیق کے آخر میں حضرت گنگوہی نے فرمایا ہے:

> "اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت (خاموشی) میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلاء ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹)

(یاد رہے کہ یہ سکوت صرف لعنت میں ہے نہ کہ اُس کے فسق و فجور میں۔ ر، ن)

حدیث: "مغفور لہم"

یزید پر جس طرح لعنت کرنا اپنے کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ اسی طرح اس مغفور ہونے کا یقینی اور قطعی حکم لگانا بھی سخت زیادتی ہے کیونکہ اس کی مغفرت کی بھی یقینی

طور پر کوئی نص صریح نہیں ہے تو اب صرف کلیات مغفرت میں داخل کر کے اس کی مغفرت کا حکم لگایا جائے گا جو محض ظنی ہوگا قطعی نہ ہوگا جیسا کہ کلیات لعنت میں اس کا داخل ہونا بھی ظنی ہے۔ اس لئے یزید کے بارہ میں معتدل اور متوسط فیصلہ وہ ہے جو حضرت حکیم الامت تھانوی نے کافی بسط اور تحقیق کے بعد تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

''پس توسط اس امر میں یہ ہے کہ اس (یزید) کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے (خدا کے سپرد کرے) اور خود اپنی زبان سے کچھ (برا) نہ کہے لان فیہ خطراً (کیونکہ برا کہنے میں خطرہ ہے) اور اگر کوئی اس (یزید) کی نسبت کچھ (برا) کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے (اس کو روکے نہیں) لان فیہ نصراً (کیونکہ برا کہنے والے کو روکنے میں یزید کی حمایت ہے) (امداد الفتاویٰ مبوب ج ۵ ص ۴۲۴)

''مسایرہ'' اور اس کی شرح ''مسامرہ'' میں بھی یزید کی تکفیر اور عدم تکفیر کے دونوں قول لکھنے کے بعد اس بارہ میں توقف کو ہی اسلم کہا ہے:

''(وحقیقۃ الامر) ای الطریقۃ الثابتۃ فی شانہ (التوقف فیہ ورجع امرہ الی اللہ سبحانہ) لانہ عالم الخفیات والمطلع علی مکنونات السرائر وہو اجس الضمائر فلا یتعرض لتکفیرہ اصلاً وبذا ہو الاسلم (ص ۳۱۸، مسامرہ)

طریقہ ثابتہ اور صحیحہ یزید کے متعلق توقف کا ہی ہے اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کرنا ہی بہتر ہے جو سب حقائق سے واقف ہیں، اسلم طریقہ یہی ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ (تکفیر سے مراد اُس پر کفر کا حکم لگانا ہے ورنہ اُس کے فاسق وفاجر ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ ر، ن)

رہا حدیث غزوہ قسطنطنیہ سے مغفرت یزید پر استدلال کرنا سو وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ اوّل تو وہ مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور یہ امر مجہول ہے کہ اس کی وفات ایمان پر ہوئی ہے یا نہیں۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ:

''اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کی اوّل وہلہ میں مغفرت ہوکر داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہوجائے گا، یا یہ مراد ہے کہ اس مہم میں شریک ہونے والوں کی آخر کار نجات ہوجائے گی، خواہ مؤاخذہ کے بعد ہی یہ مغفرت حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ قسطلانی نے مہلب کے قول مذکور کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''وتعقبه ابن التين وابن المنير لما حاصله انه لا يلزم من دخوله فی ذلک العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا يختلف اهل العلم ان قوله ﷺ مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد احد ممن غزا بعد ذلک لم يدخل فی ذلک العموم اتفاقاً فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم''

(حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

اور ابن التین اور ابن المنیر نے مہلب کے اس قول کی تردید کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری خاص دلیل کی وجہ سے اس سے خارج ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اہل علم میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا یہ قول ''مغفور لہم'' (جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء بخش دیئے گئے) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے بعد ان میں سے مرتد ہوجائے تو وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا سے صاف واضح ہے کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے جن افراد میں مغفرت کی شرط پائی جائے گی وہ ہی مغفور ہوں گے۔

مہلب کو قول مذکور کے بعد اس عبارت کو عباسی صاحب نے ''حمایت یزید'' کا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے اور منقبت یزید کے اثبات کے لئے مہلب کے قول سے استدلال کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ علامہ ابن حجر نے اس قول کو منقبت یزید پر بطور استدلال پیش فرمایا ہے۔ حالانکہ اس

قول کے نقل فرمانے کے بعد ابن تین اور ابن المنیر کے تعقب پیش کرنے سے علامہ ابن حجر کا مقصد ہی اس قول کی تردید کرنی ہے کہ حدیث کے جملہ "مغفور لہم" کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے یزید کی منقبت اور فضیلت ثابت ہورہی ہے، اس کا حاصل مطلب بھی یہی نکلا کہ: "مغفور لہم" میں مغفرت مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر اس غزوہ میں شریک ہونے والے کسی شخص کا ارتداد (نعوذ باللہ منہ) ثابت ہوجائے تو وہ اس بشارت مغفرت میں داخل نہیں رہے گا۔

دوسرے شرط مغفرت علی الایمان کے متحقق ہونے کے بعد بھی قابل غور یہ بات ہے کہ اس حدیث سے جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے والوں کے لئے جس مغفرت کی بشارت دی گئی ہے اس مغفرت سے کیا مراد ہے؟

اب زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوگا کہ ہر وہ شخص جو جہاد مذکور میں اخلاص کے ساتھ شریک ہوگا اس کی وفات ایمان پر ہوگی اور انجام کار اس کی مغفرت ہوکر دوزخ سے نجات حاصل کرلے گا۔ مگر اس سے جہاد مذکور میں شریک ہونے والے ہر شخص کی فضیلت اور منقبت پر کیسے روشنی پڑی کہ اب کسی قسم کی بدعملی اور غلط کاری کا ارتکاب ان میں سے کسی سے نہیں ہوگا؟ اور یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے والا ہر قسم کے مؤاخذہ سے بری اور محفوظ رہے گا اور بغیر مؤاخذہ کے اس کو اوّل وہلہ میں مغفرت اور داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہوجائے گا؟

یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی شخص پر اس کے قبیح افعال اور ناشائستہ کردار کی وجہ سے گرفت اور مؤاخذ ہو مگر انجام کار اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کو معافی مل کر مؤاخذہ سے نجات حاصل ہوجائے۔

اسی طرح یزید سے اگر بعض افعال قبیحہ اور امور منکرہ کا ارتکاب ثابت ہو تو وہ اس حدیث بشارت مغفرت کے خلاف نہیں ہے نہ یہ حدیث بلا مؤاخذہ نجات پر دلالت کرتی ہے۔

اس کی نظیر صحیحین کی وہ حدیث جس میں ارشاد ہے: "من قال لا الٰہ الا اللہ

دخل الجنة" تو کیا اس حدیث سے یہ ثابت کیا جاسکے گا کہ جو شخص بھی اس کلمہ طیبہ کو پڑھ لے گا اس سے اب معاصی کا صدور ہی نہیں ہوسکے گا یا اس پر اب اس کے معاصی اثر انداز نہیں ہوں گے؟ اور وہ شخص صرف اس کلمہ کی وجہ سے ہی بغیر مؤاخذہ کے اوّل وہلہ میں ہی جنت میں داخل ہوجائے گا خواہ وہ کتنا ہی گناہوں میں ملوث کیوں نہ ہو۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی اس کلمہ پر موت واقع ہوگی تو آخر کار اس کا جنت میں داخلہ ہوجائے گا خواہ معاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس کو چندے سزا بھی بھگتنی پڑے۔

اگر صحیحین کی اس حدیث سے ہر کلمہ گو کے لئے ایسی فضیلت اور منقبت ثابت نہیں ہوتی کہ اس کے معاصی اس پر اثر انداز نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس سے ہر کلمہ گو شخص کا بغیر مؤاخذہ کے جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر حدیث قسطنطنیہ سے نہ معلوم یزید کی ایسی منقبت اور فضیلت ثابت کرنے کی کیوں کوشش کی جارہی ہے کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے کے بعد وہ ہر قسم کی بدعملی اور گناہوں سے منزہ ہوگیا اور کیوں یہ سمجھ لیا گیا کہ اوّل تو کسی قسم کے معاصی کا صدور اس سے ہوگا ہی نہیں اور اگر کچھ گناہ اس سے صادر بھی ہوئے تو اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کے معاصی اس پر بالکل نظر انداز نہیں ہوں گے اور وہ بغیر کسی مؤاخذہ کے قطعی طور پر جنت میں داخل ہوجائے گا۔

جس طرح شرط مغفرت نہ پائے جانے کی وجہ سے یزید کی تکفیر کرنے والے اس کو "مغفور لہم" کے عموم میں داخل نہیں کرتے اسی طرح "مغفور لہم" سے اوّل وہلہ میں استحقاق مغفرت مراد لینے والے حضرات نے بھی یزید کی سیاہ کاری اور اس کے اعمال شنیعہ کی وجہ سے اس کو بشارت مغفرت سے محروم سمجھا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے فرمایا ہے:

"غایت مافی الباب بسبب خرابیهائے پنهان که داشت همچون منافقان که در بیعت رضوان شریک بودند بوجه نفاق رضوان الله نصیب اوشان شدیزیدهم از فضائل این بشارت محروم ماند" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۵۳)

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعت رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہو گئے تو یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہو گیا۔

حرف آخر

اس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے متعلق اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔ لیکن اس کے ملاحظہ کے بعد معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کے اندر عباسی صاحب نے تاریخی تحقیق کے پردہ میں احادیث صحیحہ کی تردید اور مذہبی نظریات کو بدلنے کی پوری کوشش کی ہے اور تاریخی واقعات پر اس انداز سے بحث کی ہے کہ اس کی زد بالواسطہ طور پر مذہبی عقائد پر بھی آ پڑتی ہے اور اس سے اہل سنت کا مسلک اعتدال مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عباسی صاحب نے ہزار بارہ سو سال کے عرصہ میں ہونے والے مؤرخین، محدثین مفسرین اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی تحقیقات کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھہرا کر ماضی سے امت کا رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور علامہ ابن جریر طبری، ابن کثیر دمشقی، ابن خلدون جیسے مؤرخین کی تحقیقات اور آراء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کے ساتھ پیش آئے ہیں۔

جن جن ناملائم اور گستاخانہ الفاظ سے یاد کیا ہے اس سے مؤلف کی ذہنیت اور اس کے نقطۂ نظر کا پتہ لگتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اس کے مضامین پر یقین واعتماد کر لینے کے بعد پھر اساطین امت، اہل بیت عظام اور دوسرے اعلام ملت مفسرین ومحدثین کرام کی طرف سے بدگمانی اور گستاخی کا پیدا ہو جانا اس کتاب کا خاصہ لازمہ اور ماضی کی بلند پایہ معروف شخصیتوں سے انحراف اور بے اعتمادی اس کا لازمی اثر ہے جس کا تجربہ اور مشاہدہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو دیکھ کر رات دن ہو رہا ہے۔

اس لئے اس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' اور محمود احمد عباسی کی کل

کتابوں کا مطالعہ کرنا دینی اعتبار سے سخت گمراہ کن اور موجب فتنہ ہے۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ کی رائے گرامی اس کتاب کے متعلق بالکل واقعی اور صحیح ہے کہ:

''کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔''

اب آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام فتنوں سے محفوظ و مامون رکھے اور احقر کی اس مختصر تحریر کو مسلمانوں کی ہدایت کا سبب اور احقر کے لئے ذخیرہ آخرت بناوے۔

وماذلک علی اللہ بعزیز، نعم المولیٰ ونعم النصیر اللھم اذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنا غیر مفتون وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید الکائنات واکرم الخلوقات سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ الاطہار واصحابہ الاخیار الیٰ یوم القرار۔

۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو اس کتاب پر مختصر نوٹ پورے ہو گئے تھے۔ پھر دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اس کو مفصل کرنے کی فرصت نہیں ملی، تھوڑے تھوڑے وقفے میں تفصیل کرتا رہا۔ بحمداللہ! آج بروز جمعہ بارہ بجے دن بتاریخ ۲۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو یہ مسودہ پورا اور مکمل ہو گیا۔ والحمدللہ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً!

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ
ساہیوال ضلع سرگودھا

یزید کے متعلق مسلک اعتدال

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یزید کے متعلق مسلک اعتدال

ایک عالم صاحب نے حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے ''حیات سیّدنا یزید'' نامی کتاب جو ابو الحسن محمد عظیم الدین صدیقی نے لکھی ہے، کے مندرجات کے متعلق سوال کیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے درج ذیل تحقیقی جواب تحریر فرمایا تھا، جو پیش قارئین ہے۔

اللہ رب العزت نے کرم فرمایا کہ اسے ہم ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر پچیس (۲۵) پر شائع کرنے کے قابل ہو گئے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل السنت والجماعت کا مسلک رفض اور خارجیت کے درمیان ہے۔ رافضیوں اور خارجیوں کی افراط وتفریط کا مسلکِ اہل سنت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ آج کل رفض کی تردید میں بعض لوگوں کو غلو ہو گیا اور اُنہوں نے اہل سنت کے مسلک اعتدال سے خروج کر کے یزید کی حمایت کرنی شروع کر دی ہے۔ اس کتاب کا نام بھی اس غلو کا آئینہ دار ہے۔ خلاف واقعہ الزامات اور بہتان سے براءت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ واقعی عیوب اور نقائص کو بھی نظر انداز کر دیا جائے، ان کو محاسن اور کمالات بنا کر دکھلایا جائے۔ آج کل یزید کی مدح کرنے والے گروہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ پھر اس کے لئے ان کو بخاری ومسلم کی احادیث کا انکار کرنا پڑ جائے تو وہ یزید کی مدح اور منقبت ثابت کرنے لئے اس کو بھی کر گزریں گے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک یزید کی منقبت ومدح بخاری اور مسلم کی صحیح احادیث کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے باوجود یکہ یزید پر لگائے گئے بہت سے غلط بہتانوں کے ثبوت کا انکار ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی ان کا فیصلہ یہ ہے:

مع أنه كان فيه من الظلم، ما كان ثم أنه اقتتل هو وهم وفعل بأ لحرة أمور المنكرة۔ (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۷)

اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:

هل الحق فيه أنه من ملوك المسلمين، له حسنات و له سيئات، والقول فيه كالقول في امثاله من الملوك لا نحبه ولا نسبه وهو أول من غزا القسطنطينية، وقال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم: اول جیش یغزوھا یغفر لھم، وفعل فی اھل المدینۃ ما فعل، وقد توعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل فیھا قتیلا ولعنہ (ص ۳۱۰)

علامہ ابن تیمیہ نے یزید کی طرف سے پورا دفاع کرنے کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کی حدیث بشارت میں شامل ہونے باوجود بھی اس میں ظلم اور موجبات لعنت موجود تھے۔ اور حسنات کے ساتھ سیئات بھی اس میں جمع تھے۔ اس لئے وہ جیسے اس پر سبّ (لعنت) نہیں کرتے اس کو محبت کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ اس کو شاہان اسلام میں سے ایک ایسا بادشاہ سمجھتے ہیں جس میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں ہی پائی جاتی ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے اس فیصلے پر اُن لوگوں کو خصوصیت سے توجہ دینے کی ضرورت ہے جنہوں نے یزید کو ایک خلیفہ عادل اور امام راشد کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا علم بلند کیا ہوا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کے پاس علامہ ابن تیمیہ جیسا معلومات کا ذخیرہ ہے اور نہ واقعات کی تحقیق کے ذرائع اور وسائل ان کو میسر ہیں اور نہ لوگوں میں واقعات کی مختلف روایات کی چھان بین کر کے ان میں تطبیق اور ترجیح دینے کا طریقہ اور سلیقہ پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد علامہ ابن کثیر جو مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ محقق اور مؤرخ بھی ہیں، اپنی بے نظیر تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' میں یزید کے بارے میں تمام روایات جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وکان فیہ أیضا إقبال علی الشھوات، وترک بعض الصلاۃ فی بعض الأوقات وأمانتھا فی غالب الأوقات۔

(ج ۸ ص ۲۳۰)

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے اکابر نے بھی یزید کے فاسق ہونے کے بارے میں تصریح فرمائی ہے۔ حضرت مجدد ثانیؒ فرماتے ہیں:

امایزید بے دولت از زمرہ فسقہ است۔ (مکتوب نمبر:۲۵۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

من القرون الفا ضلة اتفاقا من هو منافق ,أو فاسق, فمنها الحجاج ویزید ابن معاویه ومختار۔۔۔۔الخ

(حجۃ اللہ ج ۲ ص ۲۱۵)

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

أمایزید جابر فاسق متغلب۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

یزید کو کافر کہنے میں احتیاط رکھیں، مگر فاسق بے شک تھا۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۹)

مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

یزید پر لعنت بھیجنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ کہ لعنت کرنا درست نہیں اور یزید کا کافر ہونا ثابت نہیں، البتہ فاسق تھا۔ پس احوط عدم لعن ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۸ ص ۲۱۷)

حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ کے فتاویٰ میں بھی اسی طرح ہے کہ:

مسلک اسلم آنست کہ آں شقی را بمغفرت وترحم ہرگز یاد نباید کرد، ولعن او کہ در عرف مختص بکفار گشتہ زبان خود زا آلودہ نباید کرد۔ (ج ۳ ص ۸)

ترجمہ: یزید بد بخت کو مغفرت ورحمت کے ساتھ یاد نہیں کرنا
چاہئے اور لعنت جو عرف عام میں کفار کے ساتھ خاص ہوگئی ہے
اس سے بھی زبان کو آلودہ نہیں کرنا چاہئے۔

غرضیکہ اکابر علماء امت کی ایسی ہی تصریحات سے واضح ہورہا ہے کہ اکابر علماء اہل سنت کے نزدیک یزید کا فسق ثابت اور محقق ہے اور ان اکابر علماء اہل سنت میں اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ بھی شامل ہیں۔ اب جو شخص اس کے خلاف لکھتا ہے یا عقیدہ رکھتا ہے اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلک اہل السنت والجماعت پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

۱۴ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

بھری مجلس میں ''عباسی جنتری'' کو چیلنج

از جناب مقبول احمد صدیقی، کراچی

بمقام ''سکرنڈ'' ضلع نواب شاہ بر مکان بشیر صاحب، عباسی صاحب مصنف ''خلافت معاویہ ویزید'' کی نشست میں شرکت کا مجھے بھی شرف حاصل ہے یہ نشست سات آٹھ افراد پر مشتمل تھی، عباسی صاحب نے کھانے کے دوران میں بھی سلسلہ گفتگو جاری رکھا، جو متاثر کن تھا اور ان کے علم وتحقیق کا مظہر، ان کی مربوط ومدلل سے میں خود بہت محظوظ ہو رہا تھا، اس وقت تک میں نے ان کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' تو نہ پڑھی تھی۔ البتہ اس پر ایک تبصرہ رسالہ ''لیل ونہار'' میں پڑھ چکا تھا، اس لئے مصنف کتاب کو بچشم خود دیکھنے کا متمنی تھا، خوش قسمتی سے اچانک معلوم ہوا عباسی صاحب بنفس نفیس بشیر صاحب کے یہاں آئے ہوئے ہیں اور اسی وقت ان کی نشست بھی ہے۔ میں فوراً قیام گاہ کی دعوت کے مطابق پہنچ اور پہلی بار ان کی طویل گفتگو سنی، دوران گفتگو میں وہ اپنی اس ''جنتری'' کو بھی زیر بحث

لائے جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' میں کیا ہے اور مخاطبین کو ''مدینہ'' سے ''کوفہ'' تک کی منزلوں کی تعداد بتاتے ہوئے منزلوں کا حساب مفصل سمجھایا اور فرمایا کہ حضرت حسینؓ جس تاریخ کو ''مدینہ'' سے برائے ''کوفہ'' مع اہلِ خاندان روانہ ہوئے ہیں، چونکہ ان کا تمام تر سفر اُونٹ پر تھا، اس لئے مورخین حسینؓ کے کوفہ پہنچنے کی جو تاریخ ابتداء محرم کی نقل کرتے ہیں، وہ بالکل غلط ہے۔ اونٹ جس رفتار سے چلتا ہے وہ ان کو محرم کی ابتدائی تاریخوں میں ہرگز نہیں پہنچا سکتا، بلکہ وہ ۱۰ محرم کو ''کوفہ'' پہنچے اور اسی روز شہید(۱) ہوگئے یہ آٹھ دس روز کے مظالم اور پانی وغیرہ کی بندش کی روایتیں سب من گھڑت ہیں۔

اونٹ اس رفتار کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ وہ حسینؓ کو جب کہ بچے اور عورتیں بھی ان کے ہمراہ ہیں اور سفر شاق ریت کے میدانوں کا ہے۔ مؤرخین کی بیان کردہ تاریخ تک پہنچا دے، دورانِ گفتگو میں اُونٹ کی منزل بہ منزل رفتار پر روشنی ڈالتے رہے، جو شخص اُونٹ کی سواری کا خود تجربہ نہ رکھتا ہو اس کے لئے ان کی منزل بہ منزل اُونٹ کی رفتار پر بحث نہایت حیرت ناک اور ان کے بے مثال مؤرخ و لائق ہونے کا لوہا منوانے کے لئے کافی تھی، مگر میرے اوپر اس نے برعکس اثر کیا کہ ان کی تاریخ دانی کا جو رعب ان کی گفتگو کا باقی ماندہ حصہ قائم کر چکا تھا وہ بھی شبہات سے دوچار اور بے وزن ہوگیا۔ اس لئے کہ میں خود کاروباری طور پر جنگلات سندھ سے برسوں سے وابستہ ہونے کے سبب اُونٹ کی سواری کا خود عادی اور ہر میدان میں اس کی رفتار کے نشیب و فراز سے بخوبی باخبر تھا۔ چنانچہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے سب لوگوں کی موجودگی میں ان کی گفتگو میں مداخلت کی اور ان کے اُونٹ کی رفتار سے

۱۔ محترم عظیم الدین صاحب بھی جو بکھی پر بکھی مارنے کے عادی ہیں اپنے ''حادثہ کربلا'' پمفلٹ میں یہی لکھتے ہیں۔ (مرتب)

متعلق منزل بمنزل دے ہوئے حساب کی قطعی تردید کی۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کا دیا ہوا حساب میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر کہتا ہوں: ''بالکل غلط ہے اور میری تصدیق کے لئے آپ ابھی میری جیپ میں بیٹھے اور میرے ساتھ ''ماڑی فارسٹ'' چلئے جہاں نسلاً بعد نسلٍ اونٹ پر کاروبار کرنے والے اور اونٹ پر اپنے بیوی بچوں اور نہایت وزنی سامان کے ساتھ ریتیلے میدانوں کو عبور کرنے والے بہت سے لوگوں سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ یہ سن کر وہ خاموش (لہ) ہو گئے اور میں نے ان سے دعوے سے کہا کہ حضرت حسینؓ تو بہترین سواری کے اونٹوں پر بیٹھ کر مع اپنے متعلقین ''مدینہ'' سے ''کوفہ'' کو روانہ ہوئے۔ اگر وہ ''لدی'' یعنی سامان برداری کے گھٹیا اور کم رفتار اونٹوں سے بھی ''مدینہ'' سے مع بچوں کے چلتے تب بھی یقیناً یکم محرم تک کوفہ پہنچ جاتے۔ مؤرخین کا بیان بالکل صحیح ہے اور آپ کا خلاف حقیقت۔ ع

بھری بزم میں راز کی بات کہ دی بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

مقبول احمد صدیقی

(محمود احمد عباسی اپنے عقائد ونظریات کے آئینے میں ص ۳۴)

لہ خاموش کیسے نہ ہوتے ہر شخص جانتا ہے کہ سب سے پہلے ہر مجرم کا ضمیر ہی اس کو میدان مقابلہ وتحقیق آنے سے روکتا ہے پوری جنتری حسینؓ دشمنی اور اسلام دشمنی کی مرہون منت اور محض خود ساختہ ڈراما ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ پیکر تحقیق مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ، العالی عباسی صاحب کی حیات ہی میں اس افسانوی جنتری کا خوب خوب پوسٹ مارٹم فرما چکے ہیں جس کا موصوف نے آخر دم تک کوئی جواب نہیں دیا۔ (مرتب)

مسئلہ فسق یزید

اور

اکابر علماء امت

حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالشکور ترمذی

مسئلۂ فسقِ یزید

اور

اکابر علماءِ اُمّت

مؤلفہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی
سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

جامعہ امدادیہ لتحفیظ تعلیم النساء (بنات)
قاری سٹریٹ سلانوالی ضلع سرگودھا
0301-6714101

شاہ نفیس اکادمی
سعدی پارک، مزنگ لاہور
0300-4183709

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ فسق یزید اور اکابر علماء امت

کچھ عرصہ پہلے سرگودھا شہر بلاک نمبر ۱۸ کے مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے ''واقعہ کربلاء اور اس کا پس منظر'' کے نام سے کتاب تحریر کی۔ سرگودھا کی ایک فقہی مجلس کے اجلاس کی درخواست پر فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالشکور ترمذیؒ نے ایک مضمون ''مسئلہ فسق یزید اور اکابر علماء امت'' کے نام سے ۱۹۹۹ء میں تحریر فرمایا، جو ماہنامہ ''الحقانیہ'' ساہیوال ضلع سرگودھا میں شائع ہوا۔

اس مضمون کو جناب میاں رضوان نفیس نے ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔ آپ نے ہی اس کی کمپوزنگ ارسال کی۔ مولانا محمد عابد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ قدیم کریم پارک راوی روڈ لاہور اور جناب میاں رضوان نفیس صاحب کی عنایات بے پایاں سے اسے ہم ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر چھبیس (۲۶) پر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

پیش لفظ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم ..... مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

''مسئلہ فسق یزید اور علماء امت'' کے نام سے حضرت اقدس والد ماجد فقیہ العصر یادگار اسلاف مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کا محققانہ مضمون پیش خدمت ہے۔ اس مضمون میں یزید کے متعلق اکابر علماء امت کی آراء کو جمع فرما کر ثابت کیا گیا ہے کہ یزید فاسق وفاجر تھا۔ اسے صالح اور عادل ونیک وتقی قرار دینا خلاف تحقیق ہے۔ بعض حضرات یزید کو خلیفہ عادل صالح اور نیک ثابت کرنے کے لئے تاریخ کے بعض واقعات سے استدلال کرتے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظیم القدر شخصیت کے دفاع کے پردہ میں یزید کے وکیل صفائی ہونے کے دعویدار ہیں، ان کی یہ روش چونکہ غلط اور خلاف مسلک اہل حق ہے، اس لئے ان کے موقف کی تردید ضروری ہے۔

کچھ عرصہ قبل سرگودھا بلاک نمبر ۱۸ کے مولانا عطاء اللہ صاحب بندیالوی نے ''واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر'' کے نام سے ایک کتاب لکھ کر یزید کی صفائی پیش کی۔ علماء حق نے بروقت اس کتاب سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور اس کے مندرجات کی تردید کی۔ اس کتاب میں بھی یزید کو صالح اور عادل ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی تھی۔ حضرت والد گرامی قدس سرہ نے اس کی بروقت تردید فرمائی اور مذکورہ بالا عنوان سے اس کی تردید میں ایک وقیع مضمون تحریر فرمایا۔ یہ مضمون مجلہ ''الحقانیہ'' میں شائع ہو چکا ہے۔

اب محترم جناب میاں رضوان نفیس صاحب خادم خاص وخلیفہ ومجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے الگ شائع ہو رہا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو نافع اور مفید بنائے اور تمام معاونین کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ آمین!

اَحقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۳ر صفر المظفر ۱۴۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ فسق یزید اور اکابر علماءِ اُمت

کتاب ''واقعہ کربلاء'' سے اعلان برأت

بعد الحمد و الصلوٰۃ!

برادران اسلام! تقریباً ایک سال ہوا کہ مؤرخہ ۴ ستمبر ۱۹۹۱ء کو ''مجلس تحقیق مسائل''، ضلع سرگودھا کا اجلاس جامعہ ذوالنورین شاخ جامعہ سراج العلوم سرگودھا میں منعقد ہوا، جس میں علماء کرام نے متفقہ طور پر مولوی عطاء اللہ بندیالوی کی مؤلفہ کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' کے بعض مندرجات کو اہل سنت والجماعت اور اکابر علماء دیوبند کے نظریات وعقائد کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کتاب سے براءت ولاتعلقی کا اظہار کیا تھا اور اس کو علماء دیوبند کی دینی تحقیق کو پائے مال کرنے کی سعی ناکام قرار دیا تھا، جس پر ''مجلس تحقیق مسائل'' کے علاوہ بعض دوسرے اکابر علماء کرام حضرت مولانا قاری شہاب الدین صاحب، مولانا حافظ محمد اکرم صاحب طوفانی، مولانا مفتی احمد شفیع صاحب مرحوم خطیب مرکزی جامع مسجد بلاک نمبر ا سرگودھا وسابق صدر بزم قاسمی وغیرہ کے دستخط بھی ثبت تھے۔

اس فیصلہ میں کتاب مذکور سے اپنی لاتعلقی کا اظہار تو کیا گیا مگر کسی پر ذاتی حملہ اور طعن وتشنیع سے مکمل طور پر پرہیز کیا گیا تھا، کیونکہ اس کا مقصد اکابر علماء دیوبند کا تحفظ اور مسلک اہل سنت والجماعت کی ترجمانی تھا، تاکہ غلط فہمی سے اس کتاب کو علماء دیوبند کے مسلک کے موافق اور اس کا ترجمان نہ سمجھ لیا جائے۔

بندیالوی صاحب کا سوقیانہ انداز تخاطب

اب معلوم ہوا کہ بندیالوی صاحب مذکور نے کتاب میں کچھ اضافات کئے ہیں اور ان میں اپنے جارحانہ اور غیر عالمانہ طرز تحریر سے علماء کرام کو طعن وتشنیع بلکہ رافضیانہ طریقہ پر سب وشتم اور تبراء سے بھی نوازا ہے۔ لکھا ہے:

''ان مخالفین میں.....شیعہ کم تھے لیکن سنی نما شیعہ زیادہ تھے.....ان میں ان پڑھ اور عقل وخرد سے محروم واعظ بھی تھے.....یتیم العقل مفتی بھی.....فہم وفراست سے نہایت کورے خطیب بھی اور منبر ومحراب کے مذہبی منافق بھی..... لوگوں کے نذرانوں پر پلنے والے..... اور تقدس کے نام پر عصمتوں سے کھیلنے والے گدی نشین بھی۔'' (ص ۱۵)

اس سوقیانہ انداز تخاطب کا جواب تو کوئی اس جیسا ہی عقل وخرد اور علم وفہم کا مالک دے سکتا ہے۔ ہم صرف اتنا ہی کہتے ہیں اور اس غیر شریفانہ انداز گفتگو کی مذمت کرتے ہیں ؎

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

صفحہ نمبر ۱۸ پر لکھا ہے: ''میری تصنیف کا مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا یا تعریف وتوصیف کرنا نہیں تھا.....'' مگر کتاب میں مستقل عنوان ''کیا یزید واقعی فاسق وفاجر تھا'' کے تحت خوب خوب صفائی پیش کی گئی ہے۔ لکھا ہے:

''شیعہ پروپیگنڈے سے متاثر اہل سنت کا یہ عالم ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے یزید کے فسق وفجور پر ایمان رکھتے ہیں۔'' (ص ۸۵)

آگے صفحہ نمبر: ۸۷ پر لکھا ہے: ''آج اگر کوئی منچلا چالاکی اور ہشیاری سے کام لیتے ہوئے یوں کہے کہ یزید ولی عہد بنائے جانے کے وقت تو نیک وصالح تھا، فاسق وفاجر نہیں تھا۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کا فسق وفجور ظاہر ہوا، تو ہمارا پھر سوال ہے کہ ان صحابہ کرام کے بارہ میں

تمہارے تصورات وخیالات کیا ہیں، جنہوں نے وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو بحیثیت خلیفۃ المسلمین تسلیم کیا۔ اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور ہر لحاظ سے اس کا ساتھ دیا۔''

ناظرین غور فرمائیں! کیا بندیالوی صاحب کا یہ مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا یا تعریف وتوصیف نہیں تھا؟ اس عنوان کے تحت مندرجات سے کیا یزید کی صفائی پیش کرنا مقصد نہیں ہے؟ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ولی عہدی کے اعتراض سے بچانے کی غرض سے کن علماء کرام نے یہ کہا جن کو یہ ''منچلا، چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے'' تبرا کر رہا ہے۔ یہ سننے کی بات ہے اور اس منچلے، چالاک وہوشیار کی چالاکی وہوشیاری کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کیسے کیسے اکابر علماء کرام کو کس کس طرح رافضیانہ انداز سے تبرا کر رہا ہے۔ سنئے:

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

''تاوقتیکه امیر معاویه رضی اللہ عنہ یزید پلید را ولی عهد خود کردند فاسق معلن نه بود اگر چیزے کرده باشد در پرده کرده باشد که حضرت امیر معاویه را ازاں خبر نه بود''

جس وقت حضرت امیر معاویہؓ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد کیا تھا، اس کا فسق ظاہر نہ تھا۔ اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ، جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی۔

(از مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۵۲)

بندیالوی صاحب کی خیانت

(۲) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی تحریر سے بندیالوی صاحب نے عوام کو دھوکہ دیا اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کی یہ عبارت بندیالوی صاحب نے اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے لکھی ہے کہ:

''یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔'' (مکتوبات ج ا ص ۲۵۰)

اس کے آگے ساتھ ہی حضرت مدنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اس کے فسق و فجور کا اعلانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا، اس کی ان کو اطلاع نہ تھی۔'' (صفحہ مذکور)

یہ اگلی عبارت ریسرچ کا حق ادا کرنے اور یزید کی صفائی کے لئے بندیالوی صاحب نے نہیں لکھی ورنہ ان کی تحقیق کا بھانڈا چوراہے میں سب کے سامنے پھوٹ جاتا۔

(۳) حضرت مدنی رحمہ اللہ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ مؤرخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے اس کو نامزد کیا بالکل غلط ہے۔ ہاں! ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلاء ہو مگر ان کو اس فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو، ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا کر بیٹھا۔'' (مکتوبات ج ا ص ۲۶۶)

ناظرین! غور فرمائیں کہ بقول بندیالوی صاحب کیا یہ سب اکابر علماء کرام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہما اللہ منچلے پن، چالاکی اور ہوشیاری سے کام لے رہے ہیں اور کیا یہ بندیالوی ان حضرات کو ہی گستاخانہ انداز میں خطاب کر رہا ہے اور ان ہی کو منچلا، چالاکی اور ہوشیاری سے کام لینے والا کہہ رہا ہے۔ کیا یہ سب حضرات شیعہ پروپیگنڈے سے متاثر تھے؟ اور سب ہی آنکھیں بند کرکے یزید کے فسق و فجور پر ایمان لے آئے تھے؟

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے مقابلہ میں نکلنا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے مقابلے میں نکلنے کی وجہ اس کا فسق تھا؟ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی یزید کا فسق ظاہر ہو گیا تھا اور اسی فسق کی وجہ سے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ اس کے مقابلہ میں نکلنا متعین ہو گیا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون جو مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے فاضل محقق بھی ہیں لکھتے ہیں:

"لماظهر فسق يزيدعندالكافة من اهل عصره بعثت شيعةاهل البيت بالكوفةللحسين رضى الله عنه ان يأتيهم فيقوموابامره فرأى الحسين ان الخروج على يزيدمتعين من اجل فسقه لاسيمامن له القدرة على ذٰلك وظنهامن نفسه باهليته وشوكته فاماالاهلية فكانت كما ظن وزيادةواماالشوكةفغلطيرحمه الله فيها" (ج ۱ ص ۲۱۶)

ترجمہ: جب اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق ظاہر ہو گیا تو کوفہ سے اہل بیت کے حامی لوگوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں تشریف لے جائیں تو وہ ان کے مقصد کو قائم کرلیں گے (اس وجہ سے) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ رائے ہوئی کہ یزید کے فسق کی وجہ سے اس کے مقابلے میں نکلنا تو متعین ہو گیا ہے۔ خصوصاً جب کہ آپ کو اس پر طاقت بھی حاصل ہے اور آپ نے اپنے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں اور آپ کے پاس اس کے لئے قوت وشوکت بھی ہے مگر اہلیت تو اس سے بھی زیادہ تھی جس کا آپ کو گمان تھا لیکن طاقت وشوکت کا اندازہ لگانے میں آپ سے غلطی ہو گئی۔

اگر بندیالوی صاحب اس عبارت کو آنکھ کھول کر پڑھ لیتے تو پھر وہ اکابر علماء پر آنکھیں بند کر کے فسق یزید پر ایمان لانے کا الزام ہرگز نہ لگاتے

اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ یزید کا فسق صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی ظاہر ہو چکا تھا اور اسی بنیاد پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ رائے ہوئی تھی کہ اس کے مقابلہ میں نکلنا متعین ہو گیا۔ اب وہ آنکھیں کھول کر اپنے ص ۸۸ کو پڑھیں اور معلوم کریں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کے مقابلہ میں نکلنے کی وجہ اور اس کا سبب اس کا فسق تھا یا نہیں؟ مگر آنکھیں کھولنے کے بعد بھی شاید ان کی عقل میں یہ بات نہ آسکے۔ ''فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور'' (القرآن)

اپنے اکابر کو اندھا لکھنا سر کے اندھے کا نہیں دل کے اندھے کا کام ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بندیالوی صاحب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی بنا صرف اپنی اہلیت کو بتلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو دوسرے درجہ پر ہے، پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ یزید فاسق تھا۔ اس کی وجہ سے اس کے خلاف اٹھنا ان کے نزدیک جائز ہوا جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے اس کی تصریح اوپر کی عبارت میں کر دی ہے۔ البتہ اس کے لئے اہلیت اور قوت وشوکت کی بھی شرط اور ضرورت تھی۔ اب معاملہ کو خلط ملط کرنا اور فسق یزید کی جس کو مقابلہ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے نفی کرنا اور صرف اہلیت پر (مقابلہ کی بنیاد رکھنا) خروج کے حقائق کو مسخ کرنا ہے۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟

فسق یزید پر اکابر علماء امت کی تصریحات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اگر فسق یزید پر اکابر علماء امت کی تصریحات پیش کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ نے یہ خدمت خارجی فتنہ جلد دوم میں انجام دے دی ہے۔ تفصیل کے لئے اس کو ملاحظہ کیا جائے۔

حضرت بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ارشادات فسق یزید کے متعلق گزر چکے ہیں۔
قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ یزید کے متعلق فرماتے ہیں:

''لہٰذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بے شک تھا۔''

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۹)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ بھی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔''

(امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۶۵)

حضرت مولانا ظفر احمد المحدث عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت امام کو روایتیں ایسی پہنچی تھیں جس سے یزید کا فاسق ہونا لازم آتا تھا اور فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ پس امام کا یزید کے خلاف خروج کرنا بالکل صحیح تھا۔'' (ص ۷۲)

ان سب حضرات نے یزید کو فاسق قرار دیا ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی بنا فسق یزید بتلائی ہے۔ مگر بندیالوی صاحب اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان سب کے خلاف کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف خروج فسق کی وجہ سے نہ تھا۔

ایک مغالطہ

حضرت ملا علی قاری اور علامہ ابن کثیر کی عبارتوں سے ص ۱۰۳ پر مغالطہ دیا ہے کہ: ''یزید کے فسق و فجور کی روایات نا قابل قبول ہیں۔'' حالانکہ ان عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ جن احادیث میں یزید اور حضرت عمرو بن عاص وغیرہ کا نام لے کر مذمت بیان کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہیں اور جو احادیث ابن عسا

کرنے اس سلسلہ میں بیان کی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ ان سے یہ ثابت کرنا کہ فسق یزید میں ثابت شدہ کوئی تاریخی روایت بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ محض ''حب یزید'' میں آنکھیں بند کر لینے یا ''حبک الشی یعمی ویصم'' کا نتیجہ ہے۔

حضرت علامہ علی قاری ''مشکوٰۃ شریف'' کی حدیث ''انہ تصیب امتی فی آخر الزمان من سلطانھم شدائد، الخ'' میری امت کو آخری زمانہ میں سخت تکلیفیں پہنچیں گی ان کے بادشاہ کی طرف سے۔ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''یحتمل الجنس والشخص کیزید والحجاج وامثالھما'' (ج ۹ ص ۳۴۳)

حدیث میں احتمال ہے کہ سلطان سے مراد جنس ہو یا شخص جیسے یزید اور حجاج وغیرہ!

اور علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترک بعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات الخ'' (البدایۃ ج ۸ ص ۲۳۰) (اور یزید کی ذات میں) شہوات کی طرف میلان تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں چھوڑ دیتا تھا اور بسا اوقات وہ نمازیں وقت گزر جانے کے بعد پڑھتا تھا۔

غرضیکہ حضرت علامہ علی قاری وعلامہ ابن کثیر یزید کو ظالم اور فاسق قرار دیتے ہیں۔ اوپر کی عبارتوں سے بھی واضح ہو رہا ہے اور عبارت ذیل میں تو علامہ ابن کثیر نے تصریحاً یزید کو فاسق قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''بل قد کان فاسقا والفاسق لایجوز خلعہ لاجل مایثور بسبب ذلک من الفتنۃ ووقوع الھرج کما وقع من الحرۃ'' (البدایۃ ج ۸ ص ۲۳۲)

بلکہ وہ فاسق تھا اور فاسق کی بیعت توڑنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے فتنہ زیادہ بھڑکتا ہے اور جنگ وقتال واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ واقعہ حرہ کے وقت ہوا۔

غرضیکہ ص ۱۰۳ پر علامہ ملا علی قاری اور علامہ ابن کثیر کی عبارتوں سے یزید کے بارہ میں فسق کی روایات کو غیر معتبر قرار دینا محض دھوکہ ہے۔

واقعہ حرّہ اور یزید

اور علامہ ابن تیمیہ بھی یزید کے ظلم کو تسلیم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''مع انه كان فيه من الظلم ثم انه اقتتل هو وهم وفعل باهل الحرة امورا منكرة'' (منہاج السنۃ ج۱ص۲۷) اور فرماتے ہیں: ''وفعل فی اهل المدينة ما فعل وقد تو عدر سول الله ﷺ من قتل فيها قتيلا ولعنه'' اور اس نے اہل مدینہ کے بارے میں کیا جو کچھ کیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارہ میں عذاب کی وعید سنائی اور اس پر لعنت کی ہے جو مدینہ میں قتال کرے۔

نیز لکھتے ہیں:

''فانه اظلم من يزيد باتفاق الناس ومع هذا يقال غاية يزيد وامثاله من الملوك ان يكونوا فساقا فلعنة الفاسق ليست مامورا بها'' (منہاج السنۃ ج۲ص۲۵۱) کیونکہ وہ (حجاج) یزید سے زیادہ ظالم ہے اور اس پر لوگوں کا اتفاق ہے اور باوجود اس کے یزید اور اس جیسے بادشاہوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ فاسق ہیں مگر فاسق متعین پر لعنت کرنے کا حکم نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ تو یزید کی طرف واقعہ حرّہ میں امور منکرہ کو منسوب کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا جو کچھ کیا اور اس پر وہ عذاب کی وعید سنا رہے ہیں جس میں اہل مدینہ کے ساتھ قتال کرنے پر عذاب اور لعنت کی گئی ہے اور ''مع انه كان فيه من الظلم'' کہہ کر اس کا ظالم ہونا بتلا رہے ہیں۔ مگر بندیالوی صاحب اس واقعہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''آج یزید کو مطعون کرنے کے لئے واقعہ حرہ کا رونا سب سے رویا جاتا ہے، اس واقعہ کو بنیاد بنا کر جہان کے جھوٹ کے پلندے منبر و محراب کی زینت بنتے ہیں..... مسند نبوی کے وارث موضوع، من گھڑت اور شیعہ راویوں کی

حکایات خوف خدا سے عاری ہوکر بے دھڑک عوام کے سامنے بیان کرتے ہیں اور اس واقعہ کا ذمہ دار یزید کو ٹھہرا کر تبرا اور نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔''

ص ۱۹ پر حضرت زین العابدین کی مسلم بن عقبہ سالار لشکر یزید سے ملاقات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''سیدنا حسین کے حق گو فرزند کی دعا نے ثابت کر دیا کہ واقعہ حرہ میں تمام تر قصور اور غلطی ان لوگوں کی تھی جو بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ لشکر یزید (جس کی قیادت صحابی رسول کر رہے تھے) نے تو بغاوت کو کچلنے کے لئے کارروائی کی تھی ..... آواز دو انصاف کو ..... اور دست بستہ سوال کرو ارباب حل وعقد سے کہ مسلمانوں کی متفقہ حکومت کے خلاف چند لوگ بغاوت کو کچلنے کے لئے مناسب کارروائی کریں تو قصور کس کا ہوگا؟ باغیوں کا یا حکمران وقت کا؟''

ص ۲۰ پر بندیالوی صاحب نے اس واقعہ کو بغاوت قرار دے کر یزید کا مقابلہ کرنے والوں کو بغاوت کی سزا کا مستحق قرار دیا ہے۔ ''کمامر'' حالانکہ واقعہ حرہ کا سبب یزید کا فسق وفجور اور اس کی بداعمالیاں بنی ہیں اور مقابلہ کرنے والے دینی غیرت وحمیت میں مقابلہ کے لئے نکلے تھے۔ یہی حال حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے اقدام مقابلہ یزید تھا۔ قصور مقابلہ میں نکلنے والوں کا بتلایا ہے کہ انہوں نے یزید کے ظلم وفسق کے خلاف جذبہ دینی کے تحت اپنی دینی بصیرت کی بناء پر کیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

''قسم خرجوا غضباً للدین من جور الولاۃ وترک عملھم بالسنۃ النبویۃ فھؤلاء اھل الحق ومنھم الحسین بن علی واھل المدینۃ فی الحرۃ والقراء الذین خرجوا علی الحاج'' (ج ۱۲ ص ۲۴۰)

ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام ظلم وستم اور سنت نبوی پر ان کے

عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت وحمیت میں نکلے، یہ سب اہل حق ہیں اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں مقابلہ کیا اور وہ تمام علماء جو حجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان ہی اہل حق میں ہے۔''

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف یزید کا جنگ کرنا

شرعی نقطہ نظر سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اصحاب حرہ، عبداللہ بن الزبیر اور حجاج کا مقابلہ کرنے والوں سے یزید وحجاج کا جنگ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر ارقام فرماتے ہیں: ''جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے کہ جو ظالم ہو اور اس شخص کے جان یا مال یا اہل وعیال پر تغلب کرنا چاہتا ہو تو ایسا شخص معذور ہے اور اس سے قتال حلال نہیں۔'' اور امام طبری نے سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے (جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں) فرمایا کہ: ''اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل وقتال نہ کرو۔ الخ!''

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر آگے فرماتے ہیں:

''وعلیٰ ذٰلک یحمل ماوقع للحسین بن علی ثم لاھل المدینۃ ثم لعبداللہ بن الزبیر ثم للقراء الذین خرجوا علی الحجاج'' (ج ۱۲ ص ۲۵۳)

اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ پھر عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ کہ جنہوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کا مقابلہ کیا تھا کہ سب حضرات سے قتال جائز نہیں تھا۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کی روشنی میں صاف طور پر فرمارہے ہیں کہ ظالم حکمران کی مخالفت کرنے والوں سے قتال جائز نہیں ہے اور واقعہ حرہ وغیرہ میں یزید کی جو مخالفت صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے کی تھی وہ اس کے ظالم و فاسق ہونے کی وجہ سے ہی کی تھی۔ اس کے ان مخالفت کرنے والوں کے خلاف یزید کا جنگ کرنا ہی جائز نہ تھا، مگر بندیالوی صاحب نے الٹی بات کردی کہ ان مخالفت کرنے والوں کو مخالفت کرنی جائز نہیں تھی وہ بغاوت تھی۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بہ کجا

اصل میں حدیث پڑھانے والوں کو شروحات کے دیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے محض اخباری اور تاریخی بیانات پر اعتماد کرنے والوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس جگہ مولانا محمد حسین نیلوی صاحب سے تعجب ہے کہ انہوں نے بھی اس پر گرفت نہیں کی، کیا وہ بھی ''بخاری شریف'' کی شروحات سے خود کو مستغنی سمجھتے ہیں؟ اور کیا مولانا بھی شہداءِ حرہ کو باغی سمجھتے ہیں؟

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر خلفیہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے، وہ اپنی بیعت پر قائم رہے اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسے محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بناء پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی۔ کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا؟ الخ!'' (مکتوبات ج ۱ ص ۳۸۷)

حضرت مدنی رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ: ''سمجھوں نے خلع کیا۔ الخ!'' اور مطلب یہ ہے کہ اہل مدینہ کی اکثریت نے جس میں عبداللہ بن حنظلہ، عبداللہ بن مطیع وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات موجود تھے یزید کی بیعت توڑ دلانے کا اعلان کرایا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''فخرج اهل المدينة مجموع كثيرة وهيئة لم ير مثلها'' (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۲۲) یزیدی لشکر کے مقابلہ میں اہل مدینہ کثیر جماعتیں لے کر نکلے کہ کبھی اس طرح کی صورت دیکھی نہ گئی تھی۔

مگر بندیالوی صاحب لکھ رہے ہیں: ''مسلمانوں کی متفقہ حکومت کے خلاف چند لوگ بغاوت کو کچلنے کے لئے۔ الخ!''

کیا یہ چند لوگ تھے؟ حقائق کو کس طرح توڑا مروڑا جارہا ہے۔ ناظرین! غور کریں حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جنہوں نے یزید کی ولی عہدی سے لے کر کبھی اس کی بیعت نہیں کی کیا اہل حل وعقد میں سے نہیں تھے؟ ان کے بغیر یزید کی حکومت مسلمانوں کی متفقہ حکومت کیسے بن گئی؟

یزید کی ظالمانہ وسفاکانہ کارروائی

''البدایۃ'' ج ۸ ص ۲۳۰ میں ہے کہ مسلم بن عقبہ نے تین دن قتل عام کا حکم یزید کے حکم کی بناء پر کیا تھا۔ کیا چند لوگوں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے تین دن قتل عام کا حکم کسی سمجھدار آدمی کی سمجھ میں آتا ہے؟ جب کہ بنوامیہ کے ایک ہزار آدمی بھی اہل مدینہ نے شہر سے نکال دیئے ہوں تو کیا یہ چند لوگوں کی کارروائی تھی؟ کیا اس ظالمانہ اور سفاکانہ کارروائی کا کوئی جواز تھا اور کیا چند لوگوں کی بغاوت کی یہ سزا تمام اہل مدینہ کو دی گئی تھی جن میں تابعین کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بھی شامل تھی؟ چنانچہ ''البدایۃ'' میں ہے:

''واباح مسلم بن عقبة المدينة ثلاثة ايام يقتلون من وجدوا من الناس ويأخذون اموال''

اور مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو تین دن کے لئے مباح قرار دیا جن لوگوں کو پاتے تھے قتل کر دیتے تھے اور ان کے اموال لوٹ لیتے تھے۔ ''وقتل خلفاء من اشرافها وقرائها وانتهب اموالا كثيرة فيها ووقع شر عظيم وفساد عريض الخ!'' (البدایہ ص ۲۲۱)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''واباح مسلم بن عقبة المدينة ثلاثاً فقتل جماعة صبرا منهم معقل بن سنان، ومحمد بن ابی الجهم بن حذيفة، ويزيد بن عبدالله بن زمعة الخ'' (فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۰۳) مسلم بن عقبہ نے تین دن کے لئے مدینہ کو مباح قرار دے دیا اور ایک جماعت کو صبراً قتل کیا جن میں سے معقل بن سنان، محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبداللہ بن زمعہ بھی ہیں۔

صبراً مقتول وہ حضرات ہیں جن کو گرفتار کیا گیا اور بیعت نہ کرنے پر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان میں معقل بن سنان صحابی رسول ﷺ بھی ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر اپنی قوم کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔

(الاصابہ ج ۳ ص ۴۴۶)

لشکر یزید کے قائد صحابی رسول نہ تھے

یہ بھی غلط ہے کہ لشکر یزید کی قیادت صحابی رسول کر رہے تھے مسلم بن عقبہ ہرگز صحابی نہیں تھے، ان کو حضور ﷺ کی زیارت ہی نصیب نہیں ہوئی ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان کا ترجمہ الاصابہ ج ۳ ص ۴۹۴ قسم ثالث میں لکھا ہے اور قسم ثالث میں ایسے لوگوں کا ترجمہ لکھا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا

زمانہ تو پایا ہے لیکن زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما صحابی ہیں اور جنگ حرہ میں اہل مدینہ کے قائدین میں وہ انصار کے قائد تھے اور حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ (جو بنی عدی میں سے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قبیلہ میں سے تھے) قریش کے قائد تھے ان دونوں کے صحابیت کے ثبوت کے لئے ''اکمال فی اسماء الرجال'' اور ''تہذیب التہذیب'' وغیرہ کتب ملاحظہ ہوں۔

بندیالوی صاحب کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باغی قرار دینا

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں یزید اور اس کے کمانڈو مسلم جس کو تاریخ میں مسرف یا مجرم اس کے اعمال بد کی وجہ سے جو اس نے اہل مدینہ کے ساتھ روا رکھے کہا جاتا ہے، کی حمایت بندیالوی کر رہے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باغی قرار دے رہے ہیں۔ اب بندیالوی سے تو انصاف کی امید نہیں ہے۔ آپ ہی انصاف کو آواز دے کر انصاف فرمائیں کہ کیا ''دفاع صحابہ'' اسی کا نام ہے۔

منقبت یزید ثابت کرنے کی ناکام کوشش

باقی رہی یہ بات کہ حضرت زین العابدین نے یزید کو صلی اللہ امیر المومنین کہہ کر دعا دی تھی۔ (طبقات ابن سعد) اور اس کا ترجمہ بندیالوی صاحب نے یہ کیا۔ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو اپنی رحمت میں ڈھانپے۔ حالانکہ طبقات ابن سعد مترجم ج ۵ ص ۲۲۰ میں اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو صلہ دے۔'' یہ مسرف نے کہا تھا کہ امیر المؤمنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے تو اس پر آپ نے ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان'' کے طور پر یہ کہا تھا جس کا ترجمہ

بند یالوی نے غلط کیا۔اس کے علاوہ اس کا پہلا راوی محمد بن عمر واقدی ہیں جو مشہور ضعیف الروایت ہیں۔ دوسرا ابو بکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ہے جو وضع احادیث میں متہم ہے۔ یزید کی منقبت ایسے ہی نا قابل اعتبار اور متہم بالوضع لوگوں سے ہی ثابت کی جاسکتی ہے جس کا نام آج کل ریسرچ رکھا ہوا ہے اور اتنی بات جو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے یزید کے حق میں کہی ہے اگر کسی کافر کے حق میں بھی کہی جائے تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔اس کہنے سے یزید کا واقعہ حرّہ سے بری الذمہ ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

اب ناظرین غور کے بعد انصاف فرمائیں کہ بند یالوی صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ: ''یزید کے دور میں جتنے اصحاب رسول زندہ تھے ان میں سے کسی ایک نے بھی یزید کے خلاف خروج کیا؟'' الخ (ص ۲۱) کیا واقعہ حرّہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کے خلاف خروج اور خلع نہیں کیا؟ اور کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تابعین کا مجمع کثیر نہیں تھا؟ حافظ ذہبی ''سیر اعلام النبلاء'' میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرزدق شاعر کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت کے لئے ترغیب دے کر روانہ کیا تھا، وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں: ''قلت هذا يدل على تصويب عبدالله بن عمرو للحسين في مسيره وهو رأى ابن الزبير وجماعة من الصحابة شهدوا الحرة'' (ج ۳ ص ۱۵۷)

یہ واقعہ اس بات کو بتلاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی رائے عبداللہ بن زبیر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی تھی جو واقعہ حرہ میں شریک ہوئے۔ بلکہ کربلا میں صحابی رسول انس بن الحارث رضی اللہ عنہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ شہید ہوئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی تھی۔

(تاریخ کبیر امام بخاری ج ۱ ص ۳۰، یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں)

بندیالوی صاحب کا امام احمد رحمہ اللہ پر الزام

بندیالوی صاحب کا یہ لکھنا کہ: ''امام احمد نے کتاب الزہد میں امیر یزید کا تذکرہ زمرہ تابعین میں سب سے پہلے کیا ہے۔'' (ص۲۱) بالکل غلط ہے۔ یہ امیر یزید اموی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہیں، جو مشہور زاہد و عابد گزرے ہیں۔ ان کا تذکرہ ''تہذیب التہذیب'' وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے۔

''میزان الاعتدال'' میں یزید کے بارہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

''لاینبغی ان یروی عنه'' ''اس سے روایت نہیں کرنی چاہئے۔

اور حافظ ابن حجر نے ''تعجیل المنفعة'' میں فرمایا ہے:

''ولم یقع له فی المسند روایة وانماله مجرد ذکر'' ''مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور نہیں صرف اس کا ذکر آیا ہے۔

اور ''تہذیب التہذیب'' میں بھی تصریح کردی ہے: ''ولیست له روایة تعتمد'' ''اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل اعتماد ہو۔

''لسان المیزان'' میں ہے: ''مقدوح فی عدالته ولیس باهل ان یروی عنه وقال احمد لاینبغی ان یروی عنه، انتهی۔ وقد وجدت له روایة فی مراسیل ابی داود ونبهت علیها فی النکت علی الاطراف'' اس کی روایت مجروح ہے اور یہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس کی کوئی روایت لی جائے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت نہ کرنی چاہئے (یہاں میزان الاعتدال کی عبارت تمام ہوئی) مجھے اس کی ایک روایت مراسیل ابی داود میں ملی ہے جس پر میں نے ''النکت علی الاطراف'' میں تنبیہ کردی ہے۔

(لسان المیزان ج۶، ترجمۃ یزید بن معاویۃ)

یزید کے متعلق ائمہ اربعہ کا مسلک

بندیالوی نے لکھا ہے: ''اہل سنت کے چار مشہور و معروف ائمہ میں سے کسی ایک امام نے یزید کے کفر کا فتویٰ دیا؟ یا اسے فاسق و فاجر کہا؟ یا اس پر لعنت کے جواز کا قائل ہوا۔'' (ص ۲۱) انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب باتیں ہوئیں مگر انصاف و فہم درکار ہے۔

علامہ دمیری ''حیوٰۃ الحیوان'' میں لکھتے ہیں، اس سے یزید کے بارہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک واضح ہوتا ہے۔

سئل الکیاالھرسی الفقیہ الشافعی عن یزیدبن معاویۃھومن الصحابۃ ام لا؟ وھل یجوز لعن ام لا فاجاب انہ لم یکن من الصحابۃ لانہ ولد فی ایام عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ واماقول السلف ففیہ لکل واحدمن ابی حنیفۃ ومالک واحمد قولان تصریح وتلویح ولناقول واحد التصریح دون التلویح وکیف لایکون کذلک وھوالمتصید بالفھد واللاعب بالنردومدمن الخمر (ج ۲ ص ۱۹۵)

الکیاالہراسی جو کہ شافعی فقیہ ہے سے یہ پوچھا گیا کہ یزید بن معاویہ صحابی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کو لعن طعن کرنا درست ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ صحابی نہیں ہے، کیونکہ وہ دور عثمان میں پیدا ہوا اور سلف میں سے ابوحنیفہ احمد اور مالک رحمہم اللہ کے اس بارہ میں دو قول ہیں۔ ایک میں تصریح ہے اور ایک میں تلویح ہے اور ہمارے لئے تو تصریح کا ہی ایک قول ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ وہ شیر کا شکار کرنے والا اور نرد کھیلنے والا اور دائمی شرابی تھا۔

ایک پرانا اعتراض

بندیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''آخری دو حوالوں کو ایک بار پھر

پڑھے۔ ملا علی قاری اور سید سلیمان ندوی نے اسلام کے خلفاء شمار کئے تھے تو چھٹے نمبر پر یزید کو شمار کیا.....'' (ص ۲۴)

یہ پرانا اعتراض شیعوں کا اہل سنت پر چلا آرہا ہے کہ یزید فاسق تھا۔ پھر اس کو بارہ خلفاء میں کیوں شمار کیا مگر اب حامیان یزید یہ کہنے لگے ہیں کہ یزید کو امیر المؤمنین بعض اکابر نے بھی کہا ہے بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے اگر وہ فاسق ہوتا تو یہ حضرات اس کے لئے امیر المؤمنین کا لقب کیوں استعمال کرتے؟ اور اس کو بارہ خلفاء میں شمار کیوں کرتے؟ حالانکہ اس وقت سربراہ مملکت اسلامیہ کو خلیفہ یا امیر المؤمنین کے الفاظ سے ہی مخاطب کیا جاتا تھا خواہ صالح ہوتا یا فاسق وفاجر۔

علامہ ابن تیمیہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ''اگر یزید کی امامت کے اعتقاد سے ان کی یہ مراد ہے کہ وہ خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین میں سے ہے مثل ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے تو یہ علماء مسلمین میں سے کسی کا بھی عقیدہ نہیں ہے..... بلکہ اہل سنت کی کتب سنن کی حدیث کے تحت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہو جائے گی اور یزید کی امامت سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ وہ جمہور مسلمین کا ان کے زمانہ میں بادشاہ اور خلیفہ اور صاحب سیف تھا جیسا کہ اس جیسے دوسرے خلفاء ہوئے ہیں۔ بنوامیہ اور بنوعباس میں سے۔''

(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۴۰)

یزید کو امیر المؤمنین کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صالح اور عادل تھا۔ چنانچہ ''شرح فقہ اکبر'' میں علامہ علی قاری نے بارہ خلفاء کی پیشین گوئی کے تحت یزید کا نام بھی پیش کیا ہے۔ حالانکہ ان کے نزدیک یزید ظالم وفاسق تھا۔ جیسا کہ: ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' کے اوپر کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''یزیدبن معاویه خودازیں میاں ساقط است عدم استقراء مدت معتدبهاو سوء سیرت او'' (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۲۴۱)

اور یزید بن معاویہ ان بارہ خلفاء کے درمیان سے ساقط ہے۔ بوجہ اس کے کہ معتد بہ مدت اس کی سلطنت مضبوط نہیں ہوئی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بری سیرت رکھتا تھا۔

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ

ایک دو حوالے غور سے پڑھ لئے جائیں تو یزید کے بارہ میں فیصلہ آسان ہو جائے گا۔ ومن اٰمن باللہ والیوم الآخر لایختار ان یکون مع یزید ولا مع امثالہ من الملوک الذین لیسوا بعادلین (فتاویٰ ج ۴ ص ۴۸۴)

اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اس کا حشر زید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے۔

یزید کا عقیدہ اور عمل دونوں خراب تھے

مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی ''سیر اعلام النبلاء'' میں فرماتے ہیں:

''یزیدبن معاویة کان ناصبیاً، فظاًغلیظاً، جلفاًیتناول المنکر یفعل المنکر افتتح دولته بقتل الشهید الحسین رضی اللہ عنه واختتمها بوقعة الحرة فمقته الناس ولم یبارک فی عمره وخرج علیه غیر واحد بعد الحسین کاهل المدینة لله'' (الروض الباسم ج ۲ ص ۳۶)

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ناصبی تھا، سنگدل بدزبان غلیظ جفا کار مے نوش، بدکار اس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین رضی اللہ عنہ شہید کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرّہ کے قتل عام پر اس لئے لوگوں نے اس پر پھٹکار بھیجی اور اس کی عمر میں

برکت نہ ہوسکی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے خلاف بغض للہ فی اللہ خروج کیا۔

جیسا کہ حضرت علامہ ذہبی تو یزید کے خلاف مقابلہ کرنے والے اہل مدینہ کو للہ فی اللہ خروج کرنے والے لکھتے ہیں اور اس کی مثال میں اہل مدینہ کے مقابلہ کو پیش کر رہے ہیں، مگر بندیالوی ان کے خروج کو بغاوت، مستوجب تعزیر بغاوت لکھتے ہیں۔

یزید جس کے عقائد اور اعمال دونوں خراب تھے ایسے شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گن گانا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟ حضرت ابن تیمیہ کا فتویٰ اوپر گزرا کہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا شخص یزید کے ساتھ اپنا حشر پسند نہیں کرے گا۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے حوالہ ذیل کو ایک بار غور سے پڑھئے وہ اوّل تو لکھتے ہیں:

''یزید کی تخت نشینی کی بلاء اسلام پر'' پھر اس کے تحت لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اوّلین شب ہے۔'' الخ! (سیرت النبی ج ۳ ص ۷۰۹)

مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق یزید کے بارہ میں آپ نے سن لی اور خلفاء میں نام لکھنے کی وجہ اوپر معلوم ہو چکی۔

بندیالوی کا یزید کی منقبت کرنا

بندیالوی صاحب کی کتاب میں مستقل عنوان ''کیا یزید واقعی فاسق وفاجر تھا'' بڑی مرکزیت کا حامل ہے اور اس کے تحت بندیالوی نے یزید کی

صفائی اور تعریف وتوصیف میں بڑا زور لگایا ہے اور ان کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کے خیال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع نہیں ہوسکتا تھا اور ایک فاسق وفاجر کو ولی عہد بنانے کے الزام سے وہ بری نہیں قرار دیئے جاسکتے تھے۔ پھر نہ معلوم بندیالوی کو کس چیز نے مرعوب کیا ہوا ہے جو کھل کر یزید کی صفائی پیش کرنے اور اس کو اپنی تصنیف کا مرکزی عنوان بنانے سے گریز کررہے ہیں اور لکھتے ہیں کہ: ''میری تصنیف کا مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا یا تعریف وتوصیف کرنا نہیں تھا۔''

کیوں نہیں؟ کیا آپ کا مرکزی عنوان دفاع صحابہ نہیں ہے؟ اور یزید کی صفائی اور تعریف وتوصیف کے بغیر یہ عنوان نامکمل رہتا ہے تو پھر آپ اس کو مرکزی عنوان بنانے سے کیوں کتراتے اور گریز کررہے ہیں۔ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے نزدیک صحابی نہیں ہیں؟ یا ان کا دفاع ضروری نہیں ہے؟ یا آپ بھی ''شیعہ پروپیگنڈے'' سے متاثر اور عوامی دباؤ سے خوف زدہ ہیں؟ اس لئے یزید کی صفائی اور تعریف وتوصیف کا حوالہ مرکزی عنوان بنا کر نہیں ہو رہا اور اس کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ تذکرہ توضمناً آ گیا اور مخالفین نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ (ص ۱۸)

اب ناظرین اس ضمناً تذکرہ کی حقیقت معلوم کریں۔ اوّل تو ساری کتاب ہی یزید کے مناقب وفضائل اور تعریف وتوصیف میں بھری پڑی ہے کہ اس کے صاحب مناقب وفضائل ثابت کئے بغیر اور اس کی تعریف وتوصیف کے بغیر ان کے نزدیک ان کا بنیادی مقصد دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے کیا یزید واقعی فاسق وفاجر تھا کے تحت نوصفحات یزید کی صفائی اور تعریف وتوصیف اور اس کے دفاع میں بھر دیئے کیا اس کو ''ضمناً تذکرہ آ گیا تھا'' کا نام دیا جاسکتا ہے؟

ہماری گزشتہ تحریر سے واضح ہوگیا کہ ابن خلدون وغیرہ محققین کی تحقیق کے مطابق جب یزید کا فسق ظاہر ہوا تو اس کا مقابلہ کیا گیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی وجہ بھی یزید کا فسق ہی تھا۔

بندیالوی صاحب کی دروغ بیانی

اب رہا بندیالوی صاحب کا یہ دعویٰ کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کا ایک ارشاد بھی ایسا نہیں ہے جس میں یزید کو فاسق و فاجر کہا گیا ہو۔''

(ص ۸۹)

اس کے بارہ میں گزارش ہے کہ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۳۶ میں ہے: ''۶۳ھ میں اہل مدینہ کا ایک وفد جس میں عبداللہ بن حنظلہ، وعبداللہ بن ابی عمرو بن حفص بن مغیرہ مخذومی و منذر بن زبیر وغیرہ شرکاء مدینہ تھے شام کو روانہ کیا۔ جب عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اہل مدینہ ملنے کو حاضر ہوئے اور حال دریافت کیا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ ہم ایسے نااہل کی طرف سے آئے ہیں جس کا نہ کوئی دین ہے اور نہ کوئی مذہب، شراب پیتا ہے، راگ سنتا ہے۔ واللہ! اگر کوئی مہدی من اللہ ہوتا تو اس پر جہاد کرتا..... اہل مدینہ یہ سن کر یزید سے اور متنفر ہوگئے۔ عبداللہ بن حنظلہ نے یزید کی معزولی کی درخواست پیش کی، لوگوں نے بہ کمال خوشی ورغبت منظور کیا۔

(خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۵۴۷)

اور طبقات ابن سعد حصہ دوم ص ۸۴ پر بھی شراب پینے کا تذکرہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما نے کیا ہے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی یزید کے شراب پینے کا الزام لگایا ہے۔ (انساب الاشراف ج ۴ ص ۲۳)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور اہل مدینہ کے وفد جس کے قائد عبداللہ بن

حنظلہ رضی اللہ عنہما جیسے زاہد اور متقی صحابی تھے، علی الاعلان یزید کو شراب پینے والا کہہ رہے ہیں اور اہل مدینہ کھلم کھلا یزید کو شرابی قرار دے کر اس کی بیعت توڑنے کا منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اعلان کر رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۱۸)

پھر نہ معلوم بندیالوی نے یزید کے فاسق و فاجر ہونے کے بارہ میں کسی صحابی کے ایک ارشاد کا ہی کیوں انکار کر رہے ہیں اور یزید کی صفائی دے رہے ہیں۔ کیا ان کے نزدیک عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم صحابی نہیں ہیں؟

بندیالوی صاحب کی حمایت یزید اور اصول کی نظر اندازی

باقی رہا محمد بن علی (حنفیہ) کی صفائی کا قول نقل کرنے کے بعد بندیالوی صاحب کا یہ لکھنا کہ محمد بن علی کے بیان کے سامنے بعد میں آنے والوں کی سنی سنائی اور بنی بنائی جھوٹی باتیں قطعاً قابل قبول نہیں ہوسکتیں۔ (ص ۹۳) اس پر ناظرین غور کریں کہ یزید کی حمایت میں بندیالوی صحیح اصولوں کو کس طرح پامال کر رہے ہیں۔

(الف) عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابی ہیں اور محمد بن علی صحابی نہیں، صرف تابعی ہیں اور ''الصحابۃ کلھم عدول'' کے مسلمہ اصول کو چھوڑ کر بندیالوی ان صحابہ کو مجروح اور ناقابل قبول قرار دے رہا ہے۔ کیا دفاع صحابہ اسی کا نام ہے؟

(ب) دوسرے عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کے وفد کی یزید کے بارہ میں باتیں سنی سنائی نہیں وہ خود یزید کے پاس رہے تھے اور اس کے حال کی تفتیش کے لئے ہی گئے تھے اور اصول حدیث کا مسلمہ اصول ہے ''الجرح مقدم علی التعدیل'' مگر بندیالوی اس اصول کے صراحۃً خلاف کر رہا ہے۔

(ج) تیسرے یہ کہ اگر محمد بن علی اور ان اصحاب کرام کے اقوال میں تعارض ہو تو ترجیح کے لئے ان قواعد کی ضرورت ہے اور ان پر عمل کرتے ہوئے یزید کو مجروح قرار دیا جائے گا۔ وگرنہ ایک صورت تطبیق کی بھی ہے کہ دونوں اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے یزید کا حال کچھ اور تھا اور پھر کچھ اور ہو گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے گرامی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول ''بے شک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں سے ہیں'' کا جواب بھی اگر یہ صحیح سند سے ثابت ہو، اسی سے ہو گیا کہ یہ پہلے کی رائے ہے۔ آخری رائے ان کی اس خط سے معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے واقعہ حرہ کے بعد یزید کو لکھا ہے کہ:

''یہ سب کچھ تو نے خدا رسول اور ان اہل بیت کی عداوت میں کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک صاف کر دیا تھا تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے۔'' (الکامل ص ۴۹)

امارت حج و جہاد اور امامت سے یزید کی عدالت ثابت کرنا

اب رہا معاملہ یزید کی امارت میں حج اور جہاد کا ادا کرنا اور اس کا جنازہ پڑھانا۔ (ص ۹۴) جس کو یزید کی عدالت ثابت کرنے کے لئے بندیالوی نے بڑے زور شور سے پیش کیا ہے۔ لکھا ہے:

''یزید اگر فاسق و فاجر ہوتا تو ۵۱، ۵۲، ۵۳ھ میں مسلسل تین سال سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہزاروں تابعین رحمہم اللہ اور خاص کر کے حضرت سیدنا..... رضی اللہ عنہ اس کی امارت میں فریضہ حج ادا نہ کرتے۔''

''یزید اگر فاسق وفاجر ہوتا تو جہاد قسطنطنیہ میں سینکڑوں اصحاب پیغمبر اور ہزاروں تابعین اس کی قیادت وامارت اور سپہ سالاری میں جہاد کے لئے نہ جاتے اور اس کی امامت میں نمازیں ادا نہ کرتے۔''

''یزید اگر فاسق وفاجر ہوتا تو میزبان رسول حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے لئے جید صحابہ کرام اسے اپنا امام نہ بناتے۔''

ناظرین! آپ دیکھ رہے ہیں یہ ہیں وہ بندیالوی صاحب جنہوں نے لکھا تھا کہ: ''میری تصنیف کا مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا یا تعریف وتوصیف کرنا نہیں تھا۔'' اگر مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا ہوتا تو نہ معلوم پھر اس سے زائد وہ کون سے دلائل صفائی میں پیش کئے جاتے جن کے پیش کرنے کی حسرت بندیالوی کے دل میں رہ گئی۔

بندیالوی صاحب کا مذہب اہل سنت والجماعت کو چھوڑنا

نماز کی امامت کے لئے اگرچہ امام کا صالح اور نیک ہونا بہتر ہے لیکن فاسق کے پیچھے بھی نماز ہوجاتی ہے اور اس کو مذہب اہل سنت والجماعت کے عقائد میں شمار کیا گیا ہے۔ ''شرح فقہ اکبر'' میں ہے:

''ونصلی خلف کل بر وفاجر'' (ص ۹۲) اور مذہب اہل سنت والجماعت میں یہ بھی ہے کہ ہم ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیں اور امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ عقائد اہل سنت والجماعت میں لکھتے ہیں:

''ونری الصلوۃ خلف کل بر وفاجر من اھل القبلۃ وعلی من مات منھم'' نیک ہو یا بد ہم اہل قبلہ کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کا جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (عقیدہ طحاویہ)

امام ابوبکر الجصاص الحنفی المتوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں:

''فان قیل هل یجوز الجهاد مع الفساق؟ قیل له: ان کل احد من المجاهدین فانما یقوم بغرض نفسه فجائز له ان یجاهد الکفار وان کان امیر الجیش و جنوده فساقا وقد کان اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء الفساق وغزا ابو ایوب الانصاری مع الیزید اللعین'' (ج ۳ ص ۲۱۹)

اگر یہ کہا جائے کہ کیا فساق کے ساتھ ہو کر جہاد جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدین میں سے جو بھی اپنی طرف سے جہاد کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ کفار سے جہاد کرنا جائز ہے۔ اگرچہ امیر لشکر اور اہل لشکر فاسق ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب خلفائے اربعہ کے بعد فاسق امیروں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید لعین کے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔

یہ ہے احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا مسلک یعنی فاسق وفاجر امام وحاکم کی بھی اقتداء جائز ہے اور اس کی قیادت میں کفار سے جہاد بھی جائز ہے۔ لہٰذا اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں اور جہاد کیا ہے تو یہ اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یزید صالح وعادل تھا۔ امام ابوبکر جصاص نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یزید کے ساتھ جہاد کرنے کی نظیر ومثال کا ذکر کیا ہے کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم امراء فساق کے ساتھ ہو کر جہاد کرتے تھے مگر اس سے ان کے فسق کی نفی نہیں ہوتی لیکن بندیالوی کو اس کی خبر نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے استادوں سے پوچھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی بیعت کی حقیقت

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یزید کی بیعت کرنا اور اپنے خاندان

کے لوگوں کو اس کی بیعت کے توڑنے سے روکنا اس کے عادل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بندیالوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ''ہم نے بخوشی ورضا بیعت کرلی ہے۔ میرے خاندان میں سے جو یزید کی بیعت توڑے گا، میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' (ص ۹۱)

اور لکھا ہے: ''یزید اگر فاسق وفاجر ہوتا تو سینکڑوں اصحاب رسول اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی بیعت کبھی نہ کرتے۔'' (ص ۹۳)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کرلی یا جن صحابہ نے مخالفت نہیں کی اور بے تعلق ہوکر گوشہ نشین ہو گئے تھے، ان کے پیش نظر وہ احادیث نبوی ﷺ تھیں جن میں تصریح ہے کہ خواہ حبشی غلام گنجا بھی حکمران ہوجائے اور خواہ تم امیر میں برائی بھی دیکھو تو جب تک اس سے کفر بواح سرزد نہ ہو۔ اس کی اطاعت کرتے رہو اور اس کی بیعت نہ توڑو۔ امام اعظم اور امام احمد بن حنبل نے بھی ان احادیث سے مسلک عدم خروج ہی سمجھا ہے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یزید کی بیعت یا عدم خروج کا مسلک ان ہی احادیث کے تحت اختیار فرمایا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت یا عدم مخالفت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یزید ضرور صالح وعادل تھا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ دور فتنہ کا تھا اور اس کے احکام جدا ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا یرون الخروج علی الائمة وقتالهم بالسیف وان کان فیهم ظلم کما دلت الاحادیث الصحیحة المستفیضة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم لان الفساد فی القتال والفتنة اعظم من الفساد والحاصل بظلمهم دون القتال'' (منہاج السنۃ ص ۸۷)

اہل سنت کے مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمان وقت کے خلاف خروج کرنے اوران کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے۔ اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی کریم ﷺ سے احادیث مستفیضہ (مشہورہ) دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ حاکمان وقت سے جنگ وجدال کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے، جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہوا۔

دور فتنہ کے بارہ میں احادیث

''صحیح بخاری'' میں آنحضرت ﷺ کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے:

''عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبۃ'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حکم مانو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو، حاکم مقرر ہو جائے۔ (کتاب الفتن باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ)

''صحیح مسلم'' میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یہی ارشاد نبوی منقول ہے۔ ''یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کہ حکم مانوں اور اطاعت کروں اگر وہ یعنی امیر حبشی غلام ہو جس کے سر پر بال نہ ہوں۔'' (ص ۳۱۴)

''دعانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعنا فقال فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعۃ فی نشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا وان لاننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان''

(صحیح بخاری ج ۲ کتاب الفتن)

ہمیں آنحضرت ﷺ نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی طاعت کرنا بھی تھا۔ اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ

کرنی پڑے اور یہ کہ حکومت کے بارہ میں ہم برسر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں، جب تک کہ اس سے کھلم کھلا کفر ظاہر نہ ہو، جو اس کے خلاف خروج کو جائز کردے اور اللہ کی طرف سے اس بارہ میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

دور یزید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کا بے تعلق رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مبنی تھا اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت کی ہے۔ ان کے سامنے وہی احادیث تھیں جن میں ظالم وجابر امیر کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت واطاعت کی اور طاقت سے اس کی مخالفت نہیں کی تو اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ ظالم جابر نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکمرانوں کی بھی اطاعت اور صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ یزید عادل تھا، فاسق نہیں تھا اور بندیالوی کا یہ لکھنا بھی لغو ہے کہ یزید اگر فاسق ہوتا تو سینکڑوں اصحاب رسول اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی بیعت کبھی نہ کرتے۔

دراصل بندیالوی احادیث صحیحہ کے مطالب اور اصول اہل سنت سے ناواقف ہے۔ اس لئے وہ اپنی تحریر میں اکثر اہل سنت کے مسلک سے خروج کر جاتا ہے اور ایسی باتیں لکھ دیتا ہے جو اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہوتی ہیں جس کی ایک مثال یہ بھی ہے اور پہلے بھی اس کی مثال گزری ہے۔

مولانا محمد حسین نیلوی صاحب

تعجب بالائے تعجب مولانا محمد حسین نیلوی پر ہے کہ وہ مدرس ہونے کے باوجود ایسی اصولی غلطیوں کی اصلاح نہیں کرتے اور نادانستہ اور غیر شعوری طور پر شیعیت کی تصدیق کر جاتے ہیں۔ انہوں نے کم از کم شرح عقائد اور اس کی شرح میں تو پڑھا ہوگا:

''ولا یشترط فی الامام ان یکون معصوماً ای معصوماً عن الذنوب خلافا للشیعة'' یہ تو شیعہ عقائد میں سے ہے کہ فاسق کی امامت صحیح نہیں ہے۔ اہل سنت کے یہاں یہ شرط نہیں کہ امام فاسق نہ ہو۔

وعند الحنفیة لیست العدالة شرطاً للصحة فیصح تقلید الفاسق الامام مع الکراھة۔ (نبراس ص ۳۱۸)

مولانا نیلوی کو تو اہل سنت و اہل تشیع کے مذہب میں امتیاز کرنا ضروری تھا۔ ان کو تو یہ زیبا نہیں کہ وہ تشیع کے اصول کی تصدیق کرتے چلے جائیں۔ کتابیں پڑھنے پڑھانے والوں کو تو اس قدر غفلت اپنے مذہب اہل سنت سے نہیں ہونی چاہئے۔ مگر مولانا بغیر غور کئے ایسی ہی عامیانہ باتیں لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً اپنی تقریظ میں لکھا ہے: ''احادیث میں صحابہ کرام کی اولاد کو جنتی کہا گیا ہے۔'' حوالہ نہیں دیا گیا۔ یہ تو شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت کی اولاد سب جنتی ہے۔ چاہے اعمال، عقائد کتنے ہی خراب ہوں۔ کیا یہ عقیدہ اہل تشیع کے عقیدہ کے موافق نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد جنتی ہے۔ عقائد و اعمال کچھ بھی ہوں؟ اور لکھا ہے: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سوائے حضرت سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کسی نے اس کے خلاف تحریک نہ چلائی۔'' نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ ان کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کی یزید کی خلاف تحریک کیوں نظر نہیں آئی؟ نیز عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما صحابی اور ان کے ہمراہ خلع بیعت کرنے والے کیوں نظر نہیں آرہے؟

ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو نظر انداز کر کے ہی تو آپ لوگ خود ہی شیعوں کو یہ کہنے کا موقع پیدا کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ ایسے وقت میں چپ بیٹھے رہے۔ وغیرہ وغیرہ! یہ شیعہ کی ہمنوائی کون کر رہا ہے؟ اور شیعہ کی زبان کس کے منہ میں بول رہی ہے اور شیعہ کی ترجمانی کر رہی ہے؟

آپ لکھتے ہیں کہ: ''آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا ان پر جہنم حرام ہے۔'' سنا ہے کہ آپ حدیث بھی پڑھاتے ہیں بلکہ ''شیخ الحدیث'' کہلاتے ہیں۔ کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ صحابی کا دیکھنے والا خواہ کچھ بھی کرے اس پر جہنم حرام ہے؟ ماشاء اللہ! چشم بددور، پھر تو جس نے کسی صحابی کو دیکھا ہو اس کے بارہ میں یہ بات آپ کو تسلیم کر لینی چاہئے کہ جہنم اس پر حرام ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور بلوائیوں کا سرغنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کا قاتل ابن ملجم خارجی بھی اس حدیث کا مصداق ہوگا۔ کیونکہ ان سب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارتیں کی ہیں۔

مولانا کی عادت معلوم ہوتی ہے کہ غیر تحقیقی بلکہ غیر متعلق امور کا ذکر حدیثوں کے تحت کر دیتے ہیں۔ آپ کی استدلالی حالت ''تعلیم القرآن'' میں بھی بہت ہی کمزور اور غیر متعلق ہوتی ہے۔ ان کی کتاب ''شفاء الصدور'' پر مولانا احمد حسین سجاد بخاری مرحوم نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مولانا نیلوی کے بعض استدلالات کا حال اس مثل کا مصداق ہے۔ ''ماروں گھٹنہ پھوٹے آنکھ'' مطلب یہ ہے کہ بعض استدلال بے جوڑ ہوتے ہیں جیسے گھٹنے پر مارنے سے آنکھ کیسے پھوٹ گئی؟

البتہ ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک امیر کبیر کے دربار میں ایک شخص رکھا ہوا تھا وہ امیر صاحب کے ایسے ہی بے جوڑ کلام کو جوڑنے کی کوشش کرنے پر مامور تھا۔ اس کو اسی بات کی تنخواہ ملتی تھی۔ ایک دن امیر صاحب نے اپنی ترنگ میں آکر مجلس میں اپنا کارنامہ بیان کیا کہ ہم نے ہرن کے گولی ماری تو سم توڑ ماتھا پھوڑ کر نکل گئی۔ سب درباری حیران ششدر رہ گئے۔ اس کلام خسروانہ کا نہ معلوم کیا مطلب ہے؟ سم اور ماتھے میں کیا جوڑ ہے؟ سم پیروں میں ہوتا ہے، ماتھا سر میں ہے۔ پیر و سر میں کیا جوڑ ہے اور وہ گولی کیسی کلب معلم (سیکھے ہوئے

کتے کی طرح) تھی کہ پیر پر لگ کر ماتھے پر بھی آ لگی۔

اتنے میں وہ مامور شخص بولا کہ جناب نے صحیح فرمایا، اس وقت وہ ہرن اپنے سم سے ماتھے کو کھجلا رہا تھا وہ گولی بیک وقت دونوں کو لگ گئی۔ اب ایسا ہی کوئی ذہین شخص مولانا نیلوی کی باتوں کی تصحیح پر مامور ہو تو وہ شاید ان کی تصحیح کرتا رہے اور اتفاقیات سے کلیات بناتا رہے۔ ہم تو سمجھتے تھے مولانا اب تجربہ کار اور پختہ کار ہو گئے ہیں۔ اب وہ ایسی کچی باتیں نہیں کرتے ہوں گے، مگر ان کی تو ''وہ چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی اب بھی ہے۔''

''شفاء الصدور'' کے سلسلہ میں مولانا محمد اسماعیل مرحوم سے تحریری گفتگو ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم نے علمی استدلالی غلطیوں کے علاوہ عربی کی نحوی غلطیوں کی بھی نشاندہی کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ مولانا کی عربیت بہت خام ہے۔ وہ تحریریں محفوظ ہیں اور اہل علم کے دیکھنے کی چیز ہے۔

مولانا کے استدلال کی خامی دیکھئے، اس حدیث سے وہ شخص جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہو بغیر روک ٹوک کے جنتی بنا دیا، اور یہ تاثر بھی دیا کہ گویا (شرح فقہ اکبر میں ص ۸۸) اس حدیث کی بنا پر ہی یزید کے ایمان کو ثابت کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایمان یزید پر کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ مگر مولانا لکھتے ہیں:

''اسی لئے علماء تحقیق تحریر کرتے ہیں: ''ولا یخفی ان ایمان یزید محقق'' (شرح فقہ اکبر ص ۸۸) ''ونسبة الکفر الی یزید بن معاویة حرام'' (نزہۃ الخواطر ص ۵۱۴) اور ارشاد نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کا بیٹا مؤمن ہی ہے۔'' (ص ۳)

اس استدلال میں غور کیا جائے کیا۔ ''الصحابة کلهم عدول'' کی طرح کوئی کلیہ ''التابعی کلهم عدول'' کا بھی اصحاب اصول سے ثابت کیا جا

سکتا ہے کہ جس طرح ہر صحابی عادل ہے اسی طرح ہر تابعی بھی عادل ہے۔

بات فسق یزید کی چل رہی ہے اور بیچ میں مسئلہ لے آئے ایمان یزید کا کیا ایمان کے ساتھ فسق جمع نہیں ہوسکتا؟ کہیں خوارج کا مذہب تو اختیار نہیں کر لیا کہ فسق کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوسکتا۔

اصل میں ضرورت ہے کسی ''پختہ کار'' کے غلام بننے کی اور اس کی خدمت میں رہنے کی اور ''تو غلامے پختہ کارے شو'' پر عمل کرنے کی مگر مولانا کی حالت تو ایسی ہی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے ''مزاج تو از حال طفلی نہ گشت'' کے مصداق ہوں۔ انہوں نے ایسی ہی طفلانہ اور خام باتیں اپنی تقریظ میں لکھ دی ہیں۔ مثلاً لکھا ہے کہ: ''بلکہ شیر خوار بچوں اور عورتوں کو لے کر جا رہے ہیں کہاں؟ کوفہ میں کیوں حکومت وقت سے ٹکر لیتے ہو..... بھلا شیر خوار بچے اور عورتیں کیا جہاد کریں گی۔ الخ! (ص ۵)

ناظرین! غور کریں کیا یہ طفلانہ باتیں نہیں ہیں؟ کوفہ میں جانا وہاں کے لوگوں کی دعوت پر تھا اور حکومت وقت سے ٹکر لینے کے لئے مقام اور قلعہ بنانے کی غرض سے تھا نہ کہ شیر خوار بچوں اور عورتوں کو جہاد میں شرکت کے لئے لے جا رہے تھے۔ ایسی بات کوئی شیر خوار بچہ ہی سوچ سکتا ہے۔ پھر آپ کہتے ہیں: ''عورتیں کیا جہاد کریں گی جب کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا عورتوں کا جہاد تلوار سے نہیں بلکہ حج کرنا جہاد ہے۔'' (ص ۵) نہ معلوم یہ حدیث میں کہاں ہے کہ یہ حکم ہر وقت کا ہے کیا ہجوم عدو کے وقت عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہو جاتا؟ کیا آپ اس وقت بھی یہ کہہ کر عورتیں کیا جہاد کریں گی سب کو روکنے کی سعی کریں گے اور حکم شریعت کی خلاف ورزی پر عورتوں کو آمادہ کریں گے؟ آپ لکھتے ہیں کہ: ''ایک پمفلٹ نے فسق یزید کے نام سے جنم لیا، یہ پمفلٹ ان کے ظہور تشیع کی واضح دلیل بھی ہے۔'' (ص ۱)

جب آپ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ: ''ایک ہی راوی کو ایک محدث ثقہ کہتا ہے اور اسی راوی کو دوسرا محدث غیر ثقہ قرار دیتا ہے اور یہی حال یزید کا بھی ہے۔'' الخ! (ص ۳)

یزید کے خلاف اس قدر منظم پروپیگنڈا کیا گیا کہ جس سے بہت سے لوگوں کو دھوکہ لگا اور بڑے بڑے علماء اس سے متاثر ہوئے (ص ۳) تو پھر فسق یزید کے قائلین کو لازماً تشیع کی تہمت لگانے کا کیا جواز ہے؟ شاید وہ بھی پروپیگنڈے سے متاثر ہوں، کیا بڑے بڑے علماء پر بھی تشیع کی تہمت لگانی جائز ہوگی؟ اگر کسی تاویل سے ان کو اس تہمت سے بچایا جاسکتا ہے تو ''فسق یزید'' کے مؤلف نے کیا خطاء کی جو اس قائل سے اس کو محروم کر کے اس پر تشیع کا الزام لگا دیا۔

آپ نے جو لکھا ہے کہ: ''جب حقیقت حال کسی کو معلوم ہوئی تو وہ اصل بات سمجھ گئے اور اس غلط پروپیگنڈے کا رد کیا۔'' (ص ۳) مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ وغیرہ اکابر علماء دیوبند میں سے باحوالہ کسی سے اس غلط پروپیگنڈے کا رد دکھلایا جائے اور ثابت کیا جائے کہ ان حضرات میں سے کسی نے ''فسق یزید'' کا رد کیا ہے۔ آپ اس سے تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اکابر علماء دیوبند نے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر فسق یزید کا قول کیا تھا۔ حقیقت حال معلوم ہونے پر اس کا انہوں نے رد کر دیا۔ اس کا ثبوت درکار ہے۔ آپ ثابت کریں کہ علماء دیوبند نے کس جگہ اس کا رد کیا؟ کتاب کا حوالہ دیں۔

اور یہ جو الزام دیا ہے کہ: ''جب کہ ان اکابر تعزیہ تابوت کو کندھا دینے کے لئے بھی تیار تھے۔'' (ص ۲) حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے یہ الزام کیسے دے دیا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو ہو سکتا ہے کہ یہ ''تعلیق بالمحال'' کے قبیل سے ہوگا۔

''قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین'' قرآن کریم میں ہے تو کیا مولانا کے نزدیک اس سے ولد رحمن کی عبادت پر آمادگی کا اظہار مقصود ہوگا؟ مولانا الزام دیتے ہوئے آگے پیچھے بالکل نہیں دیکھتے نہ یہ دیکھتے ہیں کہ الزام کہاں تک پہنچے گا۔

دوسرے یہ الزام اصول شرعیہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اگر مولانا کو معلوم ہوتا کہ اثارت فتنہ اور بڑے شر سے بچنے کے لئے چھوٹی برائی کو برداشت کرنا بھی شریعت ہی کے اصول میں داخل ہے اور اختیار ''اھون البلیتین'' بھی شریعت کا ہی اصول ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اثارت فتنہ اور خون خرابہ کے بڑے شر سے بچنے کے لئے یزید کے فسق کو برداشت کرلیا تھا کہ اس کا شر لازمی تھا اور دوسرا متعدی، تو مولانا یہ الزام ہرگز نہ دیتے۔ مگر انہوں نے تو الزام دیتے وقت علمی سطح سے بہت نیچے اُتر کر عامیانہ انداز اختیار کرلیا۔ بہت افسوس کی بات ہے اہل علم کے لئے اس طرح کا گھٹیا طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔

سرِ دست ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ واللہ ولی الھدایۃ والتوفیق ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ آمین وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔

عباسی صاحب
حقیقتاً کیا تھے؟

(فیصلہ کن اشارات)

جناب حکیم سید محمود احمد برکاتی رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عباسی صاحب حقیقتاً کیا تھے؟

(فیصلہ کن اشارات)

مردود و مطرود ناصبی محمود عباسی صاحب کے متعلق ان ہی کی جاننے والی ایک علمی، ادبی اور خاندانی شخصیت جناب حکیم سیّد محمود احمد برکاتی کی تحریر ۳۰ر مارچ ۱۹۸۰ء کی تحریر کردہ کو کتاب ''سیّدنا علیؓ و سیّدنا حسینؓ'' کے ص ۳۱۹ سے ص ۳۲۵ تک ضمیمہ کے طور پر شامل کیا گیا۔

ہم نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو علیحدہ سے ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں مستقل ٹائٹل سے نمبر ستائیس (۲۷) پر شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۵) محمود احمد عباسی صاحب مرحوم سے میرا تعارف پاکستان آکر غالباً ۱۹۵۳-۵۴ء میں ہوا تھا۔ انہیں کسی کتاب کی ضرورت تھی، اس لئے کسی کی نشان دہی پر میرے یہاں آئے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے استادِ امام طب حکیم فرید احمد صاحب عباسی مرحوم ومغفور کے چھوٹے بھائی ہیں تو ایک قرب کا پہلو نکل آیا اور طرفین کی آمد ورفت شروع ہوگئی۔ ان کے اور ان کے اہل وعیال کی خدمتِ علاج کے بھی مواقع بارہا ملے۔

کچھ ہی دن کے بعد ان کی کتاب کے چرچے علمی حلقوں میں شروع ہوئے، مگر مطالعے کی لت کے باوجود مجھے اس کتاب کے مطالعے کی اُکساہٹ نہیں ہوئی؛ کیونکہ اہل تسنن اور اہل تشیع کے اختلافات میرا موضوعِ فکر و مطالعہ ہیں، نہ میری اُفتادِ مزاج کو خلافیات سے کوئی مناسبت ہے، نہ میں ان مناقشات کو اُمتِ محمدیہ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) کے حق میں مناسب اور مفید سمجھتا ہوں اور تاریخی، کلامی یا فقہی مسالک کے اختلاف کے بجائے عقائد کے اشتراک اور متفق علیہ امور پر نگاہ رکھتا ہوں۔ بہرحال، میں یہ کتاب نہ پڑھ سکا، مگر ایک بار خود عباسی صاحب مرحوم ہی نے مجھے ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' عنایت فرمائی تو اسی مطالعے کی لت کے ہاتھوں اس کا مطالعہ کرگزرا اور خلافِ مزاج پاکر الماری میں سجادی، اور یوں عباسی صاحب کے افکار وآراء کا تعارف حاصل ہوگیا۔

لیکن اس موضوع پر ان سے گفتگو کی کبھی نوبت نہیں آئی، حالانکہ انہوں نے بارہا سلسلہ چھیڑا۔ مثلاً ایک بار انہوں نے فرمایا: ''تم حسنی سید ہو یا حسینی؟''۔ میں اس سے پہلے کئی حضرات سے سن چکا تھا کہ وہ شجروں اور انساب پر گفتگو کرتے ہیں، اس لئے تڑاخ سے جواب دیا کہ: ''میں نے آپ سے کب کہا کہ میں سید ہوں؟'' اس پر وہ خاموش ہوگئے۔

اسی طرح میں نے جب سرسید مرحوم کی کتاب ''سیرتِ فریدیہ'' ایڈٹ کی اور اس کے مقدمہ میں سرسید کے سیاسی کردار پر تنقید کی تو عباسی صاحب ایک روز فرمانے لگے: ''کل ہمارے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ تمہارے عزیز (میری طرف اشارہ تھا) نے تمہارے مقتداء (سرسید) پر بڑی سخت تنقید کی ہے'' تو میں نے برجستہ جواب دیا کہ: ''جی

ہاں، وہ صاحب مجھ سے بھی کہہ رہے تھے، مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب عباسی صاحب نے ہمارے نانا (سیدنا حسینؓ) کو نہیں بخشا تو ہم ان کے مقتداء کو کیوں بخشتے؟'' اس پر وہ بڑی دیر تک ہنسے اور بات آئی گئی ہوئی۔

عباسی صاحب سے ان ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ معمولی صلاحیتوں کے آدمی تھے؛ عربی غالباً بالکل نہیں جانتے تھے، فارسی پر بھی عبور (۱) نہیں تھا۔ میں نے ان کو فارسی کی غلط عبارتیں پڑھتے کئی بار سنا ہے۔ تحریر کا کام بھی وہ مسلسل نہیں کرتے رہے؛ آغازِ عمر میں ''تاریخ امروہہ''، ''تحقیق الانساب'' اور ''تذکرۃ الکرام'' لکھی تھیں، اس کے بہت عرصے بعد ۷۰ سال سے زیادہ کی عمر میں ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' لکھی۔ اس کتاب کے سلسلے میں ان کو متعدد اہلِ علم وقلم کا تعاون حاصل تھا، جن میں سے ایک نام کے متعلق مجھے تحقیق ہے اور وہ ہے ''مولانا تمنا عمادی'' کا نام، جو ان کے لئے کتبِ تاریخ سے اقتباسات اور ان کے ترجمے لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ایک بار وہ عباسی صاحب کے یہاں چند روز مقیم بھی رہے اور وہاں بھی میں نے انہیں یہی کام کرتے دیکھا ہے۔

دوسرا تاثر میرا یہ ہے کہ وہ اپنی تحریک کے سلسلے میں مخلص نہیں تھے۔ زبان وقلم سے روشیعیت کے باوجود اہلِ تشیع سے ان کے گونا گوں مراسم تھے۔ ایک بار میں پہنچا تو چند نامور شیعہ اہلِ قلم ان کے یہاں بیٹھے تھے اور بڑا پر تکلف ناشتہ کر رہے تھے اور بہت اپنائیت کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد از خود صفائی دینے لگے کہ: ''ان بچوں سے وطن ہی سے مراسم ہیں، بڑی محبت کرتے ہیں، میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔'' میں نے ''جی'' کہہ کر بات ٹال دی کہ مجھے اس سے کیا دلچسپی؟

اسی طرح ایک بار انتخابات میں انہوں نے ایک شیعہ امیدوار کو ووٹ دیا (۲) اور میرے سامنے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ: ''اس کے خاندان سے قدیم مراسم ہیں اور میں اسے اہل بھی سمجھتا ہوں۔'' ایک بار ان کی اہلیہ محترمہ،

---

(۱) بھائی (قاری علی تجمل نقوی) بھی ان کے متعلق یہی کہتے رہے ہیں۔ ادارہ

(۲) اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر عباسی صاحب کو سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ وہ کیا تھے؟ (ادارہ)

جو مجھ پر بڑی شفقت فرماتی تھیں، اپنے ایک ہمسائے کی شکایت کرنے لگیں کہ وہ آج صبح انہیں (عباسی صاحب کو) گالیاں دے رہا تھا اور ''یزیدی'' اور ''یزید کی اولاد'' تک کہہ گیا۔ اس پر میں نے از راہِ تفنن کہہ مارا کہ: ''یہ تو آپ کے نقطۂ نظر کے پیشِ نظر مدح ہوئی، قدح نہیں ہوئی۔'' اس پر وہ بہت برہم ہو گئے اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے، اور ان کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں: ''کیوں چھیڑتے ہو؟''

مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں وہ دل سے نہ یزید دوست تھے اور نہ شیعہ دشمن، بلکہ دانستہ یا نادانستہ کسی اسلام دشمن تحریک یا طاقت کے آلۂ کار تھے اور افتراق بین المسلمین کی مہم میں سرگرم تھے۔ میں نے ان میں شیعیت کے مظاہر تو کئی بار دیکھے، مثلاً مجالس تک ان کے یہاں برپا ہوتی تھیں اور وہ ذکر کر کے روتے اور رلاتے تھے، مگر ان کی پابندیِ احکامِ شریعت کا کوئی منظر اور واقعہ میرے علم و ذہن میں نہیں ہے؛ کم سے کم میں نے ان کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، نہ کسی سے سنا۔ تجارت اور معاشی منفعت بھی اس مہم میں یقیناً ان کے پیشِ نظر تھی۔

ایک بار نیاز فتح پوری کا ایک خط انہوں نے ایک دوسرے خط کے دھوکے میں مجھے پڑھنے کے لئے دیا۔ میں بھی جب خط پڑھ چکا تو پتہ چلا کہ یہ وہ مطلوبہ خط نہیں ہے۔ خط انہیں واپس کیا تو وہ بھی چکرا سے گئے۔ بہرحال اس خط کا جو مفہوم ذہن میں مستحضر ہے، کچھ اس قسم کا تھا کہ: ''خوب کتاب لکھی ہے، کچھ ہنگامہ گرم رہے گا، لطف رہے گا، خوب نکل رہی ہوگی؛ میں نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے، کتابی شکل میں بھی آئے گا، اسے وہاں نکلوائیں اور اپنی کتاب کے اتنے نسخے تاجرانہ نرخ پر مجھے بھجوائیں کہ تبصرہ پڑھ کر کتاب کی مانگ بھی آئے گی۔'' (۱)

اسی طرح ایک صاحب ۔ ے، جو نہ خدا کے قائل تھے نہ مذہب کے، ان سے اپنی تحقیق کا ذکر کر کے چاہتے تھے کہ وہ رائے دیں۔ انہوں نے کہا: ''میری رائے کا کیا کریں گے؟ میری نظر میں آپ کے حسینؓ اور آپ کے یزید دونوں گھٹیا تھے، عالمی سطح پر

(۱) ان لائنوں میں آپ خود عباسی صاحب کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ (ادارہ)

ان کی حیثیت نہیں ہے، تاریخ عالم کے اکابر میں ان کو محسوب نہیں کیا جا سکتا؛ تخت کے دو معمولی امیدوار لڑ پڑے تھے اور ایک مارا گیا۔'' اس پر عباسی صاحب نے تائید اور مسرت کا اظہار ایک قہقہے سے کیا اور انگریزی میں چند جملے کہے جس کا مفہوم یہ تھا کہ: ''بالکل یہی رائے میری اور ہر پڑھے لکھے آدمی (ایجوکیٹڈ) کی ہے، مگر ان صاحب (جنٹل مین) کے سامنے بات نہ کیجئے، یہ لوگ قدامت گزیدہ (آرتھوڈوکس) ہوتے ہیں۔''

عباسی صاحب نے مجھے انگریزی سے نابلد سمجھا تھا، میں نابلد ہی بنا رہا اور اجازت چاہی جو بڑی خوش دلی سے دے دی گئی۔ میرے بعد باہم گفتگو ہوئی ہوگی کہ: ''آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں، میں تو خود روشن خیال اور آزاد فکر ہوں، مگر ایک فرقے کو بہکانا اور معاشی منفعت حاصل کرنا ہے۔'' اس قسم کے حضرات کو صرف معاشی منفعت ہی حاصل ہو کر رہ جاتی ہے یا پھر اس کے ساتھ کوئی عالی منصب اور شہرت بھی۔ مگر اصل منفعت تو کفار کو حاصل ہوئی ہے، یہود کو حاصل ہوئی، اسلام دشمنوں کو حاصل ہوئی ہے جنہیں اگر کوئی خطرہ ہے تو اس امت کی بیداری سے ہے۔ اس لئے وہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور انہیں تاریخی، کلامی اور فقہی مسائل پر اختلافات کی آگ کو اپنے دامنِ دولت سے ہوا دے کر فروزاں کرتے ہیں۔

ان کے مسلک کے بودے پن کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی سننے کا ہے۔ ایک بار معلوم ہوا کہ لاہور سے حکیم حسین احمد صاحب عباسی مرحوم آئے ہوئے ہیں اور محمود احمد عباسی صاحب کے یہاں مقیم ہیں۔ چنانچہ میں اور میرے رفیقِ درس اور عزیز دوست حکیم جامی صاحب (جو ''کوٹری'' سے حسین میاں سے ملنے کے لئے ہی تشریف لائے تھے) عباسی صاحب کے یہاں پہنچے۔ حسین میاں تو نہیں ملے، البتہ عباسی صاحب ضرور مل گئے اور حسبِ عادت وہی موضوع چھیڑ دیا۔ میں حسبِ دستور تحمل سے کام لیتا رہا، مگر جامی صاحب تحمل کے قائل نہیں اور ردِ باطل کے لئے ہمہ وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور زبان و بیان تک کی اغلاط کی تصحیح کو جہاد سمجھتے ہیں۔

چنانچہ عباسی صاحب اسلامی تاریخ کے ماخذ پر گفتگو کر رہے تھے اور ''طبری'' وغیرہ کو نامعتبر بتا رہے تھے۔ اچانک سیدنا حسینؓ کے لئے فرمانے لگے: ''انہیں ''خناق'' کا

مرض تھا اور اطباء نے لکھا ہے کہ اس مرض میں مبتلاء انسان کی قوتِ فیصلہ بہت متاثر ہو جاتی ہے۔'' اب جامی صاحب کے جہاد کی گھڑی آ گئی تھی۔ عباسی سے پوچھا کہ: ''یہ بات کس نے لکھی ہے؟'' عباسی صاحب روانی میں کہہ گئے کہ: ''طبری نے لکھا ہے''۔ اس پر جامی صاحب نے ایک بڑے زہریلے قسم کا طنزیہ قہقہہ سر کیا اور بولے: ''جی ہاں، وہی طبری جو نامعتبر ہے!'' اس پر عباسی صاحب نے اپنے موقف کے ضعف کو اپنی برہمی سے قوت میں بدلنا چاہا اور آپے سے باہر ہو گئے۔ کھڑے ہو کر کہنے لگے: ''میرے بھائی! (بابائے طب مرحوم و مغفور) کا شاگرد ہو کر مجھ پر تنقید کرتا ہے؟'' اور ایسی ہی حواس باختگی کی بہت سی باتیں بڑے جوشِ غضب کے عالم میں کہہ گزرے۔ جامی صاحب نے، جو ایسے معرکوں کے عادی اور ماہر اور جسمانی صحت سے بھی مایہ دار ہیں، بڑے اطمینان اور ٹھہرے ہوئے لہجہ میں جواب دیا: ''بڑے میاں! پہلے تو بیٹھ جاؤ، ہانپ رہے ہو۔ پھر تم اس یگانۂ وقت اور باخدا بزرگ (بابائے طب) سے کیا نسبت رکھتے ہو؟ اور ان سے نسبت جتاتے ہو جس کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں، اگر ہے تو اسے ثابت کرو اور اچھے آدمیوں کی طرح معقولیت سے بات کرو، اپنی باتوں کے تضاد کو رفع کرو اور اگر کشتی ہی لڑنا ہے تو لو میں بھی کھڑا ہوا جاتا ہوں۔'' اسی دوران دونوں کی بلند آوازیں سن کر زنانے میں سے ایک نوجوان غالباً نواسہ نکل آیا تھا۔ اسے مخاطب کر کے جامی صاحب نے پچکارتے ہوئے کہا: ''میاں! ابا کی مدد کے لئے صرف تم سے کام نہیں چلے گا، اللہ کے فضل سے ۲۵ آدمیوں سے بیک وقت لڑوں گا۔'' وہ نوجوان تو مرعوب ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور میں نے جامی صاحب کی آتشِ جلال کو سرد کرنے کے لئے کچھ کہنا چاہا تھا کہ جامی صاحب کڑکے! ''معاف فرمایئے محمود میاں! میں باطل اور گمراہ کن اور بے سرو پا باتیں سن کر آپ کی طرح خاموش ہو جانا اور تردید کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ اب میں اس شخص کو بھگتنے کے لئے کیا کوٹری (۱) سے پھر کبھی آؤں گا؟ یا یہ مجھے معقول جواب دے ورنہ میں'' اپنے بھرے بازو

(۱) کیسی قابلِ رشک قوتِ ایمانی ہے، کاش کہ اہلِ باطل سے مقابلہ کی ایسی ہی ایمانی قوت اللہ تعالیٰ تمام اہلِ سنت کو دیدے۔ (ادارہ)

(بازو دکھاتے ہوئے) ان کو حرکت میں لاؤں گا۔'' عباسی صاحب یہ عالم، یہ رنگ دیکھ کر بڑے خوفزدہ اور بدحواس سے ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے مراسم کے زور پر جامی صاحب کو بجبر التواء جہاد پر آمادہ کیا اور ان کو گھسیٹتا ہوا وہاں سے لے آیا۔

عباسی صاحب سے آخری ملاقات یوں ہوئی کہ میرے فاضل دوست جناب اقتداء ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے۔ ہاشمی صاحب تاریخ اسلام پر بڑا عبور رکھتے ہیں اور ان کے اور عباسی صاحب کے درمیان کتب مطالعہ کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ عباسی صاحب اور ہاشمی صاحب اسی موضوع (حسینؓ و یزید) پر گفتگو کرنے لگے، میں ایک کتاب ہاتھ میں لے کر وقت گزارنے لگا۔ مطالعہ سے میری توجہ بلند ہوتی ہوئی آواز نے ہٹائی۔

''ایڈیٹ؟ (بیوقوف)

ہاں ایڈیٹ تھا،

علی ایڈیٹ، علی ایڈیٹ،

یس علی ایڈیٹ، علی واز ایڈیٹ''

اور ہاشمی صاحب جو پاؤں اٹھائے تخت پر بیٹھے تھے، پاؤں لٹکا کر جوتا پہنتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے: ''حکیم صاحب! آپ ٹھہریں گے؟ میں تو چلا، اب برداشت کی بات نہیں رہی''۔ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: ''فوراً چلئے، اب یہاں کبھی نہیں آنا ہے، توبہ توبہ!'' اور عباسی صاحب ''حکیم صاحب، ہاشمی صاحب'' چیختے رہے مگر ہم وہاں سے نکل آئے اور پھر کبھی وہاں نہیں گئے۔ یہاں تک کہ عباسی صاحب اس کے دربار میں پہنچ گئے جس کے سامنے ان کا باطن ظاہر ہوگا۔

محمود احمد برکاتی لالوکھیت (۱)

۳۰/مارچ ۱۹۸۰ء

(۱) حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب معروف طبیب ہیں، نہایت متدین عالم و فاضل ہیں، عمدہ صاحب قلم اور نقاد ہیں، دین کے شیدائی اور جری و حق گو ہیں؛ مولانا عبدالشکور لکھنوی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ تاریخی طبیب حکیم فرید احمد صاحب عباسی امروہوی (جو مصنف ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کے بھائی تھے) کے شاگرد رشید ہیں۔ (ادارہ)

فاطمہؓ بنت رسول ﷺ کی توہین

"بخاری" اور روایات صحاح کو جعلی قرار دینا

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فاطمہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین

''بخاری'' اور روایات صحاح کو جعلی قرار دینا

پاکستان کے مفتی اعظم اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے دارالافتاء کے رئیس، محدث کبیر، استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کی ایک ملاقات محمود عباسی سے ایسی ہوئی کہ آپ تڑپ اٹھے اور پھر اس بدنصیب سے ہمیشہ کے لئے ملنا ترک کر دیا۔

حضرت مفتی صاحب کی زبانی اس ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں نمبر اٹھائیس (۲۸) پر ملاحظہ فرمائیں۔

کاش! محمود عباسی کے حامی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی حرمت کے احترام میں اب بھی محمود عباسی کی حمایت ترک کر دیں تو ان کی سعادت ہوگی اور ہماری خوشی کا باعث ہوگا۔ لیکن توفیق اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ کیا حضرت مفتی ولی حسنؒ سے بڑھ کر کوئی شاہد عدل اس دور میں ہوسکتا ہے؟

(ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمود احمد صاحب عباسی مصنف ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' و ''تحقیق مزید'' وغیرہ سے بندہ ''لیاقت آباد'' میں رہنے کی وجہ سے ایک عرصہ سے واقف تھا۔ شروع شروع میں روافض دشمنی کی قدرِ مشترک کی وجہ سے عباسی صاحب سے خاصی دوستی تھی۔ کبھی کبھی ان کے کہنے پر بعض عربی عبارتوں کے ترجمہ میں مدد بھی دی۔ اسی طرح بعض کتابوں کے حصول میں معاونت بھی کی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ روافض کے خلاف عباسی صاحب اچھا کام کر رہے ہیں، بلکہ بعض بزرگوں کی ملاقات عباسی صاحب سے بندہ ہی نے کرائی۔

ایک عاشورۂ محرم پر عباسی صاحب کا یہ رنگ بھی دیکھا کہ ان کے مکان پر اچھے خاصے لوگ جمع ہیں اور عباسی صاحب حضرت زینب بنتِ نبی ﷺ کا اور ان کی اولاد واَحفاد کا ذکر کر رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس منظر سے میں خاصا متاثر ہوا، لیکن کچھ عرصہ بعد یہ واضح ہوا کہ موصوف خاصے ناصبی ہیں۔

ایک بار میرے اور کچھ لوگوں کے سامنے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر العیاذ باللہ! تنقید شروع کر دی اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ: ''وہ اتنی سی تھیں'' یعنی ان کا قد چھوٹا تھا۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیز اذیت دے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے۔'' آپ کس طرح خاتونِ جنت کی غیبت کر رہے ہیں؟ میں نے یہ بھی کہا کہ: ''بخاری'' کی حدیث ہے۔ اس پر وہ ''بخاری'' اور دیگر کتب حدیث پر

تنقید کرنے لگے اور منکرین حدیث کے طرز پر ''احادیث صحاح'' کو بھی ''سازش'' کہنے لگے۔ اس سے پہلے میں مشہور منکر حدیث تمنا عمادی کو ان کے یہاں دیکھ چکا تھا۔ وہ ان کے بڑے مداح تھے اور ان کی خود ساختہ تحقیقات کے خاصے معترف تھے۔ ان واقعات کے بعد بندہ نے عباسی صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ یہ شخص ناصبی اور منکر حدیث ہے۔

وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَھُوَ اَعْلَمُ

کتبہ:

ولی حسن مفتی دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی

۱۲ر جمادی الاوّل ۱۴۰۰ھ

عباسی صاحب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کو

خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے

جناب موسیٰ حسن صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عباسی صاحب حضرت عثمان غنیؓ

کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے

جماعت اسلامی پاکستان کے امیر مرکزیہ جناب سیّد منور حسین صاحب کے سسر جناب مطہر نقوی صاحب نے ''محمود عباسی اپنے عقائد ونظریات کے آئینہ میں'' نامی کتاب لکھی۔ جناب مطہر نقوی صاحب کے نام ''جناب موسیٰ حسن'' نے ایک مکتوب لکھا جسے انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا۔ یہی مختصر ایک صفحہ کا مکتوب کتاب ''سیّدنا علیؓ وسیّدنا حسینؓ'' میں بھی شائع ہوا، جسے ہم اس ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیّت'' کے نمبر انتیس (۲۹) پر شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۸) وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

جہاں اس اُمتِ مسلمہ میں ایسے سعادت مند اہلِ علم اور محققین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کی اشاعت وتبلیغ کی خدمت انجام دی ہے، وہاں ایسے بدبخت گمراہ لوگ بھی ہوئے، جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کے متعلق شکوک پھیلائے۔ واجب الاحترام ہستیوں کو اپنی خباثت کا نشانہ بنایا اور مسلمہ واقعات کو غلط تاویلات کے ذریعہ مسخ کرنے کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔

محمود عباسی صاحب اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۸ء کا زمانہ تھا کہ عباسی صاحب کا ایک سلسلہ وار مضمون ''الحسین'' کے نام سے ''کراچی'' کے ایک روزنامہ میں چھپنا شروع ہوا۔ راقم (۱) بھی اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے اس سے متاثر ہوگیا تھا۔ عباسی صاحب سے اسی دوران تعارف ہوا اور بعدہٗ تین چار بار ان سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ مگر دورانِ گفتگو عباسی صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور مغلظات استعمال کرتے رہے۔ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۂ ثالث بھی نہیں مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شر سے محفوظ رکھا اور میں نے محسوس کیا کہ یا تو عباسی خارجی ہے یا ناصبی۔

---

(۱) موصوف کا بیان ہے کہ: ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' پر پابندی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لئے میں ہی عباسی صاحب کو حسین شہید سہروردیؒ کے پاس لے گیا تھا۔ موصوف سے ملاقات بواسطہ ''عوامی کتب خانہ'' نیز میمن مسجد بندر روڈ ہوسکتی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ مطہر نقوی صاحب نے عباسی صاحب کی خباثت پر سے پردہ اٹھانے کے لئے یہ کتاب (۱) لکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ بہت سے لوگ جو عباسی صاحب کے متعلق غلط فہمی میں مبتلاء ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے عباسی صاحب کا حقیقی چہرہ دیکھ سکیں گے۔

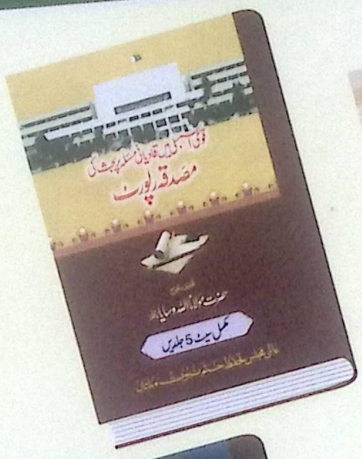
فقط:

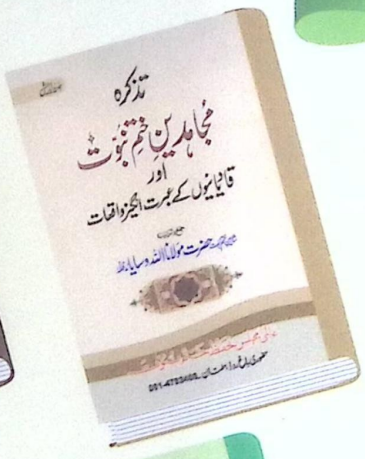
موسیٰ حسن

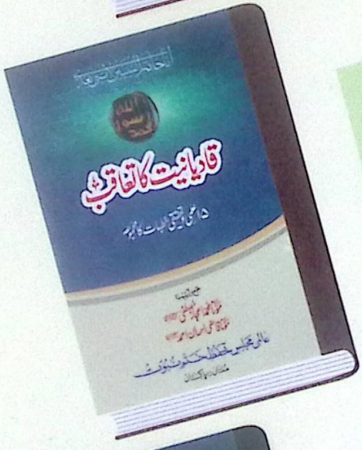
۲۱ ستمبر ۱۹۸۰ء

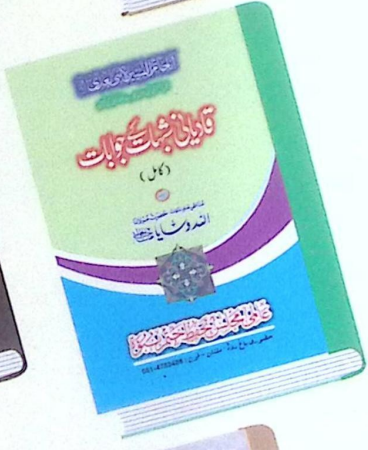
(۱) ''محمود عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں'' (مطہر نقوی)

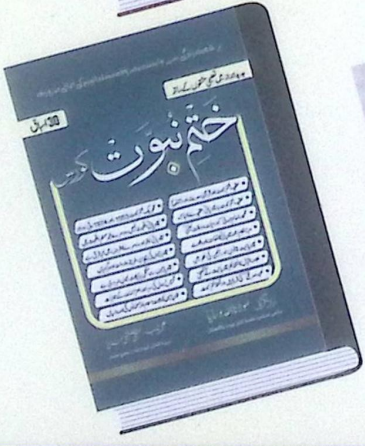
مطبوعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

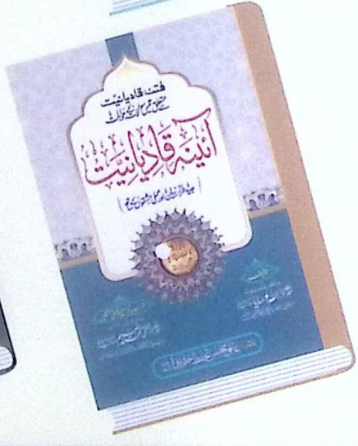












www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com